تہجد گزار بندے

مؤلف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ

(م: ۲۸؍ ستمبر ۲۰۱۳ء)

(بانی: مدرسہ سراج العلوم چھپرہ، ضلع مئو، یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

تہجد گزار بندے

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ (م: ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء)

(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

پن کوڈ: 276403 موبائل: 9235327576

تفصیلات

نام کتاب : تہجد گزار بندے
مؤلف : حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ
مرتب : مولانا ضیاء الحق خیر آبادی
صفحات : 472
طبع اول : مئی ۲۰۰۶ء
طبع دوم : جنوری ۲۰۰۹ء
طبع سوم : فروری ۲۰۱۵ء
ناشر : مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت : 300/=
ای میل: **zeyaulhaquekbd@gmail.com**

ملنے کے پتے

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
☆ مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو یوپی 9235327576
☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئو ناتھ بھنجن 9236761926
☆ مولانا محمد خالد قاسمی مکتبہ دارارقم، اسلام آباد (ڈکہا) جون پور 9554983430

فہرست مضامین

تعارف طبع سوم	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۱۱
تقریب	از: مؤلف	۱۳
مُقدّمۃ	مولانا ضیاء الحق خیرآبادی	۱۵

☆☆☆☆☆

نمازِ تہجد کا ذکر قرآن کریم میں	۲۲
پہلی آیت	۲۲
دوسری آیت	۲۳
تیسری آیت	۲۳
چوتھی آیت	۲۴
پانچویں آیت	۲۵
چھٹی آیت	۲۸
ساتویں آیت	۲۸
آٹھویں آیت	۲۹
نمازِ تہجد کی فضیلت احادیث کی روشنی میں	۲۹
تہجد کے وقت بیدار ہونے کی نیت سے باوضو سونا	۳۰
تہجد کے لئے اُٹھنے کے وقت کی دعائیں	۳۲
نمازِ تہجد کی ترغیب	۳۴
پیشوائے تہجد گزاراں سید الانبیاء ﷺ	**۴۱**
رسول اللہ ﷺ کا اہتمام تہجد	۴۲

سونے کے وقت کی دعائیں	۴۴
سوکر اٹھنے کے بعد کی دعاء	۴۵
رسول اللہ ﷺ تہجد کے لئے کب اٹھتے تھے؟	۴۸
تہجد کے وقت خوشبو کا استعمال	۵۰
نمازِ تہجد کی رکعتیں	۵۰
رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تہجد کی کیفیت	۵۴
طولِ قیام	۵۶
آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت	۵۸
ہر آیت پر ٹھہرنا	۶۰
ترجیع کے ساتھ قرآن پڑھنا	۶۱
تہجد کی نماز میں قرأت جہراً یا سراً	۶۲
تہجد کی نماز میں آہستہ قرأت بہتر ہے یا بلند آواز سے؟	۶۴
قرآن کریم کو اچھی آواز سے پڑھنا	۶۴
قرآن کریم کو ترنم سے پڑھنا	۶۷
تہجد میں ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنا	۶۸
ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتوں کا پڑھنا	۷۱
ایک رکعت میں مختلف آیات کی تلاوت	۷۳
تہجد کی نماز میں رکوع	۷۴
تہجد میں رکوع کے اذکار	۷۵
قومہ کے اذکار	۷۷
سجدہ کے اذکار	۷۹
دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کے اذکار	۸۲

رسول اللہ ﷺ کا اخیر عمر میں بیٹھ کر تہجد پڑھنا	۸۳
تہجد کے بعد سونا	۸۴
نیند کے باب میں رسول اکرم ﷺ کی خصوصیت	۸۵
وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں	۸۵
نمازِ تہجد کی قضاء	۸۷
تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کا مجاہدہ	۸۸
تہجد کی نماز میں اعانت کرنے والے کو دعا	۸۹
سخت گھڑیوں میں تہجد کا معمول	۹۰
غزوۂ خندق میں	۹۱
غزوۂ تبوک کی رات	۹۲
انبیاء کرام علیہم السلام	۹۴
حضرت ادریس علیہ السلام	۹۵
حضرت یعقوب علیہ السلام	۹۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام	۹۸
حضرت داؤد علیہ السلام	۹۹
حضرت سلیمان علیہ السلام	۱۰۰
حضرت یحییٰ علیہ السلام	۱۰۱
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۱۰۳
حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم	۱۰۴
دشمن کی گواہی	۱۱۱
خلیفۂ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۱۳
امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ	۱۱۵

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	۱۱۸
امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۱۲۰
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۱۲۳
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	۱۲۷
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۱۲۹
حکیم الامت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ	۱۳۲
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۱۳۶
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	۱۴۵
ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۱۴۸
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	۱۵۱
حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	۱۵۳
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	۱۵۵
حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ	۱۵۷
حضرت عباد بن بشر انصاری رضی اللہ عنہ	۱۶۰
حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	۱۶۲
حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	۱۶۴
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	۱۶۵
حضرت سعید بن عامر جمحی رضی اللہ عنہ	۱۶۸
حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ	۱۷۲
حضرت ابوریحانہ اَزدی رضی اللہ عنہ	۱۷۴
حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ	۱۷۷
حضرت علبہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ	۱۷۸

تابعین کرام رحمہم اللہ	۱۸۱
سید التابعین حضرت اُوَیس قرنیؒ	۱۸۳
حضرت عامر بن عبد قیس البصریؒ	۱۸۸
حضرت ہرم بن حیان ازدی بصریؒ	۱۹۳
حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی، کوفیؒ	۱۹۵
حضرت ربیع بن خثیم ابو یزید ثوریؒ	۱۹۷
حضرت ابو مسلم خولانیؒ	۱۹۹
حضرت علقمہ بن قیس نخعیؒ	۲۰۱
حضرت اسود بن یزیدؒ	۲۰۳
حضرت ابو الصہباء صلہ بن اشیم الزاہد	۲۰۴
حضرت حسن بصریؒ	۲۰۶
مدینہ شریف کے مشہور فقہاء	**۲۰۹**
حضرت سعید بن مسیّبؒ	۲۱۱
حضرت عروہ بن زبیرؒ	۲۱۳
حضرت ثابت بن اسلم بنانیؒ	۲۱۷
حضرت مالک بن دینارؒ	۲۲۱
حضرت علی بن حسین (زین العابدین سجاد)	۲۲۵
حضرت امام ابو جعفر محمد بن علی باقرؒ	۲۳۱
حضرت علی بن عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم)	۲۳۴
حضرت علاء بن زیاد بصریؒ	۲۳۶
حضرت امیر المومنین سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ	۲۴۰
حضرت سعید بن جبیرؒ	۲۴۵

امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ	۲۴۹
حضرت سفیان ثوریؒ	۲۵۲
حضرت داؤد طائیؒ	۲۵۹
حضرت ابراہیم بن ادہمؒ	۲۶۲
حضرت منصور بن معتمرؒ	۲۶۵
حضرت امام بخاریؒ	۲۶۸
حضرت وکیع بن الجراحؒ	۲۷۱
حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ	۲۷۵
حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ	۲۷۹
حضرت معروف کرخیؒ	۲۸۱
حضرت منصور بن زاذانؒ	۲۸۶
حضرت طاؤس بن کیسانؒ	۲۸۸
سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ	۲۹۱
حضرت ابو سلیمان دارانیؒ	۲۹۵
حضرت یزید بن ہارون الوسطیؒ	۲۹۹
حضرت ہشیم بن بشیر محدث بغدادؒ	۳۰۱
حضرت مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن زبیرؒ	۳۰۳
حضرت عبدالواحد بن زیدؒ	۳۰۴
حضرت عتبۃ الغلام الزاہدؒ	۳۰۹
امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ	۳۱۴
حضرت عمرو بن عتبہ بن فرقدؒ	۳۲۹
حضرت عطا بن میسرہ خراسانیؒ	۳۳۲

حضرت ابوعثمان نہدیؒ	۳۳۴
حضرت سلیمان تیمیؒ	۳۳۵
امام ربانی حضرت محمد بن واسع بصری تابعی	۳۳۸
امام وہب بن منبہ علیہ الرحمہ	۳۴۳
حضرت زبید بن حارث یامی	۳۴۶
حضرت مسعر بن کدام	۳۴۸
سیدنا امام شافعی علیہ الرحمہ	۳۵۰
سیدنا عبدالقادر جیلانی	۳۵۷
سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری	۳۶۹
حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی	۳۷۴
حضرت امام ابو یوسف (قاضی القضاۃ)	۳۸۰
امام دارالہجرۃ سیدنا امام مالک بن انس	۳۸۲
حضرت حسان بن ابی سنان	۳۸۶
حضرت محمد بن اسلم طوسی	۳۹۳
سیدنا محمد موسیٰ کاظم بن سیدنا جعفر صادق	۳۹۹
سیّدنا احمد بن ابی الحواری	۴۰۴
حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی	۴۰۸
حضرت وہیب بن الورد مکی	۴۱۴
حضرت زمعہ بن صالح مکی	۴۱۸
امام عبدالملک بن عبدالعزیز: ابن جریج	۴۱۹
حضرت صفوان بن سلیم	۴۲۰
حضرت کہمس بن حسن قیسی	۴۲۴

حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم	۴۲۵
حضرت ابوحیان سعد بن تیمی	۴۲۶
حضرت معروف بن واصل تیمی	۴۲۶
حضرت کرزہ بن وبرہ حارثی	۴۲۷
حضرت موسیٰ بن ابی عائشہ	۴۳۱
حضرت ابوالعباس بن عطا	۴۳۲
حضرت ابوبکر زقاق	۴۳۴
حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن	۴۳۶
حضرت محمد بن کعب قرظی	۴۳۷
حضرت ابوعمرو بن حماس	۴۴۲
حضرت محمد بن منکدر	۴۴۴
حضرت عمرو بن المنکدر	۴۴۹
حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ	۴۵۱
حضرت محمد بن یوسف بن معدان	۴۵۴
حضرت عبدالرحمٰن ابن القاسم	۴۵۶
حضرت حاتم اصم بلخی	۴۵۹
حضرت مسلم بن یسار	۴۶۸
حضرت صفوان بن محرز المازنی	۴۷۱

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف طبع سوم

”تہجد گزار بندے“ جسے حضرت الاستاذ مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نوراللہ مرقدہ نے سلسلہ وار مضمون کی شکل میں لکھنا شروع کیا تھا، اللہ نے اسے شرف قبولیت سے نوازا، ابھی اس کی پچاس کے قریب قسطیں آئی تھیں کہ لوگوں کے مطالبہ پر اس کو کتابی شکل میں آج سے دس سال پہلے شائع کیا گیا، یہ ایڈیشن ۳۲۰ر صفحات پر مشتمل تھا، یہ ایڈیشن سال دو سال میں ختم ہوگیا، بغیر کسی ترمیم کے اسے دوبارہ شائع کیا گیا، حضرت مولانا کی حیات کے اخیر ایام میں یہ ایڈیشن بھی ختم ہوگیا۔ ارادہ تھا کہ اب تک اس کی جتنی قسطیں آچکی ہیں سب کو ایک ہی جلد میں شائع کردیا جائے، میں نے سب کو اکٹھا بھی کرلیا تھا، لیکن اسی دوران حضرت مولانا کی وفات کا حادثۂ جانگداز پیش آگیا، جس نے ایک عرصہ تک دل و دماغ کو اس طرح متاثر کئے رکھا کہ کسی کام میں جی ہی نہیں لگتا تھا، بس کسی طرح زندگی کی گاڑی کھسک رہی تھی، اسی دوران چھ سات کتابیں بالکل ختم ہوگئیں اور لوگوں کا مطالبہ برابر جاری رہا کہ جلد از جلد انھیں شائع کیا جائے تو بار بار تقاضوں اور اصرار سے منجمد ارادوں میں کچھ تحریک ہوئی، مردہ حوصلے میں کچھ جان آئی، اب از سر نو کتابت و تصحیح کے بعد اسے پریس کے حوالے کیا جارہا ہے، اس موقع پر حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی یاد بہت شدت سے آرہی ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ ان کی کوئی کتاب ان کی نظر ثانی کے بغیر شائع ہورہی ہے، مجھے تو ان کے بعد اپنی زندگی بالکل ادھوری محسوس ہورہی ہے، زندگی میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پُر ہونا بظاہر مشکل معلوم ہورہا ہے۔

میں حضرت مولانا کے تمام گرامی قدر صاحبزادگان کا شکرگزار ہوں کہ ان کا ہر طرح کا تعاون مجھے حاصل ہے، بالخصوص چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد عرفات سلّمہٗ کا، جن کا علمی وعملی تعاون ہر وقت مجھے میسر ہے، کتابت وپروف ریڈنگ اور دیگر اشاعتی امور میں وہ ہر وقت میرے تعاون کیلئے مستعد رہتے ہیں، ان کے عزم وحوصلے کو دیکھ کر میرے ٹوٹے ہوئے حوصلوں میں توانائی پیدا ہوتی ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے اور انہیں اپنے نامور باپ کا جانشین بنائے۔ آمین

میرے شکرئے کے مستحق ہیں محترم مولانا معزالدین صاحب گونڈوی ناظم امارت شرعیہ جمعیۃ علماء ہند جن کی چشم عنایت سے طباعت کے دشوارگزار مراحل بآسانی طے ہوجاتے ہیں اور پریس کے جھمیلے سے مجھے نجات رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو اپنے شایان شان اجر عطا فرمائے۔

یہ تیسرا ایڈیشن ۴۷۲ صفحات پر مشتمل ہے، سابقہ ایڈیشن میں آخری تذکرہ حضرت سلیمان تیمی علیہ الرحمہ کا ہے، جو اس ایڈیشن میں صفحہ ۳۲۷ پر ختم ہورہا ہے، اس کے بعد کے تذکرے پہلی مرتبہ کتابی شکل میں سامنے آرہے ہیں۔ باری تعالیٰ اس اضافہ شدہ ایڈیشن کو بھی قبولیت سے نوازے اور حضرت مولف مرحوم کے لئے صدقۂ جاریہ اور رَفعِ درجات کا سبب بنائے۔ آمین

ضیاء الحق خیرآبادی
مدیر مجلّہ سراج الاسلام
استاد مدرسہ سراج العلوم، سراج نگر، چھپرہ ضلع مئو یوپی
۵؍ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۲۶؍جنوری ۲۰۱۵ء دوشنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریب

چند برس پہلے ایک کتاب ’’رهبان اللیل ‘‘ ایک صاحب کے ہاتھوں ملی ، یہ دو ضخیم جلدیں ہیں ، دیکھا تو کتاب پسند آئی ، میں نے کتاب خرید لی ، اس کتاب کا موضوع تہجد گزاری اور شب بیداری کی فضیلت ، اور تہجد گزاروں کے حالات کا بیان ہے ، یہ موضوع میرے ذہن میں بہت پہلے سے تھا ، مگر کوئی خاص تحریک نہیں ہوتی تھی ، اور نہ میرے اندر لکھنے کا کوئی قوی داعیہ ہے ، اس لئے یہ موضوع دبا دبا سا تھا ، ادھر مدرسہ شیخ الاسلام ، شیخوپور سے ایک ماہنامہ کا اجراء طے ہوا ، اور شروع بھی کر دیا گیا ، وہ ہر ماہ تازہ مضمون کا تقاضا کرتا تھا ، اس کا تقاضا پورا کرنے لئے ’’رهبان اللیل ‘‘ کے طرز پر ’’تہجد گزار بندے ‘‘ کا سلسلہ شروع کیا ، بحمد اللہ پابندی کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا ، اس کے لئے ’’رهبان اللیل ‘‘ کے علاوہ امام ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ کی ’’حلیة الاولیاء ‘‘ علامہ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کی ’’سیر اعلام النبلاء ‘‘ حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی ’’الاصابه فی معرفة الصحابه ‘‘ کو خاص طور سے پیش نظر رکھا ، ان کے علاوہ اور بھی بعض کتابوں سے استفادہ کیا ، جن کے حوالے کہیں کہیں آپ کو ملیں گے ۔

مضامین کا یہ سلسلہ اہل علم اور اہل دل حضرات نے پسند کیا، اس کی ایک معتد بہ مقدار لکھی جا چکی تو عزیزم مولانا حافظ ضیاء الحق خیر آبادی سلّمہٗ مدیر ماہنامہ ضیاء الاسلام، استاد عربی مدرسہ شیخ الاسلام، شیخوپور، جنھیں میری تحریروں سے خصوصی دلچسپی ہے، اور وہی انھیں محفوظ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، ورنہ مجھے جس طرح لکھنے کا شوق نہیں ہے، اسی طرح اپنی تحریروں کی حفاظت و اشاعت کا بھی ذوق نہیں ہے، بہر حال انھیں عزیز موصوف نے ان مضامین کو کتابی شکل میں یکجا کیا، اور میری فرمائش کی تعمیل میں انھوں نے ہی اس پر مقدمہ لکھا۔

خدا کرے یہ کتاب امت مسلمہ کے حق میں نافع ثابت ہو، اور کاتب و جامع کے حق میں وسیلۂ نجات بنے۔ آمین

اعجاز احمد اعظمی

۸؍ شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ سہ شنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

اسلام میں پانچ وقت کی فرض نمازوں کے علاوہ ایک اور نماز کی بھی بڑی فضیلت اور تاکید وارد ہوئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر فرض کی طرح مواظبت فرمائی ہے، یہاں تک کہ اگر کبھی چھوٹ گئی تو اس کی قضا فرمائی ہے، وہ نماز ہے تہجد کی نماز، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

أفضل الصلوٰة بعد المكتوبة الصلوٰة في جوف الليل

(رواہ مسلم، بحوالہ رہبان اللیل، جلد اول)

فرض نمازوں کے بعد افضل ترین نماز قیام لیل (تہجد کی نماز ہے)

اس سلسلہ میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جس سے تہجد گزار بندوں کی عند اللہ محبوبیت ومقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ تین شخصوں سے بہت محبت فرماتے ہیں (**ثلاثة يحبهم الله**)۔ ان میں سے ایک شخص وہ ہے کہ **قوم ساروا ليلتهم حتیٰ إذا كان النوم أحب إليهم مما يعدل به فوضعوا رؤوسهم فقال يتملقني ويتلوا آياتي** (مشکوٰۃ شریف، بحوالہ ترمذی ونسائی شریف **باب فضل الصدقه**)

اللہ تعالیٰ جن تین آدمیوں سے محبت فرماتے ہیں، ان میں سے ایک شخص وہ ہے، کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ رات بھر چلا، پھر جب ان کو نیند ہر اس چیز سے پیاری اور محبوب

ہوگئی، جو اس کے برابر ہوسکتی ہے، اور انھوں نے اپنے سر بستروں پر رکھ لئے، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ آدمی علیٰحدہ کھڑے ہوکر میری خوشامد کرنے اور میری آیات کی تلاوت میں لگ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کا حکم پہلے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا، اس کے بعد ساری امت کو اس کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً .نِصْفَهٗ أَوِ نْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً .أَوْزِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً (سورہ مزمل)

اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو (نماز) میں کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے کسی قدر کم کردو یا نصف سے کچھ بڑھا دو، اور قرآن خوب صاف صاف پڑھو۔

ان آیات میں براہ راست خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے، کہ پوری رات سونے کے لئے نہیں ہے، بلکہ رات کا ایک حصہ خواہ وہ نصف ہو یا نصف سے کچھ کم وبیش، اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہونا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ تاکیدی حکم ہے۔ ابتداء اسلام میں یہ قیام فرض تھا، بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

اس نماز کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بے حد ہے، چنانچہ تہجد گزار بندوں کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ ارشاد ہے: إِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ o آخِذِیْنَ مَا آتَاھُمْ رَبُّھُمْ إِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُحْسِنِیْنَ o کَانُوْا قَلِیْلاً مِّنَ اللَّیْلِ مَایَھْجَعُوْنَ o وَبِالْأَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ o

بے شک اصحاب تقویٰ باغوں میں ہیں، جو کچھ ان کو ان کے رب نے دیا ہے، اسے لیتے ہیں، وہ اس سے پہلے نیکی والے تھے، وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے، اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے تھے۔ (سورۃ الذاریات: ۱۵ تا ۱۸)

نماز تہجد کی ترغیب وتشویق کے لئے یہ حدیث ملاحظہ ہو:

عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :ینزل ربنا تبارک

وتعالیٰ کل لیلة إلی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول : من یدعونی فاستجیب لہ ؟ من یسألنی فاعطیہ ؟ من یستغفرنی فاغفر لہ ؟ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی وقت آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اسے قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

علیکم بقیام اللیل فإنہ دأب الصالحین قبلکم وھو قربة إلیٰ ربکم ومکفرة للسیئات ومنھاة عن الاثم (ترمذی شریف وحاکم)

تم رات کے قیام کو یعنی نماز پڑھنے کو اپنے اوپر لازم کرو، کیونکہ یہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ رہا ہے، اور اس سے تمہارے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے، گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، اور اس سے گناہوں سے رکاوٹ ہوتی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ہر زمانہ میں صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ عام لوگ جب رات کے آخری حصہ میں خواب شیریں کے مزے لیتے ہیں، تو اللہ کے نیک بندے اپنی نیند قربان کر کے اللہ سے مناجات کرتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو اسلام کے مخاطبینِ اولین اور رسول اللہ ﷺ کے براہ راست شاگرد تھے، وہ تو اس باب میں بھی پیغمبر ﷺ کے ٹھیک نقش تھے، تہجد کے ساتھ ان کے شغف کا عالم یہ تھا کہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ صبح کے وقت تہجد میں قدرے بلند آواز سے تلاوت قرآن کی وجہ سے مدینہ کی گلیوں میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز آتی تھی، چنانچہ اس کتاب میں آپ مدینہ کا منظر دیکھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر اپنے رب کے حضور

مناجات میں مشغول ہیں، تو کہیں حضرت فاروق اعظم نماز تہجد میں تلاوت قرآن سے شیطان کو بھگا رہے ہیں، تو کہیں حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری اپنے حسن صوت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی توجہ اپنی جانب مبذول کیے ہوئے ہیں، تو کہیں حضرت بلال حبشی وصہیب رومی اور سلمان فارسی وابوالدرداء نماز میں مشغول ہیں، یہ حضرات تو اکابر صحابہ میں سے تھے، ہم تو دیکھتے ہیں کہ عبادت کا یہ ذوق وشوق بچوں میں بھی اس قدر تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس جن کی عمر اس وقت دس سال کی تھی اسی شوق عبادت میں ساری رات جاگتے رہے، **كثّر الله أمثالهم**

اور یہی ذوق صحابہ کے تلامذہ تابعین اور ان کے تلامذہ تبع تابعین میں رہا مگر جو عمومیت اور ذوق وشوق کی فراوانی صحابہ کرام کے اندر تھی، رفتہ رفتہ اس میں ضعف واضمحلال آتا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ جو فقہائے مدینہ میں شمار ہوتے تھے، اپنے والد کا ایک قول نقل کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو عبادت گھٹے گی وہ رات کی تہجد ہے، اور اس میں آواز سے قرأت کرنا ہے۔

(جزء افعال العباد للبخاری)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف کتاب حضرت الاستاذ مدظلہ فرماتے ہیں:

> سچ فرمایا صحابیٔ رسول ﷺ نے، اب تو وہ حال ہے کہ تہجد گویا معدوم ہوگئی ہے، اور اس میں قرآن کریم کی قدرے آواز سے تلاوت کرنا گویا بالکل ختم ہو چکا ہے، کاش کہ حاملین قرآن یعنی حفاظ وقراء اور علماء بالخصوص اس پر توجہ دیتے اور اپنی راتوں کو تہجد کی نماز اور قرآن کی تلاوت سے مزین اور نورانی بناتے، حافظوں کی تو یہی پہچان ہونی چاہئے کہ اخیر شب میں وہ اٹھنے والے ہوں، اس وقت پروردگار کی طرف سے جو التفاتِ خاص ہوتا ہے وہ دوسرے وقت کب ملے گا۔

اس تحریر میں لکھنے والے کا درد وکرب صاف محسوس کیا جا سکتا ہے، اسی مبارک

جذبہ سے مؤلف نے ''تہجد گزار بندے'' کا سلسلہ شروع کیا جس میں نماز تہجد کی فضیلت واہمیت اور اس سلسلہ میں وارد آیات واحادیث، اور سلف صالحین کے واقعات جو قیام اللیل کے ساتھ ان کے حددرجہ شغف وانہماک پر دلالت کرتے ہیں، نہایت دلنشیں انداز میں لکھنا شروع کیا، یہ تہجد گزار بندوں کا ایک روحانی سلسلہ ہے جو قرن اول سے لے کر دورِ تبع تابعین تک کے بزرگوں پر مشتمل ہے، اس میں استقصاء مقصود نہیں ہے، بلکہ انہیں بزرگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے تہجد کا تذکرہ تاریخ وسیر کی کتابوں میں موجود ہے، اس میں بھی یہ ایک انتخاب ہے، اس کتاب کو اگر ہم محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کی ''اعیان الحجاج'' کی طرح ایک تاریخی وسوانحی خاکہ کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا، کیونکہ تہجد کے ضمن میں شخصیت کی ابتدائی وانتہائی زندگی کے مختصر حالات، تعلیم وتربیت، مقام ومرتبہ، ان کی علمی خصوصیات وخدمات، معاصرین وبعد کے علماء کے درمیان ان کی حیثیت، سبھی پہلوؤں پر مستند کلام کے ساتھ ساتھ اصل موضوع تہجد گزاری کے واقعات کو اتنے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ دل پر اس کا ایک خاص اثر ہوتا ہے، اوروں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر اپنا حال یہ ہے کہ جب کبھی اس سلسلہ میں کمزوری محسوس ہوتی ہے تو ان مضامین کو پڑھنا شروع کرتا ہوں، اللہ جانے ان بزرگوں کی برکت کارفرما ہوتی ہے یا مؤلف کا اخلاص وسوز دروں کہ اس کے بعد عبادت کا ایک ذوق پیدا ہوجاتا ہے۔

اس سلسلہ میں چونکہ عبادت گزاری وشب زندہ داری کے ساتھ سیکڑوں اسلامی شخصیات کی سیرت وتاریخ بھی آگئی ہے، اس لئے اس کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا مطالبہ کئی سالوں سے ہو رہا تھا، خاص طور سے ان لوگوں کی طرف سے جو اس کے ذوق آشنا ہیں، لہٰذا اسی کے پیش نظر اسے کتابی شکل دی گئی، انداز تحریر یہ ہے کہ پہلے نمازِ تہجد کی فضیلت کے سلسلہ میں جو آیات وارد ہوئی ہیں، ان کو بیان کر کے ان کی توضیح وتشریح کی گئی ہے، اس کے بعد وارد شدہ احادیث کا ذکر ہے، پھر واقعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، جس کی ابتداء پیشوائے تہجد گزاراں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ سے ہوتی ہے، آپ کے تہجد کا نہایت تفصیل

کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد حضرات انبیاء کرام **علیہم السلام** کا تذکرہ ہے، اس کے بعد حضرات صحابہ کرام کا ذکر خیر سیکڑوں صفحات پر محیط ہے، پھر تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے، گویا اس میں اسلام کی ابتدائی دو صدی کے بزرگوں کے احوال شامل ہیں، اگر اسی تفصیل کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا تو انشاء اللہ اس کی متعدد جلدیں اور آئیں گی، دل سے دعا ہے کہ باری تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرمائیں، اور صحت وعافیت کے ساتھ رکھیں، اور اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کی توفیق بخشیں، اور ہمیں بھی ان بزرگوں اور انفاس قدسیہ کے اسوہ ونمونہ کو حرزِ جان بنانے کی توفیق بخشیں۔ آمین

ضیاء الحق خیرآبادی

۸/شعبان ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳/ستمبر ۲۰۰۵ء سہ شنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، ان میں دوسری چیز نماز ہے۔ پانچ وقت کی نماز کا فرض ہونا ساری دنیا کو معلوم ہے، اس کے ساتھ ایک نماز اور بھی معروف ہے، جسے کم ہی کوئی مسلمان ہوگا، جو نہ جانتا ہو، اس کی اہمیت اور اس کی فضیلت سے اجمالاً سبھی اہل ایمان واقف ہیں، وہ ہے تہجد کی نماز! یہ نماز ہے تو نفل مگر ابتداءً فرض رہ چکی ہے، اس لئے ثواب کے لحاظ سے قریب قریب فرض کے ہم پایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر مہربانی فرمائی کہ اسے فرض کے بجائے نفل قرار دے دیا کہ کوئی سست ہو، اور اس کی پابندی نہ کر سکے تو وہ گنہگار نہ ہو، اور جس کو حوصلہ ہو، وہ مجاہدہ کر کے اس کی پابندی کرے، اور درجاتِ عالیہ سے سرفراز ہو۔ یہ رات کی نماز ہے جسے **قیام اللَّیل** کہا جاتا ہے، عموماً یہ رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے، نیند کے لحاظ سے یہی حصہ رات کا سب سے شیریں حصہ ہوتا ہے، اس حصہ میں نیند کے تمام موانع زائل ہوتے ہیں۔ گرمیوں میں اس وقت رات ٹھنڈی ہو جاتی ہے، سردیوں میں لحاف کی گرمی عروج پر ہوتی ہے، سناٹا بھی گہرا ہو جاتا ہے، تمام آوازیں خاموشی کی آغوش میں سو چکی ہوتی ہیں، اس وقت اللہ کی محبت کا شدید تقاضا ہوتا ہے، جو انسان کو بسترِ راحت سے اُٹھاتا ہے، اور خدا کے حضور کھڑا کرتا ہے۔ ہر زمانہ میں صالحین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ عام لوگ جب رات کے آخری حصہ میں خواب شیریں کے مزے لیتے ہیں، تو اللہ کے نیک بندے اپنی نیند قربان کر کے اللہ سے مناجات کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **علیکم بقیام اللیل فإنه دأب الصالحین قبلکم وھو قربة إلیٰ ربکم ومکفرة للسیئات ومنھاة عن الاثم** (ترمذی شریف وحاکم)

تم رات کے قیام کو یعنی نماز پڑھنے کو اپنے اوپر لازم کرو، کیونکہ یہ تم سے پہلے

صالحین کا طریقہ رہا ہے، اور اس سے تمہارے رب کا قرب حاصل ہوتا ہے، گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، اور اس سے گناہوں سے رکاوٹ ہوتی ہے۔

تہجد کا ذکر قرآن کریم میں:

اللہ تعالیٰ نے نماز تہجد کا حکم پہلے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا، اس کے بعد ساری امت کو اس کی ترغیب دی۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ ہے۔

پہلی آیت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً. نِصْفَهٗ أَوِ نْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً . أَوْزِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً (سورہ مزمل)

اے کپڑوں میں لپٹنے والے! رات کو (نماز) میں کھڑے رہا کرو، مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات یا اس سے کسی قدر کم کردو یا نصف سے کچھ بڑھادو، اور قرآن خوب صاف صاف پڑھو۔

ان آیات میں براہ راست خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے، کہ پوری رات سونے کے لئے نہیں ہے، بلکہ رات کا ایک حصہ خواہ وہ نصف ہو یا نصف سے کچھ کم وبیش، اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص ہونا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ تاکیدی حکم ہے۔ ابتداء اسلام میں یہ قیام فرض تھا، بعد میں اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی، لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس کی فرضیت باقی تھی، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فرضیت آپ کے حق میں بھی باقی نہیں رہی تھی، مگر آپ کے لئے تاکید تھی کہ عملاً اسے باقی رکھیں، چنانچہ رسول اللہ کی زندگی کی تمام راتیں شاہد ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ اس کا اہتمام کرتے رہے، سفر ہو یا حضر کبھی آپ ﷺ کی کوئی رات اس نماز سے خالی نہ رہی۔ آپ ﷺ نے اس کا اہتمام تمام عمر کیا ہے، اپنی امت کو بھی تلقین فرماتے رہے کہ ساری رات نہ سو کر گزارو، نہ لہو ولعب میں برباد کرو، رات کی یہی حیات ہے کہ اس میں اللہ کا نام لیا جائے۔

دوسری آیت:

اس نماز کا کیا مقام ومرتبہ ہے، رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرکے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰٓی أَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً** (سورہ بنی اسرائیل: ۷۹) اور کچھ رات قرآن کے ساتھ جاگتے رہو، یہ تمہارے لئے مزید ہے، قریب ہے کہ تم کو تمہارا رب مقام محمود میں کھڑا کرے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ”یعنی نیند سے جاگ کر (تہجد میں) قرآن پڑھا کر، یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ (سب سے) بڑا دینا ہے“ (تفسیر عثمانی)

اور ”مقام محمود“ کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

> ”مقام محمود“ شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے، جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کرکے خلقت کو تکلیف سے چھڑائیں گے، اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد (تعریف) ہوگی، اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کرے گا، گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے حضرت رسول کریم ﷺ جو اس مرتبۂ بلند سے نوازے جائیں گے، اور انھیں ”مقام محمود“ عطا کیا جائے گا کہ ساری مخلوق آپ کی تعریف اور مدح کرے گی بلکہ خود خالق جل وعلیٰ آپ کی تعریف کریں گے۔ اس کے حصول میں نماز تہجد کا خاص دخل ہے، اسی کا گویا یہ ثمرہ ہوگا کہ آپ مقام محمود پر فائز ہوں گے، پھر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ کے اتباع میں آپ کی امت بھی جب یہ اُسوہ اپنائے گی اور نماز تہجد کو اپنا شعار بنائے گی، تو اللہ تعالیٰ اس کی استعداد کے بقدر اسے نوازیں گے۔

تیسری آیت:

اللہ تعالیٰ نے تہجد پڑھنے والوں کا تذکرہ قرآن پاک میں کس اہتمام سے کیا ہے؟

قربان ہو جانے کی چیز ہے، کس قدر خوش نصیب ہے، وہ بندہ جس کا آقا اس کے کاموں کو بطور مدح کے ذکر فرمائے۔ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّ عُيُونٍ ۝ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ۝ كَانُوا قَلِيلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ۝ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝﴾

بے شک اصحاب تقویٰ باغوں میں ہیں، جو کچھ ان کو ان کے رب نے دیا ہے، اسے لیتے ہیں، وہ اس سے پہلے نیکی والے تھے، وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے، اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے تھے۔ (سورۃ الذاریات: ۱۵ تا ۱۸)

> ”یعنی دنیا سے نیکیاں سمیٹ کر لاتے تھے، آج ان کا نیک پھل مل رہا ہے، آگے ان نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے (پہلی بات ان نیکیوں میں یہ ہے کہ وہ) رات کا اکثر حصہ عبادتِ الٰہی میں گزارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی ہے تو اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہوسکا، جو کوتاہی ہوئی اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے، کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی، بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت وخوف بڑھتا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

پروردگار کی کس درجہ مہربانی ہے کہ وہ اپنے غلاموں کے اعمال کو تعریف کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں اور ان کی نیکیوں میں پہلی نیکی جس کا حق تعالیٰ نے نام لیا ہے، یہ ہے کہ وہ راتوں کو کم سوتے ہیں یعنی رات کے بیشتر حصوں میں نماز پڑھتے ہیں، اس طرح رات کو بجائے نیند کی موت کے نمازوں کی زندگی کے ساتھ متصف ہوتے ہیں، اس کا بدلہ حق تعالیٰ یہ عطا فرماتے ہیں کہ باغ اور چشمے ان کا مسکن ہوتے ہیں اور پروردگار کی طرف سے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔

چوتھی آیت:

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لئے ”عبادُ الرحمٰن“ (رحمت والے کے بندے) کا عنوان اختیار فرمایا ہے، وہاں ان عباد الرحمٰن کی صفات جو

باعث رحمت ہیں، انھیں بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَّ قِيَاماً (سورہ الفرقان) اور وہ لوگ جو اپنے رب کے سامنے سجدہ اور قیام کی حالت میں رات گزار دیتے ہیں یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدے میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

محبوبیت کا کتنا اعلیٰ مقام ہے کہ ان کی راتوں کی خلوت کا اللہ تعالیٰ اس محبت سے ذکر فرماتے ہیں، اور ایسے لوگوں کو رحمٰن کا خاص بندہ قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ کام جس میں اہل ایمان کو سبقت کرنا چاہیئے، اور لوگوں کی رات مردہ ہو، تو ان کی رات زندہ ہو، دنیا سو کر اپنی رات تاریک بنا رہی ہو، تو یہ جاگ کر اپنی راتوں کو روشن کر رہے ہوں، ان کا دن بھی اُجالا اور رات بھی چاندنی، اہل ایمان کے لئے نور ہی نور ہے۔

پانچویں آیت:

راتوں کو جاگ کر نمازیں پڑھنی، اللہ کو خلوت میں یاد کرنا، اس سے امید وخوف کے ساتھ دعائیں کرنا، اللہ کو کس قدر محبوب ہے، اور کتنے پیار سے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: ﴿إِنَّمَا يُوْمِنُ بِاٰيَاتِنَا الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّداً وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ o تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّ طَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ o فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (السجدہ: ۱۶/۱۵)

ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ ان کو جب ان باتوں سے سمجھایا جاتا ہے، تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور پاک ذات کو یاد کرتے ہیں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے، ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، پس کوئی نہیں جانتا آنکھوں کی اس ٹھنڈک کو جو ان کے لئے پوشیدہ رکھ دی گئی ہے، اس عمل کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔

یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان ایمان دار بندوں کی صفت بیان فرمائی ہے، جو آیات الٰہی کو دل سے مانتے ہیں، اور اس کا اثر ان پر یہ ہوتا ہے کہ جب ان کے سامنے خدا کی باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے، تو وہ بے ساختہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں، اور زبان سے تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جاتے ہیں، اور کسی قسم کی بڑائی کا وسوسہ ان کے دل میں نہیں ہوتا، خدا کے ان پاکیزہ اور برگزیدہ بندوں کی راتوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ اور لوگ تو اس سناٹے اور راحت کے وقت میں بستر استراحت پر ہوتے ہیں، خواب شیریں کے مزے لیتے ہیں، مگر اللہ کے یہ مخلص بندے دن بھر تھکے ماندے ہیں، بدن چور چور ہے، مگر یہ کسی اور ہی خیال میں ہیں، انھیں خدا کا ڈر ہے، یہ جہنم سے اندیشہ رکھتے ہیں، جنت اور فضل الٰہی کے امیدوار ہیں۔ اس وقت مشاغل ضروری کا پردہ سامنے سے ہٹ جاتا ہے، اور یہ اپنے بستروں سے جدا مصلے پر کھڑے ہو کر رب کے آگے کبھی قیام میں ہوتے ہیں، کبھی رکوع میں اور کبھی فرشِ زمین پر سجدہ ریز ہوتے ہیں، ان کی نیند اُڑ جاتی ہے، یہ اپنے پروردگار کو آہستہ آہستہ پکارتے ہیں، پھر جس طرح رات کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انھوں نے بے ریا عبادت کی، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں، جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیزیں چھپا رکھی ہیں، جو نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں، نہ کسی بشر کے دل میں گزریں۔ (تفسیر عثمانی)

آنکھوں کی اس ٹھنڈک کے حصول میں خاص سبب یہی قیام اللیل یعنی تہجد کی نماز ہے۔ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں:

> ”روح المعانی میں ہے کہ سلف صالحین قیام لیل (نماز تہجد) پر ایسی مواظبت (ہمیشگی اور دوام) فرماتے تھے جیسی کہ فریضۂ اسلام پر کی جاتی ہے، اور یہ اس لئے کہ اس میں محبوب کے ساتھ خلوت اور اُنس کا موقعہ ملتا ہے، اور محبوب ان کے پاس بغیر کسی رقیب کے ہوتا ہے، اسی کو حضرت خواجہ (عزیز الحسن مجذوبؒ) صاحب

علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ ؎

کب رات ہو، کب ان سے ہوں خلوت میں پھر بہم
رہتی ہے دُھن یہی ہمیں دن بھر لگی ہوئی

(مجموعۂ تالیفات مصلح الامت، ج:۳، ص:۴۲۶)

تَتَجَافیٰ جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ کے سلسلے میں امام عبدالکریم قشیری مشہور بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ ظاہر میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے پہلو خوابگاہوں سے جدا رہتے ہیں تاکہ وہ عبادت وریاضت اور تہجد کا حق ادا کرسکیں۔

اور باطن میں اشارہ ہے کہ یہ مخلص بندے اپنے قلبی احوال وکیفیات کی لذت سے کنارہ کش، اپنے مرتبۂ نفس کی دید سے علیحدہ اور اس توہم سے دور رہتے ہیں کہ انھیں بھی کوئی مرتبہ ومقام حاصل ہے، کیونکہ یہ چیزیں مجموعی اعتبار سے حقیقت تک رسائی سے حجاب اور بندے کے لئے زہر قاتل ہیں، اس لئے نہ وہ اپنے اعمال پر مطمئن ہوتے، نہ اپنے احوال کو نظر میں لاتے، بلکہ اپنی مالوفات سے جدا رہتے ہیں، اور اللہ کی راہ میں اپنے معارف ومواجید کو ترک کرتے ہیں۔

اور رات تو درحقیقت محبوب کا وقت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ** یعنی تم اس میں محبوب کے علاوہ ہر مشغولیت اور ہر کلام سے سکون حاصل کرو۔

اور دن تو اہل دنیا کا وقت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: **وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً**، ہم نے دن کو تحصیل معاش کے لئے بنایا۔

بہرحال دوستانِ خدا، تو رات ان کیلئے ہے، اگر وہ لوگ قرب ورضا کے اُنس میں ہیں تو رات ان کے حق میں ایک لحظہ سے بھی کم معلوم ہوتی ہے۔ کسی نے کہا ہے؎

لیلة کاد یلتقی طرفاها قصراً وهی لیلة المیعاد

ایک ایسی رات جس کے دونوں کنارے اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے مل جائیں گے۔ وہ وصل کی شب ہے۔ (لطائف الاشارات بحوالہ رہبان اللیل، ص:۶۸)

چھٹی آیت:

ہر زمانے میں، اور ہر شخص کے لئے قیام لیل میں کھڑا ہونا اللہ تعالیٰ کو محبوب رہا ہے، جو شخص بھی آرام وراحت قربان کر کے اللہ کے حضور سربسجود ہوگا اللہ کو محبوب ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **لَيْسُوْا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ** (سورہ آل عمران)

وہ سب برابر نہیں ہیں، اہل کتاب میں ایک جماعت سیدھی راہ پر ہے، اللہ کی آیتوں کو راتوں میں پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔

یعنی سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں ہے، اتنے بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں، ممسوخ اشقیاء میں چند سعید روحیں بھی ہیں، جن کو حق تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی، اور وہ اسلام کی آغوش میں آگئے اور جادۂ حق پر مستقیم ہوگئے کہ کوئی طاقت انھیں ہلا نہیں سکتی، وہ رات کی تاریکی میں میٹھی نیند اور نرم بستر چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، اپنے مالک کے سامنے خضوع وتذلل اختیار کرتے ہیں، جبینِ نیاز زمین پر رکھتے ہیں، نماز میں اس کا حکم پڑھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ساتویں آیت:

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْ رَحْمَةَ رَبِّهٖ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُوْلُو الْاَلْبَابِ (سورۃ الزمر) بھلا ایک وہ جو رات کی گھڑیوں میں بندگی میں لگا ہوا ہے، کبھی سجدہ کرتا ہے، کبھی کھڑا رہتا ہے وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی مہربانی کی امید رکھتا ہے، تم کہہ دو کہ کیا سمجھ والے اور بے سمجھ کبھی برابر ہو سکتے ہیں، سوچتے وہی ہیں جنھیں عقل ہے۔

یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا، کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا، کبھی سجدے میں گرا، ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل کو

بے قرار کئے ہوئے ہے، اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے، کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے، اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا، دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ایسا ہو تو ایک عالم اور ایک جاہل یا سمجھ دار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا، مگر اس بات کو بھی وہی سوچتے اور سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل علم ان ہی حضرات کو قرار دیا ہے، جو رات کی ساعات میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، کبھی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں، اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اتنی محنت ومشقت اور راحت وآرام کو صرف اس لئے قربان کرتے ہیں کہ انھیں آخرت کا خوف ہوتا ہے، اور اللہ کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں، جس دل میں یہ دونوں باتیں ہوں، اور پھر ان کے ثمرات کا ظہور رات کی ساعتوں میں ہو تو یہی لوگ صاحب علم کہلانے کے مستحق ہیں، اور حق تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی کہ یہ لوگ اور دوسرے لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔

آٹھویں آیت:

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ۝ (سورۃ الفتح: ۲۹)

نشانی ان کی ان کے چہروں پر ہے، سجدہ کے اثر سے یعنی نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز کا ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے، گویا خشیت وخضوع اور حسن نیت واخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں، حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نمازِ تہجد کی فضیلت احادیث کی روشنی میں:

نمازِ تہجد کی فضیلت اور ترغیب گزشتہ صفحات میں قرآن کریم کی چند آیات کی روشنی

میں آپ نے ملاحظہ کی ہے، اور بھی متعدد آیات ہیں جن سے اس نماز کی اور اس وقت بیداری کی فضیلت اور ترغیب ثابت ہوتی ہے، ہمارے پیش نظر استیعاب واحاطہ نہیں ہے، اس لئے اسی قدر پر اکتفاء کی گئی، اب اس کی فضیلت احادیث کی روشنی میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔

تہجد کے وقت بیدار ہونے کی نیت سے باوضو سونا:

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی اگر باوضو سووے اور تہجد کے وقت بیدار ہونے کی نیت سے سوئے، تو ایک مبارک اور مستحب کام ہے، حق تعالیٰ کی طرف سے بڑے انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ** (سورہ بقرہ)

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور طہارت والوں سے محبت فرماتے ہیں۔

طہارت اور وضو کی فضیلت میں اگر اور کوئی بات نہ ہوتی، تو یہی بات کافی ہے، کہ وہ بندہ جو طہارت کا اہتمام رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی محبت کا مورد بن جاتا ہے، بندے کے لئے کتنی بڑی فضیلت ہے۔

سونا ایک طرح کی موت ہے، اس وقت آدمی کا باوضو ہونا بڑی سعادت کی بات ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) **عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ: من بات طاهراً بات في شعاره مَلَكٌ فلایستیقظ إلا قال الملك اللّٰهم اغفر لعبدك فلان فإنه بات طاهراً** (صحیح ابن حبان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے طہارت کی حالت میں یعنی باوضو رات بسر کی، تو اس کے بدن سے لگا ہوا ایک فرشتہ بھی اس کے پاس رات گزارتا ہے اور جب بھی اس کی آنکھ کھلتی ہے، فرشتہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ آپ فلاں بندے کو بخش دیجئے، یہ باوضو سویا ہے۔

فرشتوں کی خاص خصوصیت پاک ہونا ہے، نجاست وگندگی سے یہ مخلوق بالکل پاک وصاف ہے، اسی لئے ان کو پاک لوگوں سے بہت مناسبت ہوتی ہے، اور نجاست سے انھیں طبعی اور فطری نفرت ہوتی ہے۔ نجاست سے مناسبت شیطان کو ہوتی ہے، اسی لئے نجس اور ناپاک آدمی شیطانی اثرات میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۲) عن معاذ بن جبل ؓ عن النبی ﷺ قال: مامن مسلم یبیت علیٰ ذکرٍ طاهراً فیتعار من اللیل فیسأل خیراً من الدنیا والآخرة إلا أعطاه إیاه (ابوداؤد شریف)

حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جب بھی کوئی مسلمان ذکر اللہ کے ساتھ باوضو سوتا ہے، پھر اس کی آنکھ رات میں کسی وقت کھلتی ہے، اور اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور عطا فرماتے ہیں۔

ظاہری طہارت تو وضو ہے، اور ایک باطنی طہارت بھی ہے، اور وہ ہے گناہوں سے دل کا پاک ہونا۔ یہ طہارت توبہ سے حاصل ہوتی ہے، بندہ مومن کو چاہئے کہ سونے کے وقت دونوں طہارتوں کو جمع کرے، یعنی بستر پر جانے سے پہلے وضو بھی کرلے اور اپنے گناہوں اور اپنی خطاؤں کی معافی بھی اللہ سے مانگ لے، تاکہ اگر اسی نیند کی حالت میں خدا کے حضور حاضری ہوجائے، تو بالکل پاک اور صاف پہونچے اور اگر آنکھ کھلے تو ایسا صاف ستھرا ہو کہ جو دعا بھی اس وقت اس کے دل وزبان سے نکلے سیدھے بارگاہِ قبولیت میں پہونچ جائے۔

(۳) عن أبی الدرداء ؓ یبلغ به نبی ﷺ قال: من أتیٰ فراشه وهو ینوی أن یقوم یصلی من اللیل فغلبته عینه حتیٰ أصبح کتب له ما نویٰ وکان نومه صدقة علیه من ربه (نسائی شریف)

حضرت ابوالدرداء ؓ نبی کریم ﷺ کا قول نقل کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے بستر پر

اس نیت سے آیا کہ رات کو اُٹھ کر نماز پڑھے گا، مگر اس کی آنکھ صبح ہی کے وقت کھلی، رات میں نہیں اُٹھ سکا، تو جو اس نے نیت کی تھی اس عمل کا ثواب اس کے حق میں لکھ دیا گیا اور اس کی نیند اس کے حق میں خدا کی طرف سے صدقہ اور بخشش ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ فضل وکرم کی بارگاہ ہے، وہاں گھاٹے اور نقصان کا کوئی تصور نہیں۔ آنکھ کھل گئی اور نماز پڑھ لی تب نورٌ علیٰ نور ہے، اور اگر آنکھ نہ کھل سکی سویا ہی رہ گیا جب بھی اسے تہجد کا ثواب مل گیا۔ سبحان اللہ! کیا انتہا ہے بخشش وعطا کی!

تہجد کے لئے اُٹھنے کے وقت کی دعائیں:

تہجد کا وقت چوبیس گھنٹے کا سب سے بہتر وقت ہے، اس وقت جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہے، قبولیت سے سرفراز ہوتا ہے، اس وقت نماز سے پہلے بھی دعاء کرنی چاہئے، اور نماز کے بعد بھی۔ احادیث میں نماز سے پہلے کی دعائیں وارد ہیں، رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے والے کی بڑی سعادت ہے کہ وہ اس وقت میں وہی کلمات اپنی زبان سے ادا کرے، جو اللہ کے محبوب ومقبول بندے نے اللہ کے حضور پیش کئے تھے۔

(۴) **عن عبادة بن الصامت ؓ عن النبی ﷺ قال: من تعار من الليل فقال لاإله إلا الله وحده لاشريک له له الملک وله الحمد وهو علیٰ کل شئ قدير الحمد لله وسبحان الله لاإله إلا الله والله اکبر ولاحول ولا قوة إلا بالله ثم قال أللٰهم اغفر لی أو دعا أستجيب له فان توضأ ثم صلیٰ قبلت صلاته** (بخاری شریف)

حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی آنکھ رات میں کھلتی ہے اور وہ پڑھتا ہے **لاإله إلا الله وحده لاشريک له له الملک وله الحمد وهو علیٰ کل شئ قدير الحمد لله وسبحان الله لاإله إلا الله والله اکبر ولاحول ولا قوة إلا بالله**، اور اس کے بعد وہ دعا کرتا ہے **أللٰهم**

اغفر لی (اے اللہ مجھے بخش دیجئے) یا اور کوئی دعا کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے، پھر وہ وضو کر کے نماز پڑھتا ہے، تو اس کی نماز مقبول ہوتی ہے۔

کس قدر آسان کر دیا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے قبولیت دعا اور مقبولیتِ نماز کو! اور یہ اشارہ اسی ذاتِ کریم کا ہے جس کو دعائیں قبول کرنی ہیں، اور نمازوں کو منظور فرمانا ہے جَلَّ شَانُهٗ۔

(۵) عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: إذا استیقظ أحدکم فلیقل: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ وَعَافَانِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَأَذِنَ لِیْ بِذِكْرِهٖ (قیام اللیل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص بیدار ہو تو یوں کہے **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ وَعَافَانِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَأَذِنَ لِیْ بِذِكْرِهٖ**، تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے میری روح کو واپس کیا، اور جسم میں مجھے عافیت عطا فرمائی اور مجھے اپنے ذکر کا حکم دیا۔

احادیث میں اس کے علاوہ اور بھی دعائیں وارد ہیں، مثلاً **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْهِ النُّشُوْرُ**، بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سو کر اُٹھتے تھے، تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

(۶) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: بت عند خالتی میمونة لیلة والنبی ﷺ عندها، فتحدث رسول الله ﷺ مع أهله ساعةً ثم رقد فلما کان ثلث اللیل الآخر أو بعضه قعد فنظر إلی السماء فقرأ "إِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ" حتیٰ ختم السورة (بخاری ومسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس گزاری، اس دن رسول اللہ ﷺ انھیں کے

پاس تھے۔ آپ نے کچھ دیر اپنے گھر والوں سے باتیں کیں، پھر آپ سو گئے، جب رات کا تہائی حصہ یا اس سے کچھ کم حصہ باقی رہ گیا، تو آپ بیٹھے، اور آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور "إِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُوْلِي الْأَلْبَابِ" تلاوت فرمائی۔ (سورہ آل عمران کا آخری رکوع)

رات کا یہ وقت وہ ہوتا ہے، جب کہ رب **ذوالجلال والاکرام** آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں۔ اس وقت خالق کائنات کی خاص نگاہِ رحمت ہوتی ہے، بڑا ہی خوش نصیب ہے وہ بندہ! جو اس وقت اُٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عنایت خاصہ کا مستحق ٹھہرتا ہے، یہی وقت ہے کہ حق تعالیٰ خود اپنے بندوں کو پکارتے ہیں، ان کی حاجت روائیوں کا وعدہ فرماتے ہیں، اس وقت جو بندہ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس سے حق تعالیٰ بیحد خوش ہوتے ہیں۔

نمازِ تہجد کی ترغیب:

(۷) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ينزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول: من يدعوني فاستجيب له؟ من يسألني فاعطيه؟ من يستغفرني فاغفر له؟ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کے آخری تہائی وقت آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں کہ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اسے قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں؟

اور مسلم شریف کی روایت میں مزید اتنا اور ہے، **ثم يبسط يديه ثم يقول: من يقرض غير معدوم ولا ظلوم حتىٰ ينفجر الفجر** ۔ ترجمہ: پھر رب تبارک

تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کون ہے جو ایسی ذات کو قرض دے جس کے پاس نہ کچھ کمی ہے اور نہ وہ ظلم کرنے والا ہے۔ یہ بات صبح طلوع ہونے تک فرماتے رہتے ہیں۔

قربان ہوجانے کا مقام ہے، حق تعالیٰ کی اتنی عنایت ومہربانی کہ بندوں سے قریب تو وہ ہیں ہی لیکن حدیث میں تعبیر ایسی اختیار فرمائی کہ وہ قریب سے قریب تر معلوم ہوتے ہیں، یعنی یہ کہ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتے ہیں اپنے لطف وکرم کے ساتھ، اپنی رحمت عامہ کے ساتھ! اس قرب کی کیا شان ہے؟ وہ تو وہی جانتے ہیں، لیکن بندوں کو ایسا احساس دلا دیا کہ اب کوئی دوری ومجبوری نہیں اور پھر خود ہی فرماتے ہیں، آؤ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا، مجھ سے سوال کرو میں دوں گا، مجھ سے معافی مانگو میں معاف کروں گا، اور مسلم شریف والے جملے نے تو اہل محبت کے دلوں کو تڑپا ہی دیا، وہ تو بے قرار ہو ہو گئے۔

بریں مژدہ گر جاں فشانم رَواست

اس خوشخبری پر اگر جان نچھاور کروں تو بالکل درست ہے۔

حق تعالیٰ دونوں ہاتھ پھیلا کر بندوں سے قرض مانگتے ہیں، سائل ہونا بندوں کو، مگر پروردگار کی رحمت بیکراں نے خود کو سائل کی جگہ رکھ دیا اور بندوں کو دینے والے کی جگہ اللہ اکبر! فرماتے ہیں کہ مجھے قرض دو، قرض لوٹایا جاتا ہے، کس چیز کا قرض؟ عبادتِ بدنیہ کا قرض! تم عبادت کروگے میں اس کا صلہ پورا دوں گا ایسا نہیں کہ میرے پاس کوئی کمی ہو کہ بعد میں قرض کی ادائیگی میں کوئی تنگی ہو اور نہ میں ظلم کرنے والا ہوں کہ قرض لے کر وقت پر واپس نہ کروں۔

اس پکار کے بعد کتنی بدنصیبی ہے کہ آدمی جو سراپا آرزو واحتیاج ہے سویا رہ جائے کروٹ بھی نہ بدلے، یہی چیز ہے جو اہل محبت کو بے چین رکھتی ہے۔

مفتی عزیز الحق صاحب چاٹگامی علیہ الرحمہ ایک مرتبہ جب کہ سخت بیماری اور کمزوری میں گرفتار تھے، خود سے کروٹ بھی نہ لے سکتے تھے، رات کا جب آخری حصہ ہوا تو

اپنے تیمارداروں اور خدام سے فرمایا مجھے تھوڑا اُٹھادو، بعد میں فرمایا کہ رات کے آخری وقت حق تعالیٰ اپنے بندوں کو بلاتے ہیں کہ مجھ سے مانگو، میں دینے کو تیار ہوں، تو مجھے سوءِ ادب معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ مجھے بلائیں اور میں لیٹا رہوں، اس لئے اگر کچھ نہ کرسکوں تو کم از کم اُٹھ کر بیٹھ تو جاؤں۔

اہل اللہ اور اہل محبت کو یقین کی یہی طاقت حاصل ہوتی جس سے ان کو راتوں کا یہ جاگنا نہ صرف یہ کہ آسان ہوتا ہے بلکہ ان کو اس میں ایک غیر فانی لذت وحلاوت نصیب ہوتی ہے۔ **رزقنی اللّٰہ وسائر المسلمین**، آمین

(۸) عن أبی هریرة ﷛ أن رسول اللّٰه ﷺ قال :یعقد الشیطان علیٰ قافیة راس أحدکم إذا هو نائم یضرب علیٰ کل عقدة علیک لیل طویل فارقد ، فان استیقظ فذکر اللّٰه تعالیٰ انحلت عقدة ، فان توضأ انحلت عقدة وإن صلیٰ انحلت عقدة کلها فاصبح نشیطاً طیب النفس وإلا أصبح خبیث النفس کسلان (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ ﷛ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ آدمی جب سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصہ میں کچھ گرہیں لگا تا ہے، اور ہر گرہ پر کہتا ہے **علیک لیل طویل فارقد** (لمبی رات ہے، سوؤ) پھر اگر اس کی آنکھ کھلتی ہے، اور وہ اللہ کا نام لیتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وضو کر لیتا ہے تو ایک گرہ اور کھل جاتی ہے، اور اگر نماز پڑھ لیتا ہے تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں، اور ہشاش بشاش ہو جاتا ہے، ورنہ بدمزہ اور سست رہتا ہے۔

شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اس کی ساری توانائی اسی میں صرف ہوتی ہے کہ آدمی اللہ کی طاعت کے راستے میں نہ لگے، پہلی کوشش اس کی یہ ہوتی ہے کہ انسان اللہ کی نافرمانی کرے، اور اگر اس میں اسے کامیابی نہیں ہوتی تو چاہتا ہے کہ وہ غافل پڑا رہے، سونا سب سے بڑی غفلت ہے، لیکن انسانی مجبوری کے تحت اسے سونے کی اجازت ملی ہے،

بقدر ضرورت سو رہنے کے بعد اسے اللہ کی یاد میں اُٹھ کھڑے ہونا چاہیے، مگر شیطان شروع ہی میں منتر پڑھ دیتا ہے کہ آدمی کی آنکھ وقت پر نہ کھلے، اور اگر کھل بھی جائے تو سستی اور کاہلی کے نرغے میں پڑا رہے، اس نرغے کو توڑنے کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے تدبیر بتائی کہ پہلے اللہ کا نام لے، اور سو کر اُٹھنے کے بعد جو دعائیں وارد ہیں، انھیں پڑھے، پھر اُٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھ لے، اس طرح شیطان کے تمام اثرات زائل ہو جائیں گے، اور اگر کوئی صبح تک پڑا سوتا رہا تو اس کے بارے میں حدیث سنئے:

(۹) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال: ذکر النبی ﷺ رجل نام لیلۃ حتیٰ أصبح قال: ذاک رجل بال الشیطان فی اذنہٖ أو قال فی اذنیہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس تذکرہ آیا کہ کوئی صبح ہونے تک سوتا رہا، تو آپ نے فرمایا کہ ایسے آدمی کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ آدمی پوری رات غافل پڑا سوتا رہے، اور تہجد کی چند رکعات کے لئے بھی نہ اُٹھے، اور بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ فجر کی نماز کے لئے بھی نہ اُٹھے، تو یہ شخص شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے، شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے، اور یہ اس کی نجاست میں ملوث ہو کر اللہ کی رحمت سے محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔

(۱۰) عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: إن اللہ یبغض کل جعظری جواظ صخاب فی الأسواق جیفۃ باللیل، حمار بالنہار، عالم بأمر الدنیا جاھل بأمر الآخرۃ (ابن حبان و بیہقی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بد خلق متکبر سے نفرت کرتا ہے، جو بازاروں میں شور و غل مچاتا ہے، رات میں مردار ہوتا ہے اور دن میں گدھا بنا رہتا ہے، دنیا کی چیزوں سے خوب واقف ہوتا ہے، آخرت کی ضرورت سے ناواقف ہوتا ہے۔

اس حدیث میں جتنی صفات بیان کی گئی ہیں، سب سے اللہ کو نفرت ہے، بداخلاق ہو، گھمنڈی ہو، اسی گھمنڈ کی وجہ سے شور وغل کرتا ہو، رات بھر مردہ کی طرح پڑا رہتا ہے، اللہ کی یاد کی اسے توفیق نہیں ہوتی اور دن بھر گدھے کی طرح حمالی کرتا رہتا ہے، یعنی دنیا کمانے میں اور دنیا بنانے میں مشغول رہتا ہے، اسے فرصت ہی نہیں ملتی کہ اللہ کی عبادت میں بھی وقت لگا سکے، دنیا کی بات کیجئے تو بہت سمجھدار اور واقف کار! اور آخرت کا ذکر کیجئے تو نرا جاہل، ایسا شخص دنیا والوں کے نزدیک خواہ کتنا ہی بڑا ہو، اللہ تعالیٰ اس سے نفرت کرتے ہیں، أعاذ ناالله من هذه الاحوال

(۱۱) **عن أبی الدرداء ؓ عن النبی ﷺ قال: ثلاثه یحبهم الله ویضحک إلیهم ویستبشر لهم: الذی اذاانکشفت فئة قاتل وراء ها بنفسه لله عزوجل فاما ان یقتل واما أن ینصره الله ویکفیه فیقول: أنظروا إلیٰ عبدی هٰذا کیف صبر لی بنفسه؟ والذی له إمرأة حسنة وفراش لین حسن فیقوم من اللیل فیقول: یذر شهوته ویذکرنی ولوشاء رقد والذی إذا کان سفر وکان معه رکب فسهروا ثم هجعوا فقام من السحر فی ضراء وسراء** (طبرانی)

حضرت ابودرداء ؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے محبت فرماتے ہیں اور ان کیلئے ہنستے ہیں، یعنی بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

ایک وہ شخص جو ایسے وقت میں خود میدان جنگ میں اللہ کے لئے جھونک دیتا ہے جب کہ لشکر میں شکست کی وجہ سے بھگدڑ مچ گئی ہو، وہ اس نازک حالت میں جان کی بازی لگا دیتا ہے، اب یا تو اللہ اس کی نصرت فرمائیں اور وہ کامیاب ہو جائے، یا وہ قتل ہو جائے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کو دیکھو! کس طرح اس نے اپنے آپ کو میرے لئے جمائے رکھا۔

دوسرا وہ شخص ہے جس کے پہلو میں خوبصورت بیوی ہو، اور نرم بچھونا ہو لیکن وہ

رات میں اُٹھ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی خواہش اور شہوت کو برطرف کرکے میری یاد میں کھڑا ہوگیا حالانکہ چاہتا تو سویا رہتا۔

تیسرا وہ شخص جو رات میں سفر کرتا رہا، اس کے ساتھ قافلہ بھی ہے، رات میں زیادہ تر بیدار رہا، پھر لوگوں پر نیند کا غلبہ ہوا تو سب سو گئے، مگر وہ شخص خواہ تکلیف میں ہو، خواہ آرام میں، نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں یہ تین احوال بیان کئے گئے، اور ارشاد ہوا کہ جو شخص ان احوال سے متصف ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے بے حد خوش ہوتے ہیں۔ یہ تینوں احوال انسانی زندگی کے نازک ترین احوال ہیں، جنگ میں شکست کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں، لوگوں میں سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے، بھگدڑ مچ گئی ہے، ایسے وقت میں بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں، مگر ایک شخص ہے کہ محض اللہ کے لئے ثابت قدم ہے، اس کو اس کی فکر نہیں ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، وہ مردانہ وار لڑتا ہے، پھر یا تو جان دیتا ہے، یا اسے کامیابی نصیب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کی اس بہادری اور اخلاص سے بہت خوشی ہوتی ہے۔

اسی طرح نرم وگداز بستر ہے، پہلو میں خوبصورت بیوی موجود ہے، ایسے وقت میں آدمی کو اپنی لذت نفس کے سوا کوئی اور چیز یاد رہ جائے مشکل ہے، مگر ایک بندہ ہے کہ اس پر یادِ الٰہی کا غلبہ ہے، وہ بے ساختہ اپنی ساری لذت کو بھول کر اللہ کی یاد میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے، کیسا وفادار ہے یہ بندہ؟ اور تہجد کی کیسی فضیلت اس سے معلوم ہوتی ہے؟

اسی طرح سفر کی تکان شدید ہے، رات کا آخری حصہ ہوگیا ہے، چلتے چلتے نیند غالب آرہی ہے، سارا قافلہ سونے لگ گیا ہے، مگر ایک مردِ خدا ایسا بھی ہے جو سونے کے بجائے اللہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے، نہ تھکن کا خیال! نہ نیند کی خاطر داری! کیسا مخلص ہے یہ بندہ؟ اللہ کو کیوں نہ پیار آجائے!

غور کیجئے یہ تین طرح کے لوگ ہیں، جنھیں رسول اللہ ﷺ کی زبان حق ترجمان

سے خوشنودیٔ رحمان کا پروانہ مل رہا ہے، ان میں دو تو وہی ہیں، جو تہجد کے پابند ہیں، خواہ سفر ہو یا حضر، عیش و راحت ہو یا رنج و کلفت، وہ اپنے کو بارگاہِ الٰہی میں کھڑا کرتے ہیں، اور حق بندگی ادا کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

(۱۲) عن عبد الله بن أبی قیس قال : قالت عائشة رضی الله عنها : لاتدع قیام اللیل فإن رسول الله ﷺ کان لایدعه ، و کان إذا مرض أو کسل صلیٰ قاعداً (ابوداؤد)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبداللہ بن ابی قیس سے فرمایا کہ تہجد کی نماز نہ چھوڑو، رسول اللہ ﷺ اس کو کبھی نہیں چھوڑتے تھے، کبھی مریض ہوتے، یا طبیعت پر سستی کا غلبہ ہوتا، تو بیٹھ کر پڑھتے (مگر چھوڑتے نہ تھے)

نمازِ تہجد کی جو شان احادیث سے معلوم ہوتی ہے، اس کے پیش نظر واقعی اسے کبھی ترک نہیں کرنا چاہئے، یہ ’’مفتاحِ حسنات‘‘ ہے، لیکن ہمارے زمانے میں زیادہ تر لوگ اس سے غافل ہیں، البتہ جن لوگوں نے اس کی اہمیت سمجھی ہے، وہ مضبوطی کے ساتھ اس پر جمے ہوئے ہیں۔

یہاں تک نمازِ تہجد کی فضیلت اور ترغیب کا بیان ہوا، اب تہجد گزاروں کے کچھ احوال انشاءاللہ ذکر کیئے جائیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشوائے تہجد گزاراں، سیدالانبیاء ﷺ

نمازِ تہجد کی فضیلت اور اہمیت ناظرین نے ملاحظہ فرمالی، اب کچھ تہجد گزار بندوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جنھوں نے اپنی راتیں سوکر غفلت میں نہیں بلکہ اللہ کے حضور جاگ کر قیام اور رکوع وسجود کی حالت میں بسر کی ہیں، ان کے دن بھی روشن ہیں، اور ان کی راتیں بھی اُجالی ہیں، انھوں نے اپنے مقصد تخلیق کو ہمیشہ پیش نظر رکھا، اس باب میں بھی زندگی کے اور تمام ابواب کی طرح اہل ایمان کے پیشوا اور مقتداء، نمونہ اور معیار حضور جناب نبی کریم ﷺ ہیں، آپ کی نمازِ تہجد کا تذکرہ حدیث کی کتابوں میں نہایت تفصیل سے کیا گیا ہے، اور اس کی تمام جزئیات کو علیٰحدہ علیٰحدہ پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، آپ رات میں کب اُٹھتے تھے، رکعتیں کیسی ہوتی تھیں، ان میں کیا کیا پڑھتے تھے، مسلسل پڑھتے تھے یا وقفہ وقفہ سے، غرض ہر چیز کی وضاحت کی گئی ہے، ایسی وضاحت کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنے والا ٹھیک آپ کے طریقہ پر نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لئے نہایت آسان ہو۔

تہجد کی نماز کے سلسلے میں تمام احادیث کے مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرض نمازوں کی طرح اس کی رکعتوں کی تعداد اور ان میں تخفیف وتطویل کی تحدید نہیں ہے، بلکہ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے مختلف اوقات میں کم وبیش رکعتیں پڑھی ہیں۔ قرأت کی تخفیف وتطویل کے انداز بھی مختلف رہے ہیں، آپ کے اس طرزِ عمل سے امت کو یہ سہولت حاصل ہوئی کہ رات کی نماز میں کم وبیش رکعتیں ہوسکتی ہیں، دو رکعت سے لے کر زیادہ سے زیادہ رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا اہتمامِ تہجد:

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے نمازِ تہجد کے فضائل بیان فرمائے ہیں، اور اس کی ترغیب دی ہے، اسی طرح آپ نے اس کا عملی اہتمام بھی کیا ہے، نبوت کے بعد سے آپ ﷺ کی زندگی کی کوئی ایسی رات نہیں ملتی جس میں آپ نیند بھر سوئے ہوں، آپ کی راتوں کے احوال جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے، آپ کے قلب مبارک کو ایک بے قراری سی رہتی تھی، یادِ محبوب میں بار بار اُٹھتے تھے، رات کا زیادہ حصہ جاگتے گذرتا تھا، اور اس جاگنے کا آپ خاص اہتمام کرتے تھے، آپ کا بستر ایسا ہوتا تھا کہ آرام کی نیند نہ آسکے، دنیا کے بڑے لوگ تو زیادہ سے زیادہ نرم اور آرام دہ بستر تلاش کرتے ہیں، تاکہ میٹھی نیند آسکے، مگر آپ کا جو حال تھا اس کا ذکر حدیثوں میں اس طرح آیا ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا، آپ کھردری رسی سے بنی ہوئی چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، آپ کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، پھر آپ کی خدمت میں چند اور صحابہ بھی حاضر ہوئے، ان کے ساتھ حضرت عمر ؓ بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی سی کروٹ لی، حضرت عمر ؓ نے دیکھا کہ آپ کے پہلوئے مبارک اور رسیوں کے درمیان کپڑے کا کوئی حجاب نہیں ہے، آپ کے پہلو پر رسیوں کا نشان پڑ گیا تھا، حضرت عمر ؓ رونے لگے، آپ نے فرمایا عمر کیا بات ہے، کیوں روتے ہو؟ عرض کیا، واللہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا مرتبہ و مقام اللہ کے نزدیک قیصر و کسریٰ سے بہت بڑھ کر ہے، لیکن وہ لوگ دنیا میں جس طرح کھیلتے ہیں وہ معلوم ہے، اور آپ کو میں اس حال میں دیکھ رہا ہوں، نبی ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر مطمئن نہیں ہو کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ہو، عرض کیا، ضرور کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہی ہے۔ (مسند احمد)

یہ روایت بخاری و مسلم میں خود حضرت عمر ؓ سے منقول ہے، ایک موقع پر حضرت عمر ؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: مالي وللدنيا ما مثلي ومثل الدنيا

إلا کراکب سار فی یوم صائف فاستظل تحت الشجرة ساعة من نهار ثم راح وترکها (مسند احمد)

مجھ کو دنیا سے کیا واسطہ؟ میری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مسافر جو گرمی میں سفر کر رہا ہے وہ دن میں تھوڑی دیر کسی درخت کے سایہ میں بیٹھا پھر اسے چھوڑ کر چل دیا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ کا بستر جس پر رات آرام فرماتے تھے چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (ابوداؤد و ترمذی)

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی گواہ ہے کہ آپ نے دنیا کو اسی طرح برتا جیسے کوئی مسافر کسی درخت کے نیچے تھوڑی دیر بیٹھ کر چل دیتا ہے، آپ نے نہ رات میں نہ دن میں کبھی راحت و آرام کا قصد کیا ہی نہیں، اور کھانے، لباس، مکان، بستر سب کو اتنا ہی استعمال کیا ہے جس کے بغیر گذارہ ممکن نہ ہو، آپ ﷺ راتوں کو سوئے ضرور ہیں لیکن راحت و آرام کو مقصد بنا کر نہیں بلکہ اس لئے کہ تازہ دم ہو کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوں اور اس لئے کہ امت کو آپ کی پیروی آسان ہو۔

آپ ﷺ کے سونے کا طریقہ حضرت حفصہؓ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ

کان مضجعة جعل یده الیمنیٰ تحت خده الایمن (طبرانی فی الکبیر)

جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنے دائیں رُخسار کے نیچے رکھتے یعنی دائیں کروٹ پر لیٹتے، اور اپنے چہرۂ انور کا دایاں حصہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھتے۔

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ:

> ”دائیں کروٹ لیٹنے میں ایک خاص رمز ہے، وہ یہ کہ قلب بائیں پہلو میں ہے، تو اگر سونے والا بائیں کروٹ لیٹے گا تو اسے نیند گہری آئے گی، کیونکہ اسے آرام زیادہ ملے گا، اور اگر دائیں کروٹ لیٹے تو دل کے لٹکنے کی وجہ سے پورا آرام اسے نہ ملے گا اور گہری نیند اسے نہ آئے گی، اسی لئے اطباء بائیں کروٹ پر سونے کو مفید قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں کمالِ راحت اور گہری نیند کا حصول ہوتا ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے دائیں کروٹ پر سونے کو پسند کیا ہے تاکہ گہری نیند میں ڈوب کر آدمی قیام لیل (تہجد

کی نماز) سے غافل نہ ہو جائے۔ (ص:۳۲۱، ج:۱)

اندازہ کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ کو تہجد کی نماز کا کس قدر اہتمام تھا کہ سونے کا وہ طریقہ اختیار کیا جس میں گہری نیند نہ آسکے اور آسانی سے آنکھ کھل سکے۔

سونے کے وقت کی دعائیں:

آپ ﷺ سوتے وقت متعدد دعائیں پڑھا کرتے اور سو کر اُٹھتے تو بھی دعا پڑھتے، آپ کا سونا اور جاگنا سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتا، گذر چکا ہے کہ سوتے وقت آپ ﷺ پڑھتے: **بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ أَمُوْتُ وَأَحْیَیٰ**، اور جب بیدار ہوتے تو پڑھتے: **اَلْحَمْدُ للہِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْهِ النُّشُوْرِ**۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب آپ ﷺ بستر پر تشریف لیجاتے تو قل ھو اللہ أحد ، قل أعوذ برب الفلق ، قل أعوذ برب الناس پڑھتے، اور دونوں ہاتھوں پر دم کر کے پورے بدن پر جہاں تک ہاتھ پہونچتا پھیرتے، سر اور چہرے سے شروع کرتے، پہلے آگے کی طرف پھیرتے، ایسا تین مرتبہ کرتے۔ (مسلم شریف وغیرہ)

ان کے علاوہ اور بھی دعائیں منقول ہیں، مثلاً ایک روایت میں ایک دعا ہے:

بِاسْمِکَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِکَ أَرْفَعُهٗ فَإِنْ أَمْسَکْتَ نَفْسِیْ فَارْحَمْهَا وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ

(ترمذی شریف)

ایک روایت میں یہ دعا منقول ہے:

اَلْحَمْدُ للہِ الَّذِیْ أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَآوَانَا فَکَمْ مِمَّنْ لَا کَافِیَ لَهٗ وَلَا مُؤْوِیَ لَهٗ (مسلم شریف)

کبھی آپ پڑھتے: **اَللّٰھُمَّ أَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِیْ وَأَنْتَ تَتَوَفَّاهَا لَکَ مَمَاتُهَا وَمَحْیَاهَا إِنْ أَحْیَیْتَهَا فَاحْفَظْهَا وَإِنْ أَمَتَّهَا فَاغْفِرْ لَهَا ، أَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ الْعَافِیَةَ** (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دعا نقل کرتے ہیں، جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ وَرَبَّ الْأَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ، رَبَّنَا وَرَبَّ کُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰی مُنْزِلَ التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْفُرْقَانِ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ ذِیْ شَرٍّ أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِہٖ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَیْسَ قَبْلَکَ شَیْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَیْسَ بَعْدَکَ شَیْءٌ وَأَنْتَ الظَّاھِرُ فَلَیْسَ فَوْقَکَ شَیْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَیْسَ دُوْنَکَ شَیْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّیْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ (مسلم شریف)

صحیح بخاری و مسلم دونوں میں ایک حضرت براء بن عازب ؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تمہیں بستر پر آنا ہو تو نماز والا وضو کرو، پھر دائیں کروٹ پر لیٹو اور یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَیْکَ وَوَجَّھْتُ وَجْھِيْ إِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَیْکَ وَأَلْجَأْتُ ظَھْرِيْ إِلَیْکَ رَغْبَۃً وَّرَھْبَۃً إِلَیْکَ لَا مَلْجَأً وَلَا مَنْجَأً مِنْکَ إِلَّا إِلَیْکَ آمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّکَ الَّذِيْ أَرْسَلْتَ۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم اسی رات میں مر گئے تو فطرت پر موت ہوگی، اس دعا کو سوتے وقت آخری دعا بناؤ، بعض روایتوں میں سورہ کافرون کے پڑھنے کی آپ نے تلقین فرمائی ہے، فرمایا ہے کہ یہ شرک سے برأت ہے، (ابوداؤد و ترمذی)

اسی طرح آپ ﷺ نے سوتے وقت سبحان اللہ ۳۳/ مرتبہ، الحمد للہ ۳۳/ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴/ مرتبہ پڑھنے کی ہدایت اپنی صاحبزادی محترمہ حضرت فاطمہؓ کو فرمائی اور فرمایا کہ یہ خادم سے بڑھ کر ہے، اسی مناسبت سے انھیں تسبیحاتِ فاطمی کہا جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

سو کر اُٹھنے کے بعد کی دعا:

اسی طرح سو کر اُٹھنے کے بعد بھی آپ ﷺ سے متعدد دعائیں منقول ہیں۔ چند

ایک یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْہِ النُّشُوْر

(۲) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَدَّ عَلَیَّ رُوْحِیْ وَعَافَانِیْ فِیْ جَسَدِیْ وَأَذِنَ لِیْ بِذِکْرِہٖ

(۳) لَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ لَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پڑھنے کے بعد اس نے مغفرت یا کوئی اور دعا کی تو قبول ہوگی، اور اگر وضو کر کے نماز پڑھے گا تو وہ مقبول ہوگی۔ (بخاری شریف)

(۴) کروٹ بدلتے وقت آپ ﷺ کی آنکھ کھلتی تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے: لَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ، رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ (نسائی شریف)

رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دم بھرنے والے اِدھر آئیں، آپ کے طریقہ کو دیکھیں، آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات کو جو یقیناً بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہیں، یاد کریں اور اپنی دعاؤں میں دہرائیں، نیند کی غفلت اچھی نہیں، پیروئ سنت اچھی چیز ہے، درجات اس سے بلند ہوتے ہیں، مقبولیت اس سے حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجة الله البالغة میں لکھا ہے کہ تہجد کی ایک سنت یہ ہے کہ جب نیند سے بیدار ہو تو وضو کرنے سے پہلے اللہ کا ذکر کرے اور اس وقت میں متعدد کلمات وارد ہیں، ایک دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ الْحَقُّ وَلِقَاءُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ

حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ أَسْلَمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَإِلَیْکَ أَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَإِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتُ أَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَاإِلٰہَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلٰہَ غَیْرُکَ (بخاری ومسلم)

نیز یہ کہ سو کر اٹھنے کے بعد اللہ اکبر دس مرتبہ، الحمدللہ دس مرتبہ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ دس مرتبہ، سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ دس مرتبہ، اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ إِلَیْہِ دس مرتبہ، لَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ دس مرتبہ اور اَللّٰھُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ دس مرتبہ کہنا چاہیے (ابوداؤد شریف)

اور حدیث میں اس وقت یہ دعا بھی وارد ہے:

"لَاإِلٰہَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ أَللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ أَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَأَسْأَلُکَ رَحْمَتَکَ أَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْماً وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ إِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً إِنَّکَ أَنْتَ الْوَھَّابُ (ابوداؤد شریف)

نیز رسول اللہ ﷺ نے اس وقت سورہ آل عمران کے آخری رکوع "إِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَآیَاتٍ لِّاُوْلِی الْاَلْبَابِ" کی بھی تلاوت فرمائی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ان دعاؤں کو نمازِ تہجد سے پہلے پڑھنا چاہیے، اس کے بعد وضو اور مسواک کر کے نماز میں مشغول ہوں۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کو ذرا تفصیل کے ساتھ لکھ دیا ہے...... گو کہ تمام دعاؤں کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے...... تاکہ نبی کریم ﷺ کے ماننے والوں کو آپ کی سنت اور آپ کے طریقے کا علم ہو جائے شاید کسی امتی کو توفیق ہو جائے اور اس وقت کی اہمیت کو پہچانے، واقعہ یہ ہے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں رات کا آخری حصہ نہایت بیش قیمت وقت ہے، رسول اکرم ﷺ کے قلب مبارک پر اس وقت کی نورانیت اور عظمت منکشف تھی،

اس لئے خواہ کوئی حالت ہو سکون کی حالت ہو یا اضطراب، صحت کی حالت ہو بیماری کے اشتداد، رات آرام سے گزری ہو یا سفر کی مشقتوں سے لبریز وہ رات ہو، اس وقت میں آپ بہرحال مولیٰ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، کاش کہ آپ کی امت اس وقت کو خواب میں نہ گنواتی۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''جس کی تہجد اچھی اس کی رات اچھی، اور جس کی رات اچھی اس کا دن اچھا، لوگ اچھے اچھے حالات کے خواہش مند تو ہیں لیکن نہ اپنی رات کو اچھی بنانے کی فکر ہے نہ دن کو اچھا بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ حال درست ہوتا ہے عمل سے، اور احوال عمل کے تابع ہوتے ہیں، باقی فاسقوں کا سا عمل اور اس کے ساتھ اہل اللہ جیسے حالات کی تمنا بجز خام خیالی کے کچھ نہیں۔ (تالیفات مصلح الامت، ص: ۴۵۲، ج: ۳)

یہ وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا ہے خیالات کو جمع کر کے اللہ کے حضور یکسوئی حاصل کرنے کا ہے، اسی لئے رسول اکرم ﷺ سے اس وقت میں بکثرت دعائیں منقول ہیں، آپ ﷺ کی پیروی یہی ہے کہ جس وقت آپ ﷺ نے جو عمل کیا ہم بھی ذوق وشوق سے اور دل لگا کر وہی کام کریں۔

رسول اللہ ﷺ تہجد کے لئے کب اُٹھتے تھے؟

رسول اللہ ﷺ کا عام دستور یہ تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد جلد سو جاتے تھے، اس وقت بات چیت آپ پسند نہیں کرتے تھے الا یہ کہ کوئی ضروری بات ہو، چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کا معمول نقل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: **کان یکرہ النوم قبلھا ویحدث بعدھا** (بخاری شریف) آپ ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات کرنے کو ناپسند کرتے تھے، مسند احمد کی روایت میں ہے کہ: **ما نام رسول اللہ ﷺ قبل العشاء ولا سھر بعدہ**، رسول اللہ ﷺ کا نہ عشاء سے پہلے سونے کا معمول تھا اور نہ عشاء کے بعد جاگنے کا۔

صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ عشاء کے بعد اگر کوئی اِدھر اُدھر کی بات چیت میں وقت گنواتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے مارتے اور فرماتے: **أسمراً أول الليل ونوماً آخره**، کیا شروع رات میں گپ کرتے ہو اور آخر رات میں سوؤ گے؟ (ص:۹۳، ج:۲)

حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** فرماتی ہیں کہ: **كان رسول الله ﷺ ينام أول الليل ويحيي آخره** (بخاری شریف و مسلم) رسول اللہ ﷺ شروع رات میں سو جاتے تھے اور آخر میں عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

مشہور تابعی حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** سے دریافت کیا کہ **أيُّ حين كان يصلي؟** رسول اللہ ﷺ کس وقت نماز (تہجد) پڑھتے تھے، فرمایا کہ **كان إذا سمع الصارخ قام فصلیٰ** (بخاری و مسلم) جب آپ مرغ کی بانگ سنتے تھے تو اٹھ جاتے اور نماز پڑھتے۔ مرغ عموماً آدھی رات کے بعد بانگ دینا شروع کر دیتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آدھی رات کے بعد آپ کا دستور اٹھ جانے کا تھا۔

مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت حمید فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا رہوں گا کہ آپ کا معمول نماز کے بارے میں کیا ہے؟ تو جب آپ نمازِ عشاء سے فارغ ہوئے تو دیر تک سوئے، پھر آپ بیدار ہوئے، اور اُفقِ آسمان کی جانب نگاہ اُٹھائی اور **ربنا ما خلقت هٰذا باطلاً** سے **إنك لا تخلف الميعاد** تک پڑھا، پھر بستر سے مسواک نکالی، ایک بڑے پیالے میں پانی نکالا، مسواک کی اور وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے، میرے خیال میں جتنی دیر تک آپ سوئے تھے اتنی دیر تک نماز بھی پڑھتے رہے، پھر آپ لیٹ گئے، اور میرا خیال ہے کہ اتنی ہی دیر تک لیٹے جتنی دیر آپ نماز میں مشغول رہے، پھر آپ بیدار ہوئے، اور پہلے ہی کی طرح عمل کیا، اور پہلے جو کچھ آپ نے پڑھا تھا اس طرح صبح صادق ہونے تک تین مرتبہ کیا۔ (نسائی شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کبھی آدھی رات سے قبل بھی بیدار ہوکر نماز میں مشغول ہوجاتے تھے، پھر درمیان میں سو بھی جاتے تھے، احادیث میں آپ کی راتوں کا جس طرح تذکرہ آیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کسی طرح قرار نہیں آتا تھا، ضرورت کی بنا پر، یا امت کی رعایت میں آپ بستر پر سوتے ضرور تھے، مگر عشق الٰہی کی حرارت آپ کو بار بار اُٹھا دیتی تھی اور آپ اللہ کے حضور بے چین ہوکر کھڑے ہوجاتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ راتوں کو بار بار اُٹھنا، جس سے نہ نیند پوری ہو، نہ پوری طرح جاگنا ہی پایا جائے، شدید مجاہدہ ہے، آدمی ایک مرتبہ جی بھر کے سو لے، پھر اُٹھ جائے، یہ تو آسان ہے، مگر ابھی سوئے، ابھی اٹھے، نماز میں مشغول رہے، پھر سو گئے، پھر اٹھ گئے، یہ ایک ایسا مجاہدہ ہے، جو دل کی بے تاب لگن، اور محبت کی بے قرار تڑپ کے بغیر ممکن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک تجلیاتِ ربّانی کا مرکز تھا، آپ کے سامنے عالم غیب کے وہ مناظر کھلتے تھے، جو اوروں سے مخفی رہتے ہیں، آپ نے ان کا حق ادا کیا اور امت کو سبق دے گئے کہ یہ وقت کتنا قیمتی ہے، اور اس کو کس طرح کارآمد بنانا چاہئے۔

تہجد کے وقت خوشبو کا استعمال:

خوشبو تو آپ کو عام حالات میں بھی پسند تھی، مگر یہ وقت خاص جو قربِ الٰہی کی معراجِ کمال کا وقت ہے جس میں آسمان و زمین کے ملکوت اللہ کے خاص بندوں کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں، اس وقت میں آپ نے بطورِ خاص خوشبو استعمال فرمائی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک برتن تھا، اس پر آپ کی مسواک رکھی رہتی تھی، آپ رات کو اٹھتے تو ضرورت سے فارغ ہوکر مسواک کرتے، وضو کرتے، پھر خوشبو طلب کرکے استعمال فرماتے۔ (مختصر قیام اللیل)

نمازِ تہجد کی رکعتیں:

تہجد کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے فرض نمازوں، سنن مؤکدہ کے مثل رکعتوں کی

تعداد اور کیفیت متعین نہیں فرمائی ہے، اس کا وقت تو متعین ہے، لیکن کتنی رکعتیں پڑھی جائیں، اس کا مدار نشاطِ طبع، صحت وقوت، شوق وذوق پر ہے، رسول اللہ ﷺ عموماً اس نماز میں قرأت اور رکوع وسجود طویل فرماتے تھے، رکعتوں کی گنتی احادیث مبارکہ میں مختلف ملتی ہے، اس سلسلے میں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے، ان میں وتر کی نماز اور فجر کی سنت بھی شامل ہے۔ (بخاری شریف)

تین رکعت وتر اور دو رکعت فجر کی سنت الگ کر دی جائے تو کل آٹھ رکعتیں تہجد کی ہوئیں۔

(۲) مشہور تابعی حضرت مسروق علیہ الرحمہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز کس طرح پڑھا کرتے تھے، فرمایا کہ فجر کی سنت کے علاوہ کبھی سات رکعت، کبھی نو رکعت، کبھی گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف)

اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز علاوہ وتر کے آپ ﷺ نے چار رکعت بھی پڑھی ہے، چھ رکعت بھی پڑھی ہے، اور آٹھ رکعت بھی پڑھی ہے۔

(۳) ایک دوسرے مشہور تابعی حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ رمضان میں نبی ﷺ کی نماز (تہجد) کتنی رکعت ہوتی تھی، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ رمضان ہو یا غیر رمضان (عموماً) گیارہ رکعت سے زائد آپ ﷺ نہیں پڑھا کرتے تھے، پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، مت پوچھو کہ وہ کتنی اچھی اور طویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعتیں پڑھتے، نہ پوچھو کہ وہ کتنی خوبصورت اور طویل ہوتی تھیں، پھر تین رکعتیں پڑھتے، حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا۔ (بخاری شریف)

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔

اول یہ کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ کی رات کی نماز آٹھ رکعت سے زائد نہیں ہوا کرتی تھی، اس سے وہی نماز مراد ہوگی، جو رمضان اور اس کے علاوہ دوسرے مہینوں میں مشترک ہو، اور ظاہر ہے کہ تہجد کی نماز ہے، تراویح نہیں ہے، اس لئے اس نماز سے نمازِ تراویح مراد لینا توجیہ القول بما لا یرضی به القائل کی قبیل سے ہے، یعنی بات کا وہ مطلب بیان کیا گیا ہے جس پر اس بات کا کہنے والا راضی نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ ﷺ نے آٹھ رکعت سے زیادہ بھی تہجد کی نماز پڑھی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ جو فرمایا کہ آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، یہ عمومی اور اکثری احوال کے اعتبار سے ہے، اسی لئے ہم نے ترجمہ میں بطور تشریح کے لفظ (عموماً) بڑھا دیا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ چار چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے، اگر دو رکعت پر سلام پھیرتے تو انداز بیان یہ نہ ہوتا، جو یہاں ہے، بلکہ یوں فرماتیں کہ دو رکعت پڑھتے، اور نہ پوچھو کہ وہ کتنی حسین اور لمبی ہوتی، الخ۔ پس اگر کوئی ایک سلام سے چار رکعت پڑھے، تو وہ بھی سنت کے مطابق ہے، اسی لئے پہلے عرض کیا گیا تھا کہ نماز تہجد کی کیفیت متعین نہیں ہے۔

چوتھی یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ کی نماز تہجد بہت ہی بہتر، خوبصورت اور طویل ہوتی تھی، خوبصورت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام آداب و مستحبات، خشوع وخضوع، نیاز و حضوری اور عمدہ قرأت کا اہتمام فرماتے تھے، ساتھ ہی قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، یہ سب بہت اطمینان کے ساتھ ادا ہوتا تھا۔

پانچویں یہ کہ ان آٹھ رکعتوں کے بعد آپ تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے۔

چھٹے یہ کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز سونے کے بعد آخر شب میں پڑھا کرتے تھے۔

ساتویں یہ کہ آپ کو غفلت کی نیند کبھی نہیں آتی تھی، آپ کی آنکھیں تو سوتی تھیں،

لیکن قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا، اور غفلت کا تعلق قلب سے ہے، اس کا گزر آپ کے قلب پر کبھی نہیں ہوتا تھا۔ اسی لئے سونے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔

(۴) حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ تہجد دیکھنے کا عزم کیا، (غالباً یہ واقعہ سفر کا ہے) تو میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں طویل، بہت طویل پڑھیں، پھر دو رکعتیں ان سے ہلکی پڑھیں، پھر دو رکعتیں ان سے ہلکی پڑھیں، پھر دو رکعتیں ان سے ہلکی پڑھیں، پھر وتر پڑھی، یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ (مسلم شریف)

حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موطا امام مالک میں بھی ہے، اس میں دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں ہے، اگر ان کو بھی شامل کرلیا جائے، تو موطا کی روایت کے لحاظ سے پندرہ رکعتیں ہو جائیں گی، بہر کیف اس روایت کے لحاظ سے تہجد کی ۱۲/ رکعتیں ہو رہی ہیں۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری (قصد یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں کتنی نمازیں پڑھتے ہیں، اور کس طرح پڑھتے ہیں) آپ کچھ دیر سونے کے بعد اُٹھے، ضروریات سے فارغ ہوئے، اور پانی کے برتن کے پاس جاکر وضو کیا، جس میں نہ تو بہت زیادہ پانی استعمال کیا اور نہ بہت کم، اوسط درجہ کا وضو کیا، پھر آپ نماز میں مشغول ہو گئے، میں حالانکہ جاگ رہا تھا، لیکن انگڑائی لیتا ہوا اٹھا، اس ڈر سے کہ کہیں آپ میرے جاگتے رہنے کو سمجھ نہ جائیں، میں نے بھی وضو کیا، اور آپ کے بائیں کھڑا ہو گیا، آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف کرلیا (بعض روایتوں میں کان پکڑنے کا ذکر ہے) اس رات میں آپ نے تیرہ رکعت نماز پڑھی، پھر سو گئے۔ (مسلم شریف)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی روایت کے بعض طرق میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ کچھ دیر سو رہتے تھے۔

ان روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تہجد کی رکعتیں قطعی طور سے متعین نہیں فرمائی تھیں، بلکہ حسب نشاط کم وبیش رکعتیں بھی پڑھتے تھے۔ البتہ وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھتے تھے، جن روایتوں میں تیرہ کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے کہ دو ہلکی بطور تحیۃ الوضو کے پڑھتے ہوں، یا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعت جو گیارہ سے زائد ہوتی تھی، وہ فجر کی سنت ہوتی تھی۔

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں:

> گیارہ رکعت سے زائد نہ پڑھنے میں مجھے یہ حکمت سمجھ میں آرہی ہے کہ تہجد اور وتر کی نمازیں رات کے ساتھ مختص ہیں اور دن کے فرائض بھی گیارہ رکعتیں ہیں، چار ظہر، چار عصر اور تین مغرب، اور مغرب ہی دن کی وتر ہے، تو مناسب ہوا کہ رات کی نمازیں بھی دن کی نمازوں کے برابر ہوں، اور رہی تیرہ رکعت کی مناسبت تو اگر صبح کی نماز کو بھی دن دن کی نمازوں میں شمار کرلیا جائے تو دن کی نمازیں تیرہ رکعت ہو جائیں گی۔ (فتح الباری، ج:۳، ص:۲۶)

رسول اللہ کی نماز تہجد کی کیفیت:

(۱) پچھلی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز مسلسل بغیر کسی فصل کے پڑھتے تھے، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دو رکعت پڑھی اور سو گئے، پھر اُٹھے اور دو رکعت پڑھی اور سو گئے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: **قام فصلیٰ رکعتین أطال فیها القیام والرکوع والسجود ثم انصرف فنام حتیٰ نفخ، ثم فعل ذٰلک ثلاث مرات بست رکعاتٍ کل ذٰلک یستاک ویتوضأ ویقرأ هٰولاء الاٰیات ثم أوتر بثلاث** (مسلم شریف) یعنی رسول اللہ ﷺ اٹھے اور دو رکعتیں پڑھیں اور ان میں قیام، رکوع اور سجدہ سب طویل ادا کیئے، پھر فارغ ہوکر آپ سو گئے، یہاں تک کہ ہلکا خراٹا شروع ہوگیا، پھر آپ کھڑے ہوئے اور ویسی ہی نماز پڑھی، ایسا تین مرتبہ کیا اور چھ رکعتیں پڑھیں، اور ہر مرتبہ میں مسواک کرتے،

وضو کرتے اور یہ آیات (إن فی خلق السمٰوات والارض الخ) پڑھتے، اس کے بعد آپ نے تین رکعت وتر پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کبھی ایک ہی رات میں متعدد بار اٹھتے، نماز پڑھتے اور پھر سو رہتے، یہ محبت کی بیتابی کا اثر تھا، جو آپ کو حضرت حق جل شانہٗ کی ذات سے تھی، گویا نیند آتی ہے، مگر محبت کی بیقراری اٹھا اٹھا دیتی ہے، اور آپ ہاتھ باندھ کر آقا کے حضور کھڑے ہو جاتے ہیں۔

(۲) پچھلی بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آپ ابتداءً دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے، اس کے بعد لمبی قرأت فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں امام مسلم علیہ الرحمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: **إذا قام أحدكم من الليل فليفتح صلاته بركعتين خفيفتين**، جب کوئی شخص رات میں نماز کے لئے اُٹھے تو ابتداء میں دو ہلکی رکعتیں پڑھے۔

حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نقل فرماتی ہیں کے **كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا قام من الليل يصلى إفتتح صلاته بركعتين خفيفتين** (مسلم شریف) آپ جب رات کو نماز کے لئے اٹھتے تھے، تو دو ہلکی رکعتوں سے نماز کا آغاز فرماتے۔

جلیل القدر تابعی، خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید حضرت محمد بن سیرین علیہ الرحمہ کا معمول تھا کہ ابتدائی پہلی رکعت میں آیت الکرسی والا پورا رکوع تلاوت فرماتے، اور دوسری رکعت میں سورہ بقرہ کا آخری رکوع۔

(مختصر قیام اللیل)

دو ہلکی رکعتوں سے نمازِ تہجد کا آغاز فرمانا، آپ کا اکثر معمول تھا، ورنہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے ابتداء لمبی رکعت سے بھی کی ہے۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں

کہ:

> میں نے ایک رات رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے سورہ بقرہ سے ابتداء فرمائی، میں نے سوچا کہ سو آیت پر رکوع کردیں گے، لیکن آپ آگے پڑھتے چلے گئے، میں نے خیال کیا اسی سورہ میں نماز مکمل فرمائیں گے، مگر آپ پڑھتے چلے گئے، میں نے دل میں سوچا اس سورہ کے ختم پر رکوع کریں گے مگر سورہ نساء شروع کردی اور اسے بھی مکمل پڑھا، پھر سورہ آل عمران شروع کی اور اسے بھی پورا پڑھا، اور پڑھنے کی کیفیت یہ تھی کہ بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے، جب کوئی آیت تسبیح آتی تو اس پر سبحان اللہ پڑھتے، جب کسی سوال کے موقع پر گزرتے تو دعا کرتے، پناہ مانگنے کا ذکر آتا، تو آپ پناہ مانگتے، پھر آپ نے رکوع کیا اور **سبحان ربی العظیم** کہنا شروع کیا، آپ کا یہ رکوع تقریباً قیام ہی کے برابر تھا، پھر آپ **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتے ہوئے کھڑے ہوئے، تو اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ وہ رکوع ہی کے قریب قریب تھا، پھر آپ نے سجدہ کیا اور سجدہ بھی اتنی ہی دیر تک کیا جتنی دیر آپ کا قیام تھا۔ (مسلم شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے طویل رکعت سے بھی ابتداء فرمائی ہے، اسی طرح سورہ بقرہ پڑھی اور اس طرح حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ اپنا مشاہدہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی رکعت میں سورہ بقرہ پڑھی، اور اس طرح پڑھی کہ ہر آیت رحمت پر وقف فرماتے اور رحمت کی دعا فرماتے، اور ہر آیت عذاب پر رکتے اور عذاب سے پناہ مانگتے، پھر دوسری رکعت میں سورہ آل عمران پڑھی، اسی طرح ایک ایک سورہ پڑھتے رہے۔ (ابوداؤد)

طولِ قیام:

سابقہ روایات سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اکرم ﷺ رات کی نماز میں قیام بہت لمبا فرماتے تھے، صرف قیام ہی نہیں رکوع اور سجود اور قومہ بھی آپ کا طویل ہوتا تھا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: **أفضل**

الصلوٰۃ طول القنوت ، بہترین نماز وہ ہے جس میں قیام لمبا ہو۔ (مسلم شریف)

قنوت سے مراد باتفاق علماء قیام ہے، جیسا کہ امام نووی ؒ نے لکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اتنا لمبا قیام کیا کہ میں نے ایک برا ارادہ کر لیا تھا، لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ فرمایا کہ میں سوچنے لگا تھا کہ آپ کو نماز میں چھوڑ کر الگ بیٹھ جاؤں ۔ (بخاری شریف)

صاحب فتح الباری نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں تطویل کو پسند کرتے تھے، غور کیجئے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کمزور نہ تھے، قوی تھے، اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کے حریص تھے، اس کے باوجود ان کا یہ ارادہ کرنا کہ چھوڑ کر بیٹھ جائیں، اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کا یہ قیام غیر معمولی تھا۔

(کتاب التہجد)

حضرت حذیفہ ؓ سے ایک اور روایت منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، آپ نے اللہ اکبر تین مرتبہ کہا اور پڑھا **ذو الملکوت ، والجبروت ، والکبریاء ، والعظمۃ** پھر سورہ فاتحہ پڑھی، اس کے بعد سورہ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا، اور آپ کا رکوع تقریباً قیام کے برابر تھا، اور رکوع میں **سبحان ربی العظیم**، **سبحان ربی العظیم** پڑھتے رہے، پھر رکوع سے سر اُٹھایا، تو آپ رکوع کے بقدر کھڑے رہے اور فرماتے رہے، **لربی الحمد** ، پھر آپ نے سجدہ کیا تو سجدہ تقریباً قیام کے برابر تھا اور سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھتے رہے، پھر سجدہ سے سر اُٹھایا اور دونوں سجدہ کے درمیان تقریباً اتنی ہی دیر بیٹھے جتنی دیر تک سجدہ کیا تھا، اور اس میں **رب اغفر لی رب اغفر لی** پڑھتے رہے، اسی طرح آپ نے چار رکعتیں پڑھیں اور ان میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ یا سورہ انعام پڑھی۔ (ابوداؤد)

خیال فرمایئے یہ چار رکعتیں کتنی ہوں گی جن میں آپ نے سوا پانچ پارے کی

تلاوت کی، اور ساتھ ہی ساتھ رکوع وسجدہ اور قومہ وجلسہ بھی اتنا ہی طویل ادا فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک رات رسول اللہ ﷺ کو کچھ تکلیف تھی، صبح ہوئی تو بعض لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مرض اور تکلیف کا اثر آپ پر نمایاں ہے، آپ نے فرمایا بحمد اللہ اس کے باوجود جو تم دیکھ رہے ہو، میں نے سات لمبی لمبی سورتیں پڑھی ہیں۔ (ابو یعلیٰ وحاکم)

اگر یہ سات ابتدائی سورتیں مراد ہیں، تو یہ سات سورتیں سوا نو پارے پر مشتمل ہیں۔ اللہ اکبر، کیا ذوق وشوق تھا، اللہ کی عبادت کا، اور وقت میں کتنی برکت تھی، اور جسم میں کتنی قوت تھی؟

آپ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت:

رسول اللہ ﷺ قرآن کس انداز سے پڑھتے تھے، ہم تو زمانے کے لحاظ سے آپ کے بہت بعد کے ہیں، ہم اس کا صحیح اندازہ کیسے لگا سکتے ہیں، لیکن حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا احسان ہے کہ انھوں نے آپ کے قرأت کی کیفیت بیان کردی ہے، اس بیان سے آپ کے پڑھنے کی کیفیت کا قدرے اندازہ ہوجاتا ہے۔

امام مالک اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی کتاب میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد نقل کیا ہے رسول اللہ ﷺ کسی سورۃ کی قرأت شروع کرتے اور اتنے اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے کہ وہ اپنے سے لمبی سورہ سے طویل ہوجاتی۔

اور صاحب مشکوٰۃ نے امام ترمذیؒ اور نسائیؒ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: حضرت یعلیٰ بن مملک نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کی نماز اور آپ کے قرآن پڑھنے کی کیفیت دریافت کی، تو ام المومنین نے فرمایا تم کہاں؟ اور رسول اللہ ﷺ کی نماز کہاں؟ آپ تو نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر نماز ہوتی اس کے بقدر سوجاتے، پھر بیدار ہوتے اور جتنی دیر سوئے ہوتے اتنی ہی دیر نماز پڑھتے، پھر جتنی دیر نماز پڑھی ہوتی، اتنی ہی دیر سورہتے، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی، پھر انھوں نے آپ کی قرأت

کی کیفیت بیان فرمائی کہ اطمینان سے ایک ایک حرف واضح کرکے پڑھتے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کی تلاوت اسی طرح ہوتی کہ ہر ہر حرف الگ الگ پہچانا جاتا، ان کے تلفظ اور ادائیگی کا خاص اہتمام آپ فرماتے، اگر کوئی حروف کو گننا چاہتا تو گن لیتا۔

رسول اللہ ﷺ جب قرآن پڑھتے تو حروف کو قدرے مد کے ساتھ ادا فرماتے، یعنی تھوڑا سا کھینچ کر، قدرے لمبا کرکے پڑھتے، مشہور تابعی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی قرأت کی کیفیت دریافت کی، تو انھوں نے فرمایا کہ تھوڑا کھینچ کر آپ پڑھتے تھے۔ (بخاری شریف، فضائل القرآن)

امام بخاریؒ نے ایک دوسری روایت حضرت قتادہ سے نقل کی ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی قرأت کس طرح ہوتی تھی؟ فرمایا مد کے ساتھ، پھر انھوں نے وضاحت کیلئے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی، اور اس طرح پڑھی کہ بسم اللہ میں قدرے مد کی، اسی طرح الرحمٰن میں اور اسی طرح الرحیم میں مد کی۔ (حوالہ بالا)

حضور اکرم ﷺ کے اس مد کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

> قرأت میں مد کرنے کی دو قسمیں ہیں، ایک مد اصلی یعنی جس حرف کے بعد الف یا واو یا یاء ہو اسے پورے طور پر کھینچ کر ادا کرنا، دوسرے غیر اصلی یعنی جس حرف کے بعد الف یا واو یا یاء ہو، پھر اس کے بعد ہمزہ ہو، اس کو مد کے ساتھ پڑھنا، پھر اگر ہمزہ اسی کلمہ کا جز ہے جس میں واو وغیرہ ہے تو وہ مد متصل ہے، اور اگر علیحدہ کلمہ میں ہے تو وہ مد منفصل ہے، مد اصلی کی صورت میں واو یاء اور الف کو پورے طور پر ادا کیا جائے، نہ زیادہ بڑھے (اور نہ کچھ کٹ کر چھوٹا ہو جائے) اور غیر اصلی کی صورت میں اس سے زیادہ کھینچا جائے۔ (ص: ۱۱۲، ج: ۹) (تفصیلات کتب تجوید میں مذکور ہے)

رسول اللہ ﷺ کی قرأت کی صفت میں جس مد کا تذکرہ ہے، وہ مد اصلی ہے، اس مد کو پورا ادا کرنے میں قرأت کا حسن پورے طور پر نمایاں ہوتا ہے، اور یہ بات اسی وقت

حاصل ہوگی جبکہ خوب ٹھہر ٹھہر کر باطمینان قرآن کی تلاوت کی جائے، جلدی جلدی پڑھنے میں تمام حروف عموماً اور حروفِ مدہ یعنی الف، واو اور یاء خصوصاً بہت کٹتے ہیں، اور پڑھنے کا حسن برباد ہوتا ہے۔

ہر آیت پر ٹھہرنا:

پھر اتنا ہی نہ تھا کہ آپ قدرے مد کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، جو اطمینان سے پڑھنے کو مقتضی ہے، بلکہ آپ پڑھنے میں ہر ہر آیت پر وقف کرتے تھے، اس سے مزید ٹھہراؤ اور اطمینان پیدا ہوتا تھا، چنانچہ ام المومنین حضرت ام اسلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر ہر آیت کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے، اس طرح کہ **الحمد للہ رب العلمین** پر وقف کرتے تھے، پھر **الرحمن الرحیم** پر وقف کرتے تھے، (ترمذی شریف) اسی طرح پوری سورہ فاتحہ پڑھتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر آیت پر وقف کرنا بہتر ہے، بلکہ سنت ہے، اگرچہ معنوی اعتبار سے ایک آیت دوسری آیت سے تعلق رکھتی ہو، پچھلے قراء اور ائمہ اسی طرح پڑھا کرتے تھے، لیکن اب لوگوں نے اس کا اہتمام ترک کر دیا ہے۔

ہر ہر آیت پر ٹھہر کر باطمینان پڑھنا، اس ترتیل کا مصداق کامل ہے، جس کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے۔ **ورتل القرآن ترتیلا**، قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو، رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی تعمیل اسی طرح کی ہے، اور آپ کے صحابہ کرام بھی اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ رات سے طلوع صبح صادق تک نماز پڑھی، وہ ترتیل کے ساتھ پڑھ رہے تھے، اور ترجیع نہیں کرتے تھے (یعنی آ آ آ نہیں کرتے تھے) اور اتنی آواز سے پڑھ رہے تھے کہ مسجد والے سن سکتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل، ص:۵۲)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علقمہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو

قرآن سنایا، ان کی آواز بہت اچھی تھی، مگر انھوں نے جلدی جلدی پڑھا، فرمایا ترتیل کے ساتھ ذرا ٹھہر ٹھہر کر پڑھو .... میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں .... یہ قرآن کی زینت ہے۔ (حوالہ بالا)

حضرت ابن ابی ملیکہ (مشہور تابعی) فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک سفر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، حضرت کا قافلہ مدینہ چلتا رہتا، اور رات میں پڑاؤ ڈالتا، حضرت ابن عباسؓ آدھی رات کو اُٹھ جاتے، اور قرآن کریم کو اس طرح پڑھتے کہ ایک ایک حرف صاف صاف ادا ہوتا، ابن ابی ملیکہ نے ان کی قرأت کی حکایت کی، فرماتے ہیں کہ اس میں وہ اتنا روتے کہ ہم ان کے رونے کی آواز سنتے۔ (حوالہ بالا)

حضرت مجاہدؒ اور حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جب رات میں نماز پڑھے، تو حضرات صحابہ کو یہ بات پسند تھی کہ آیاتِ قرآنی کے پڑھنے میں ذرا بلند آواز دراز کر کے پڑھے۔

ترجیع کے ساتھ قرآن پڑھنا:

قرآن پڑھنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی سادگی کے ساتھ حروف کو ان کے مخارج سے ادا کرے اور ان کے صفات کی رعایت کرتا ہوا پڑھے، جس میں نہ خاص ترنم کا لحاظ، نہ آواز میں اتار چڑھاؤ ہو، بس پڑھنے میں جو لہجہ بن جائے، وہی لہجہ رہے۔

دوسرے یہ کہ مخارج اور صفات کی رعایت کے ساتھ لہجہ میں ترنم بھی اختیار کر لے، اور آواز میں قدرے اتار چڑھاؤ پیدا کرے، بشرطیکہ وہ بالکل گانے کا یا موسیقی کا لہجہ نہ بن جائے، اس کو عربی میں ’’ترجیع‘‘ کہتے ہیں، ترجیع کے لفظی معنی لوٹانے کے آتے ہیں، پڑھنے میں اس طرح کی آواز بنے جیسے حلق میں لوٹ لوٹ کر آ رہی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کو سادہ لہجہ میں بھی پڑھتے تھے، اور ترجیع کے ساتھ بھی پڑھتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچازاد بہن حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ کہ میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن رہی تھی، آپ قرآن پڑھ رہے تھے اور ترجیع کے ساتھ

پڑھ رہے تھے۔ (مختصر قیام اللیل، ص: ۵۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ: **هو تقارب ضروب الحركات في القرأة وأصله الترديد وترجيع الصوت: ترديده في الحلق** (فتح الباری)

ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے میں حرکات کی ادائیگی میں تسلسل پایا جائے، اس کا اصل معنی ''تردید'' ہے یعنی دہرانا، اور ترجیع صوت کا مطلب ہے کہ حلق میں دہرانے جیسی صورت بنے۔

مزید انھوں نے فرمایا کہ ''ترجیع'' ترتیل سے زائد ایک چیز ہے، شیخ ابو محمد بن ابی حمزہ فرماتے ہیں کہ ترجیع کا مطلب ہے تلاوت میں حسن پیدا کرنا، نہ کہ گانے جیسی کھینچ تان پیدا کرنا، شیخ منادی نے فرمایا ہے کہ ترجیع کی کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب طبیعت خاص نشاط پر ہو اور لذت سے سرشار ہو۔

ظاہر ہے کہ رات کی تلاوت میں رسول اللہ ﷺ کو کمال نشاط حاصل ہوتا تھا، اس حال میں آپ کے سرور وانبساط اور لذت وحلاوت کی کیفیت کا کون ادراک کرسکتا ہے، ایسے وقت میں اگر آپ پڑھنے میں اور آپ کی مبارک آواز میں پُرکیف ترجیع پیدا ہوجائے تو اقتضاء حال کے عین مطابق ہے اور یہ بالکل فطری چیز ہے۔

تہجد کی نماز میں قرأت جہراً یا سراً:

احادیث مبارکہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تہجد کی نماز میں آہستہ قرأت بھی کی ہے اور آواز سے بھی پڑھا ہے۔

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر کی چھت پر لیٹی ہوتی، اور رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی آواز میں سنا کرتی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی آواز سے پڑھتے اور کبھی بغیر آواز کے پڑھتے، اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح پڑھا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن قیس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رات میں

اللہ کے رسول ﷺ قرآن کس طرح پڑھتے تھے، سراً یا جہراً؟ فرمایا کہ کبھی جہر کرتے اور کبھی سراً پڑھتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کتنا جہر فرماتے تھے؟ فرمایا کہ اگر کوئی سن کر یاد کرنا چاہتا تو یاد کر لیتا۔

یہ تمام روایتیں مختصر قیام اللیل سے نقل کی جارہی ہیں۔ اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تہجد میں آہستہ پڑھتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے پڑھتے، اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا، تو آپ نے حضرت ابوبکر سے آہستہ پڑھنے کی وجہ دریافت کی، انھوں نے عرض کیا جس سے میں آہستہ آہستہ بات کرتا ہوں وہ سن لیتا ہے، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے، پھر حضرت عمر سے دریافت فرمایا کہ تم بلند آواز سے کیوں پڑھتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا شیطان کو دھتکارتا ہوں، اور سوتوں کو جگاتا ہوں، آپ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ (مختصر قیام اللیل، ص: ۵۳)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کبھی آہستہ پڑھتے، اور کبھی ہلکی آواز سے پڑھتے تھے، اور یہی پڑھنا اکثر ہوتا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی عموماً قدرے آواز سے پڑھتے تھے، اسی وجہ سے روایتوں میں آتا ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ محسوس ہوا کرتی تھی، کیونکہ یہ حضرات قدرے آواز سے تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو الاحوص فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص رات میں خیموں کے درمیان داخل ہوتو، تہجد گزاروں کی آواز شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ سنے گا۔ (حوالہ بالا)

کیا اچھا دور تھا، اور کتنے اچھے لوگ تھے کہ دن کے کاموں کی تکان کے بعد، ان کی راتیں نیند کی متوالی نہ ہوتی تھیں، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوتے، گریۂ وزاری کرتے، رکوع وسجود میں راتیں گزارتے، ان کے دن بھی روشن اور راتیں بھی اجالی، اور سب سے بڑھ یہ کہ ان کے قلوب نورانی۔ كثر الله أمثالهم ورزقنا أتباعهم ووفقنا لما يحب ويرضىٰ ربنا، آمین

تہجد میں آہستہ قرأت بہتر ہے یا بلند آواز سے؟

معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نمازِ تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کبھی قدرے بلند آواز سے کرتے تھے، کبھی پست آواز سے، اس سلسلے میں امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:

> ’’متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آواز سے قرأت کرنا افضل ہے، اور کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ قرأت کرنا بہتر ہے۔ حضرات علماء فرماتے ہیں کہ آہستہ پڑھنے میں ریا کا شائبہ نہیں ہوتا، اس لئے اگر کسی کو ریا کا اندیشہ ہو تو آہستہ پڑھنا اس کے حق میں بہتر ہے، اور اگر کسی کو ریا کا اندیشہ نہ ہو تو جہراً پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ کسی نماز پڑھنے والے کو یا سونے والے کو تکلیف نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ جہر یا سر، یہ نمازی کے احوال واوقات کے لحاظ سے ہے، اگر آدمی تنہا ہو، اس کے پاس کوئی دوسرا نماز نہ پڑھ رہا ہو، اور کوئی شخص سویا نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ قدرے بلند آواز سے قرأت کرے، بلکہ اگر سونے والے کو تہجد کے لئے اُٹھانا ہو تو بھی قدرے آواز ہی سے قرأت کرنا بہتر ہے، تاکہ وہ بھی اٹھ کر عبادت میں شریک ہو جائے۔

چنانچہ ابوبکر بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہمارے گھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی شاگرد اوران کی تربیت یافتہ بھتیجی حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن تشریف لائیں، اور رات کو ہمارے گھر قیام فرمایا، میں رات کو اٹھا اور نماز پڑھنے لگا اس میں میں نے آہستہ قرأت کی، انھوں نے فرمایا اے بھانجے! قرآن جہراً کیوں نہیں پڑھتے، ہم تو رات میں حضرت معاذ قاری کی قرأت سے، یا افلح مولیٰ ابوایوب کی قرأت سے بیدار ہوا کرتے تھے، ایک روایت میں تمیم داری کا نام آیا ہے۔

ان کے باپ محمد بن ابوبکر کے متعلق بھی یہی منقول ہے کہ وہ رات میں نماز کے اندر جہراً قرأت کیا کرتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل، ص:٥٣)

قرآن کریم کو اچھی آواز سے پڑھنا:

قرآن کریم کو تجوید وترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے، یعنی حروف کو ان کے

مخارج سے صحیح طور سے ادا کیا جائے، اور ان کے صفات کی رعایت کی جائے، اس رعایت واہتمام کے بعد ایک اور چیز ہے، جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب ہے، وہ یہ کہ اس کو بالکل سادہ اور سپاٹ انداز میں عام عربی عبارات کی طرح نہ پڑھا جائے، بلکہ اچھی آواز سے ایک طرز کے ترنم سے پڑھا جائے، ایسا ترنم جس سے قرآن، گانا نہ معلوم ہو، اور نہ اس کے مخارج وصفات میں کوئی خرابی پیدا ہو، نبی کریم ﷺ نہایت خوش آواز تھے، اور قرآن کو خوش آوازی سے پڑھتے تھے، اور اس کو پسند فرماتے تھے، حضرت ابراہیم نخعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ: **ما بعث الله نبياً إلا حسن الوجه والصوت**، اللہ تعالیٰ نے جسے بھی نبی بنا کر بھیجا وہ خوبصورت اور خوش آواز ضرور رہا ہے۔ (مختصر قیام اللیل، ص: ۵۶)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: **حسنوا القرآن بأصواتكم فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسناً**، قرآن کریم کو اپنی آواز سے خوبصورت بناؤ، کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن کو بڑھا دیتی ہے۔ (رواہ البخاری تعلیقاً والدارمی)

اس سے معلوم ہوا کہ اچھی آواز سے پڑھنا مطلوب ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اور حضرت سالم مولیٰ حضرت ابوحذیفہ ؓ بہت خوش آواز تھے، اور ترنم کے ساتھ قرآن کی تلاوت تہجد میں کیا کرتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان کے پڑھنے کو بہت پسند فرماتے تھے۔

صاحب قیام اللیل نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ ؓ کی قرأت سنی، تو آپ نے فرمایا کہ ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا ایک حصہ ملا ہے، حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ مسجد نبوی میں تہجد کی نماز میں قرآن کریم کو پڑھ رہے تھے، ان کی آواز نہایت شیریں تھی حضرات امہات المومنین نے سنا، تو جس جس نے سنا، کھڑی ہو کر بغور سننے لگیں، صبح کو کسی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کو یہ بات بتائی کہ خواتین آپ کی تلاوت کو بغور سن رہی

تھیں، انھوں نے فرمایا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو اور خوب بنا سنوار کر پڑھتا، اور ان کے شوق میں اضافہ کرتا۔

حضرت ابوعثمان نہدی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جیسی عمدہ آواز تھی، ویسی نہ میں نے کسی بانسری، نہ کسی بربط اور نہ کسی جھانجھ کی آواز سنی، وہ جب نماز پڑھاتے تھے، تو ہماری تمنا ہوتی کہ کاش یہ سورہ بقرہ پڑھتے، اتنی اچھی ان کی آواز تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوتے، تو فرماتے کہ ابوموسیٰ! ہمارے رب کی یاد ہمارے دلوں میں ذرا تازہ کرو، تب وہ قرآن پڑھتے۔

ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اس شخص کو تغنی بالقرآن (قرآن کریم کو ترنم سے پڑھنا) سے آپ منع کیوں نہیں کرتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا، جب رات ہوئی تو حضرت امیر المومنین باہر تشریف لائے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن پڑھ رہے تھے، وہ سننے لگے، ان پر رقت طاری ہوئی، اور بے اختیار رونے لگے، جب صبح ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے لوگ جمع ہوئے تو فرمایا کہ تم میں سے جس کا ترنم ابوموسیٰ جیسا بن سکے، اسے چاہئے کہ ویسا بنائے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب میں عشاء کے بعد ذرا دیر سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہونچی، آپ نے پوچھا کہاں رہ گئی تھی، میں عرض کیا کہ آپ کے اصحاب میں سے ایک صاحب مسجد میں قرآن پڑھ رہے تھے، ان کے جیسی آواز اور ان کے جیسی قرأت میں نے اور کسی صحابی کی نہیں سنی، میں اسی کو سننے میں رہ گئی تھی، یہ سن کر آپ اٹھ کر چلے، میں بھی آپ کے ساتھ چلی، آپ نے بھی سنا، پھر ارشاد فرمایا یہ ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ اس جیسے شخص کو میری امت میں رکھا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو خود ایک خوش آواز قاری تھے، ان کے مشہور شاگرد حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پڑھنے میں مجھے اچھی آواز عطا

فرمائی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجھ سے قرآن پڑھواتے، اور فرماتے: تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، تم پڑھو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اچھی آواز قرآن کی زینت ہے۔ (یہ تمام روایتیں مختصر قیام اللیل سے منقول ہیں)

قرآن کریم کو ترنم سے پڑھنا:

قرآن کریم کو ترنم سے پڑھنے کا ایک خاص لہجہ اور نغمہ ہے جس کی رعایت کرنے سے قرآن کریم کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے، اور وہ ایک پسندیدہ چیز ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: **لیس منا من لم یتغن بالقرآن**، جس نے قرآن میں نغمگی نہیں اختیار کی اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ (بخاری شریف)

اور آپ ﷺ نے فرمایا: **ماأذن اللہ لشیٔ ماأذن لنبی حسن الصوت یتغنی بالقرآن یجھر بہ**، اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنے اہتمام سے نہیں سنتے جتنا کہ خوش آوازی کے ساتھ جب کوئی نبی قرآن پڑھتا ہے، تو اسے سنتا ہیں۔ (بخاری و مسلم)

امام طحاوی اور ابن ابوداؤد نے اس حدیث میں **لنبی حسن الترنم بالقرآن** کے الفاظ نقل کئے ہیں، یعنی ایسا نبی جو قرآن کی تلاوت میں بہتر ترنم والا ہو۔

(فتح الباری، ج:۹، ص:۸۷)

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں نغمگی اور ترنم مطلوب ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری، ج:۹، ص:۸۸ میں لکھا ہے کہ یہ بات بلاشبہ صحیح ہے کہ جو شخص قرآن کریم کو ترنم کے ساتھ پڑھتا ہے، اس کے سننے کی طبیعتوں میں بڑی رغبت ہوتی ہے، اور جو سادگی کے ساتھ بغیر نغمگی کے پڑھتا ہے، ادھر التفات نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی وجہ سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے، اور آنسو بہنے لگتے ہیں، سلف میں قرآن کو موسیقی کے نغموں کے مطابق پڑھنے کے جواز کے سلسلے میں ضرور اختلاف رہا ہے، لیکن اچھی آواز سے پڑھنے اور اچھی آواز والے کو دوسرے سے مقدم کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

پھر حافظ صاحب لکھتے ہیں:

> ''جو بات دلائل سے ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے میں اچھی آواز مطلوب ہے، اگر کسی کی آواز اچھی نہ ہو، تو اچھی بنانے کی کوشش کرے، جیسا کہ ابن ابی ملیکہ نے فرمایا، اور اس کی تحسین کا طریقہ یہ ہے کہ نغموں کے قواعد کی رعایت کرے، کیونکہ اس سے اچھی آواز میں مزید حسن پیدا ہوجاتا ہے، اگر کسی کو خوش آوازی حاصل نہیں ہے، تو صحیح ادائیگی اور تجوید کے قواعد کی رعایت سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے، لیکن اگر ادائیگی غلط ہے تو خوش آوازی اس کی تلافی نہیں کرسکتی، بہرحال صحیح ادائیگی اور قواعد تجوید کی رعایت ضروری ہے۔

تہجد میں ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنا:

تہجد کی نماز میں کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ پر ایسی کیفیت کا ورود ہوا ہے کہ آپ ﷺ ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے رہے، حتیٰ کہ صبح ہوگئی، اس سلسلے میں ایک روایت ملاحظہ ہو، اس روایت کو امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام احمد بن حنبل اور متعدد ائمۂ حدیث نے ذکر کیا ہے، ہم امام محمد بن نصر مروزی کی مشہور کتاب ''قیام اللیل'' سے اسے نقل کرتے ہیں۔

حضرت جسرہ بنت دجاجہ فرماتی ہیں کہ ہمارا قافلہ عمرہ کرنے کے ارادے سے نکلا، ہم نے مقام ''ربذہ'' میں پڑاؤ ڈالا، (اخیر عمر میں صحابیٔ رسول سیدنا ابوذر غفاری ؓ کا قیام اسی مقام ربذہ میں تھا) ہم لوگ صحابیٔ رسول حضرت ابوذر غفاری ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت ابوذر غفاری ؓ نے ارشاد فرمایا کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر گھر تشریف لے گئے، پھر جب لوگ سو گئے تو آپ مسجد میں تشریف لائے، اور نماز میں مشغول ہوگئے، میں بھی آپ کے رکوع کرنے سے پہلے حاضر ہوگیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہوگیا، آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا تو میں آپ کے دائیں جانب کھڑا ہوگیا، اتنے میں عبداللہ بن مسعود ؓ آگئے، وہ ہمارے پیچھے کھڑے ہونے لگے تو آپ نے ان کو بھی اشارہ کیا، تو وہ بائیں جانب کھڑے ہوئے۔ اس رات میں آپ صبح تک ایک ہی آیت کی تلاوت میں مشغول رہے، اسی پر رکوع کرتے رہے، سجدہ کرتے اور مسلسل دعا میں مشغول

رہے، وہ آیت یہ تھی: **إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** (اے اللہ!) اگر آپ ان کو عذاب دیں، تو بلاشبہ یہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کی مغفرت فرما دیں تو یقیناً آپ ہی غلبہ اور حکمت والے ہیں۔

جب صبح ہوئی تو میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے آج رات جو کچھ کیا ہے، ذرا آپ اس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے کچھ پوچھ لیتے؟ تو حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے پوری نماز ایک ہی آیت میں گزار دی، اسی پر آپ رکوع کرتے رہے، سجدہ کرتے رہے، دعائیں کرتے رہے، حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن سکھا رکھا ہے، آپ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے لئے دعا کر رہا تھا۔ (ص: ٥٩)

امام نسائی نے مزید اتنا اور نقل کیا ہے کہ میں نے اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی درخواست کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرما لیا، تو ان شاء اللہ یہ شفاعت ہر اس شخص کے کام آئے گی جو اللہ کے ساتھ شرک نہیں کرتا۔

اب ذرا اس آیت کی شان نزول اور اس کا موقع ومحل بھی معلوم کر لینا چاہئے جس کی کیفیت میں اللہ کے رسول ﷺ نے پوری رات گذار دی۔ یہ آیت سورہ مائدہ کے آخری رکوع کی ہے، سورہ مائدہ کے آخر کے دو رکوع میں اللہ تعالیٰ نے جلیل القدر پیغمبر، **آیۃ من آیات اللہ** سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے، ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان احسانات کا ذکر کیا ہے، جو ان پر، اور ان کی ماں پر پروردگار نے کئے ہیں کہ کس طرح ان کی مدد حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ہوئی، اور کیوں کر انھوں نے گہوارہ میں تکلم فرمایا، اور اللہ نے انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دی، اور ان کے ہاتھوں پر مردوں کے زندہ کرنے، بیمار کے شفا پانے، پرندوں میں روح پھونکنے وغیرہ کے معجزات ظاہر فرمائے، اور پھر حوارین کی درخواست پر آسمان سے دستر خوان اترنے کا تذکرہ فرمایا، بعد میں ان کی امت نے غلط راستہ پکڑ لیا، بجائے اس کے کہ ان تمام امور کی نسبت اللہ کی طرف کرتی، اور اسی کی عبادت

کرتی، انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں حضرت مریم (رحمھا اللہ) کو معبود بنالیا، اور انھیں کو خدا سمجھ لیا۔

اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کریں گے: وَإِذْ قَالَ اللهُ يٰعِيسَى بْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ أُمِّيَ إِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللهِ، جب اللہ نے فرمایا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے بھی اور میری ماں کو بھی اپنا معبود بنا لو، اس سوال پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیبت خداوندی سے تھرا جائیں گے، اور نہایت عاجزی سے جواب عرض کریں گے کہ سُبْحَانَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ أَنْ أَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا أَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلَّامُ الْغُيُوْبُ، آپ کی ذات پاک ہے، میرے لئے ممکن نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا، اگر میں نے یہ بات کہی تو بے شک آپ اس کو جانتے ہیں، جو کچھ میرے دل میں ہے آپ اس سے بخوبی واقف ہیں، اور جو کچھ آپ کے علم میں (پوشیدہ) ہے میں اسے نہیں جانتا، بلاشبہہ آپ تمام غیوب کو جاننے والے ہیں، اس کے بعد مزید معذرت کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں: مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِيْ بِهٖ أَنِ اعْبُدُوا اللهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْداً بِمَا مَادُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ، میں نے ان سے بجز اس کے اور کچھ نہیں کہا تھا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے، اور تمہارا بھی رب ہے، اور جب تک میں ان کے درمیان تھا تو ان پر نگراں تھا، اور جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگہبان ہوئے اور آپ ہر چیز سے بخوبی واقف ہیں۔

یہاں تک پہونچنے کے بعد فطری طور پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام جیسے سراپا رحمت و شفقت پیغمبر کے قلب اطہر میں امت کی محبت اور ان پر جذبۂ مہربانی کا جوش ہوگا، لیکن ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بھی نگاہوں میں مستحضر ہے، ان دونوں پہلوؤں کو سنبھالتے ہوئے نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں:

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(اے اللہ!) اگر آپ انھیں مبتلائے عذاب کریں، تو یہ آپ کے بندے اور غلام ہیں، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو یقیناً غلبہ آپ ہی کو ہے، اور آپ ہی حکمت والے ہیں۔

معذرت کا ادب ملاحظہ ہو کہ چونکہ یہ لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے، اس لئے قانونِ خداوندی کے لحاظ سے ان کی بخشش کا کوئی امکان نہیں ہے، اس لئے صاف صاف مغفرت کی دعا نہیں فرما رہے ہیں، لیکن جذبۂ ترحم کے باعث ان کے عذاب کو بھی یقینی طور پر نہیں بیان کر رہے ہیں، بلکہ بطور شرط کے عرض کر رہے ہیں کہ اگر آپ انھیں عذاب دیں، اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ شرط کے جواب میں ایک ایسا جملہ لا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو بے ساختہ متوجہ کر دے۔ عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ انھیں عذاب دیں تو بہر حال یہ آپ کے بندے ہی ہیں، اس جملہ کی بلاغت کی داد نہیں دی جا سکتی، کیسی بے چارگی اور عجز و درماندگی سے جذبۂ رحمت پر نگاہ جمائی ہے، اس کے بعد پھر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ انھیں بخش دیں تو کون آپ کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے، آپ حاکم اور غالب ہیں۔

معذرت کے یہ کلمات خوف و رجا کے بہت ہی نیاز مندانہ اور عاجزانہ مظہر ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اس آیت کی تلاوت فرمائی تو قیامت کے دن کا وہ پورا نقشہ آپ کے سامنے آ گیا، اور آپ سے بہتر کون اس نقشہ کو دیکھ اور سمجھ سکتا ہے۔

پھر آپ پر وہی نیاز مندی اور عاجزی کی کیفیت طاری ہوئی، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بروزِ قیامت طاری ہوگی، اس وقت آپ نے اپنی امت کو یاد فرمایا، اور پوری شب اسی دعا میں بسر فرمادی، سبحان اللہ! کیا شان تھی جو رحمۃ للعلمین کے قلب اطہر سے چھلک رہی تھی اور دعا بن کے زبان مبارک سے، اور آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہی تھی۔

جزی اللہ عنا نبینا محمداً ﷺ و آلہ وسلم

ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتوں کا پڑھنا:

تہجد کی نماز میں لمبا قیام بہتر ہے، رسول اللہ ﷺ کا قیام بہت طویل ہوا کرتا تھا،

آپ کو پورا قرآن یاد تھا، آپ جتنا چاہتے پڑھتے، مگر امت میں سب کو یہ بات کہاں میسر؟ یعنی اس بات میں اگر کوئی آپ کا اتباع کرنا چاہے، تو کیا صورت ہوگی؟ قربان جایئے رسول اللہ ﷺ پر، آپ ﷺ سب کے لئے نمونۂ کامل ہیں، آپ کی سیرت مبارکہ میں کہیں کوئی خلا موجود نہیں ہے کہ پیروی کرنے والا متحیر رہ جائے کہ ان کے نقشِ پا کدھر ہیں کہ میں ان پر چلوں؟ یہاں بھی نمونہ موجود ہے، وہ یہ کہ ایک رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھ کر رکعت طویل کی جاسکتی ہے، اگر بہت سی سورتیں یاد نہیں ہیں تو ہر رکعت میں ایک سورہ بار بار دہرائی جاسکتی ہے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک ہی آیت میں شب تمام کردی، اسی ایک آیت پر رکوع وسجود کرتے رہے، اب یہ نمونہ ملاحظہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ باوجود سارے قرآن کے حافظ ہونے کے، ایک ایک رکعت میں دو دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

امام محمد بن نصر مروزی نے ''قیام اللیل'' میں حضرت عبداللہ بن شقیق سے نقل کیا ہے: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھا کرتے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ مفصل کی سورتیں اکٹھا پڑھا کرتے تھے۔ (ص:٦١)

مفصل وہ سورتیں ہیں، جو قرآن کریم کے آخر میں ہیں، یہ سورہ **حجرات** سے شروع ہوکر سورہ **والناس** پر ختم ہوتی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک آدمی آیا، اس نے کہا کہ میں مفصل کی تمام سورتیں ایک رکعت میں پڑھتا ہوں، انھوں نے فرمایا شعر کی طرح پڑھتے ہو۔ ایسے لوگ بھی ہیں کہ قرآن پڑھتے ہیں، لیکن قرآن ان کی حلق سے آگے نہیں بڑھتا، مگر جب وہ دل میں رسوخ پکڑتا ہے تو نافع ہوتا ہے، نماز کا بہترین حصہ رکوع وسجدہ ہے، رسول اللہ ﷺ نظائر کو ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ سورہ **رحمٰن** اور سورہ **نجم** ایک رکعت میں، سورہ **إقتربت الساعة** اور **الحاقة** ایک رکعت میں، سورہ **طور** اور **ذاریات** ایک رکعت میں، سورہ **واقعہ** اور **ن والقلم** ایک رکعت میں، سورہ **سأل سائل** اور سورہ **نازعات** ایک رکعت میں، **یاایھا المدثر** اور **یاایھا**

المزمل ایک رکعت میں، ویل للمطففین اور سورہ عبس ایک رکعت میں، سورہ دخان اور سورہ إذا الشمس کورت ایک رکعت میں۔

ایک روایت میں ہے کہ هل أتیٰ علی الانسان اور سورہ قیامة ایک رکعت میں، عم یتسآء لون اور مرسلات ایک رکعت میں، اور حم الدخان اور سورہ کورت ایک رکعت میں۔

حضرت محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایک رکعت میں دس سورتیں پڑھ لیتے تھے۔ (ص:٦٢)

ایک رکعت میں مختلف آیات کی تلاوت:

طولِ قرأت کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ہر رکعت میں ایک ایک طویل سورہ کی تلاوت کی جائے، یہ سب سے افضل ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھی جائیں، یہ بھی بلا کراہت درست ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ایک رکعت میں مختلف جگہ کی مختلف آیات کی تلاوت کی جائے، یہ تیسری صورت پسندیدہ نہیں ہے، چنانچہ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ تہجد کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس سے گزرے وہ آہستہ قرأت کررہے تھے، اور حضرت عمرؓ کے پاس سے گزرے تو وہ بلند آواز سے تلاوت کررہے تھے، اور حضرت بلالؓ کے پاس سے گزرے تو وہ کچھ آیتیں ایک سورہ سے اور کچھ آیتیں ایک دوسری سورہ سے پڑھ رہے تھے، بعد میں حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا تو تم بغیر آواز کے قرآن پڑھ رہے تھے، انھوں نے عرض کیا جس سے میں مناجات کررہا تھا، وہ سن رہا تھا، فرمایا کہ قدرے آواز بلند رکھو، حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا تو تم کافی بلند آواز سے پڑھ رہے تھے، انھوں نے عرض کیا میں شیطان کو بھگاتا اور سونے والوں کو بیدار کرتا ہوں، فرمایا کہ آواز قدرے پست کرو۔ حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے گزرا تو تم کچھ اس سورہ سے پڑھ رہے تھے اور

کچھ اُس سورہ سے، انھوں نے عرض کیا میں ایک بہترین بات کو دوسری بہترین بات میں مخلوط کررہا تھا، آپ نے فرمایا کہ سورہ کو اسی طریقہ پر پڑھو، یعنی جب کوئی سورہ شروع کرو، تو اسے چھوڑ کر اِدھر اُدھر سے مت پڑھو، دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب کسی سورہ کو پڑھو تو اسے مکمل ہی کرو۔ (ص:٦٢)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز میں مختلف سورتوں کی مختلف آیات الگ الگ جگہوں سے پڑھنے کو رسول اللہ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا ہے، اس لئے یہ طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔

تہجد کی نماز میں رکوع:

فرض نمازیں چونکہ جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں، اور جماعت میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں، بوڑھے بھی، بیمار بھی، تو وہاں حکم یہ ہے کہ سنت کے مطابق اختصار کا لحاظ رکھا جائے، چنانچہ جماعت کی نمازوں میں نہ بہت طویل قیام ہے، نہ طویل رکوع وسجود ہیں، مگر تہجد کی نماز جو تنہا پڑھی جاتی ہے، رات کے سناٹے میں پڑھی جاتی ہے، اطمینان کا وقت ہوتا ہے، بندے کا حق تعالیٰ سے نہایت قرب ہوتا ہے، آسمانِ دنیا پر حق تعالیٰ نزول فرماتے ہیں، ایسے وقت میں بندہ جتنی دیر قیام کرے، جتنا لمبا رکوع کرے، جتنا طویل سجدہ کرے سب بجا ہے، رسول اللہ ﷺ کا مبارک طریقہ اس کا شاہد ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا رکوع، سجدہ دونوں کے درمیان جلسہ اور جب رکوع سے اٹھتے تو قومہ بجز قیام وقعود کے سب تقریباً برابر ہوتے۔ (صحیح ابن خزیمہ)

اس سے پہلے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت گزر چکی ہے، جس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ آپ کا رکوع، قیام کے قریب تھا، حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تہجد کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہوا، تو جب آپ ﷺ نے رکوع کیا تو اتنا لمبا رکوع کیا، جتنی دیر میں سورہ بقرہ پڑھی جاسکتی ہے، آپ رکوع اور سجدہ میں یہ کلمات

دہرا رہے تھے۔

سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَةِ (نسائی شریف)

سورہ بقرہ کے بقدر رکوع کا مطلب یہ ہوا کہ تقریباً ایک گھنٹہ یا کم از کم پون گھنٹہ کا رکوع ہوا، سبحان اللہ! کتنا خشوع وخضوع تھا!

تہجد میں رکوع کے اذکار:

فرض نمازوں میں معلوم ہوتا ہے کہ قدرے اختصار ملحوظ رہتا ہے، اس لئے فرض نمازوں میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ تین یا پانچ یا سات مرتبہ پڑھا جائے، لیکن تہجد کی نماز تو دل کھول کر پڑھنے کی ہے، اس میں پڑھنے کے متعدد اذکار احادیث میں وارد ہیں۔

(۱) سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ، اس تسبیح کو آپ ﷺ تہجد کے رکوع میں بار بار پڑھتے تھے۔

(۲) سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ، (کم از کم تین بار) اس کو بھی بار بار دہراتے تھے۔ (ابوداؤد واحمد وغیرہ)

(۳) سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ (مسلم شریف)

(۴) سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ (بخاری شریف)

(۵) اَللّٰهُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ وَأَنْتَ رَبِّیْ خَشَعَ لَکَ بَصَرِیْ وَمُخِّیْ وَعَظْمِیْ وَعَصَبِیْ وَمَا اسْتَقَلَّتْ بِهٖ قَدَمِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (مسلم وابوعوانہ وطحاوی ودار قطنی)

(۶) اَللّٰهُمَّ لَکَ رَکَعْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَأَنْتَ رَبِّیْ رَکَعَ لَکَ سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَعِظَامِیْ وَمُخِّیْ وَعَصَبِیْ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (قیام اللیل)

(۸) سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَةِ (حوالہ بالا)

(۹) سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِکَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (مسلم شریف)

ترجمہ بالترتیب ملاحظہ ہو:

(۱) پاک ہے میرا پروردگار جو عظمت والا ہے۔

(۲) پاک ہے میرا پروردگار جو صاحب عظمت ہے اور وہی قابل حمد ہے۔

(۳) پاک ہے، منزہ ہے، ملائکہ اور روح کا رب ہے۔

(۴) اے اللہ آپ کی ذات پاک ہے، اور آپ ہی لائق حمد ہیں، اے اللہ میری مغفرت فرما دیجئے۔

(۵) آپ کی ذات پاک اور لائق حمد ہے، میں آپ کی مغفرت چاہتا ہوں، اور آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں۔

(۶) اے اللہ ! میں نے آپ کے سامنے رکوع کیا، آپ پر ایمان لایا، آپ کی فرمانبرداری کی، آپ میرے رب ہیں، آپ کے سامنے میرا کان، میری آنکھ، میرا مغز، میری ہڈی، میرے پٹھے، سب جھکے ہوئے ہیں، اور وہ سب چیزیں جنھیں میرے پاؤں نے اوپر اٹھا رکھا ہے، سب اللہ کے حضور جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، دبی اور جھکی ہوئی ہیں۔

(۷) اے اللہ! میں نے آپ کے حضور رکوع کیا، اور آپ پر ایمان لایا، آپ میرے رب ہیں، آپ کے لئے میرا کان، میری نگاہ، میرے گوشت، میرے خون، میرے بال، میری ہڈی، میرے مغز، میرے پٹھے، سب نے رکوع کیا، اے اللہ! اسے میری طرف سے قبول فرما لیجئے، بلاشبہ آپ ہی سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

(۸) پاک ہے ملکوت، اور جبروت اور کبریائی اور عظمت والی ذات۔

(۹) آپ کی ذات اے اللہ پاک ہے اور لائق حمد ہے، آپ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

ان اذکار وتسبیحات پر غور کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے کس کس طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی بیان فرمائی ہے، اور کس کس طرح اپنی عبدیت اور نیازمندی کا اعلان فرمایا ہے، اور اس طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو اپنے رب کے حضور کس طرح پیش ہوا جائے،

سکھایا ہے۔ بندہ کے اوپر یہی حق ہے کہ وہ اپنی غلامی اور نیازمندی کا اعتراف کرتا رہے، نہیں بلکہ اس کا اظہار کرتا رہے، اسی مقصد اور اسی حکمت کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، اور اسی غلامی اور نیازمندی کے اقرار و اظہار پر اسلام کی بنیاد ہے، **لا إلٰہ إلا اللہ** کی تصدیق و اقرار میں اپنی مکمل غلامی اور حق تعالیٰ کی مالکیت کا اعتراف و اعلان ہے، نماز کا ہر رُکن اپنی بندگی کا عملی اظہار ہے، روزہ میں دنیا کی بنیادی حاجات کو پروردگار کے حکم سے ترک کردینا، خود سپردگی کا بہترین نمونہ ہے، خدا کے عطا کئے ہوئے مال کا ایک حصہ بغیر کسی دنیوی منفعت کی امید کے محض خوشنودیٔ پروردگار کے لئے زکوٰۃ ادا کردینے سے بڑھ کر قربانی کا مظہر اور کیا ہوسکتا ہے، اور حج تو عبادت کے انتہائی خشوع و تذلل اور جذبۂ محبت و جاں سپاری کا نام ہے، غرض دین اسلام انھیں پانچ ستونوں پر قائم ہے، پھر باقی زندگی بھی اسی محور پر گردش کرتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہر ہر ادا سے عبدیت و غلامی کا اظہار فرمایا ہے۔

قومہ کے اَذْکار:

پچھلے صفحات میں اس بات کا تذکرہ آچکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ تہجد کی نماز میں قیام، رکوع اور سجود میں تقریباً برابری رکھتے تھے، اسی طرح رکوع سے جب اُٹھتے تھے، جسے قومہ کہا جاتا ہے، وہ بھی تقریباً اتنا ہی لمبا ہوتا تھا، جتنا رکوع ہوتا تھا، اس حالت میں بھی آپ سے مختلف اذکار و ادعیہ منقول ہیں، چند روایات یہاں لکھی جاتی ہیں۔

صاحب قیام اللیل نے اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ: **وإذا رفع راسه من الركوع قال: سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ملأ السموات وملأ الارض وملأ ماشئت من شئ بعد**، ترجمہ: جب آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو یہ پڑھتے: اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بات سنی جس نے اس کی حمد کی، اے ہمارے رب اور آپ کیلئے حمد ہے، اتنی حمد جس سے آسمان بھر جائے، زمین بھر جائے، اور ہر وہ چیز بھر جائے جس پر آپ کی مشیت ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت ہے کہ **وإذا رفع راسه من**

الرکوع فأراد أن یسجد قال : اللّٰھم لک أرکع وأسجد وبحولک وقوتک أقعد وأقوم، جب رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدہ کرنے کا ارادہ کرتے، تو کہتے: اے اللہ! میں آپ کے لئے رکوع کرتا ہوں، اور آپ کے لئے سجدہ کرتا ہوں، اور آپ ہی کے ارادہ وقوت سے کھڑا ہوتا اور بیٹھتا ہوں۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صاحب قیام اللیل نے نقل کیا ہے کہ **کان نبی** صلی اللہ علیہ وسلم **إذا رفع راسہ من الرکوع یقول : اللّٰھم ربنا لک الحمد ملأ السموات وملأ الارض وملأ ماشئت من شئ بعد أھل الثنا ء والمجد أحق ماقال العبد وکلنا لک عبد أللّٰھم لامانع لما أعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منک الجد**، رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کہتے تھے: اے اللہ، اے ہمارے رب! آپ ہی کے لئے حمد ہے، آسمان بھر کے، زمین بھر کے، اور ہر وہ چیز بھر کے جو آپ چاہیں، تعریف اور بڑائی اللہ کو زیبا ہے، بندوں نے جو کچھ کہا...... اور ہم سب آپ کے بندے ہیں...... اس میں سب سے سچی بات یہ ہے کہ اے اللہ جسے آپ دیں، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جسے روک دیں اسے کوئی دینے والا نہیں، اور کسی صاحب دولت کی دولت آپ کے مقابلے میں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

بخاری شریف میں اور موطا امام مالک میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں، **رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْداً کَثِیراً طَیِّباً مُبَارَکاً فِیهِ**، نیز یہ کہ **مبارکاً علیہ کما یحب ربنا ویرضیٰ**، اے ہمارے رب آپ ہی کے لئے ساری حمد ہے، بہت زیادہ حمد، پاکیزہ اور برکت والی حمد، جیسا کہ ہمارے رب کو پسند اور محبوب ہو۔

یہ رکوع سے اٹھنے کے اذکار ہیں، اللہ کی حمد جس قدر زبان ودل سے ادا ہو جائے، بندے کی سعادت ہے، حمد بہترین دعا ہے، دعا کرنے والے کو جتنا ملے گا، حمد کرنے والا اس سے بڑھ کر پائے گا، کثرت سے اللہ کی حمد بیان کرنے والا اللہ کے دفتر میں ''حماد'' لکھ دیا

جاتا ہے، حمد کے الفاظ جو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہیں، آپ نے انھیں بہت پسند کیا ہے، خوش نصیب ہیں وہ بندے جو انھیں یاد کریں اور اپنی زبان سے دہرائیں۔

بخاری شریف میں حضرت رفاعہ بن رافع ؓ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک روز نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے جب رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا **سمع اللہ لمن حمدہ** ایک آدمی نے آپ کے پیچھے کہا: **رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ حَمْداً کَثِیراً طَیِّباً مُبَارَکاً فِیْهِ**، جب آپ نے سلام پھیرنے کے بعد پوچھا کہ پیچھے سے کون بولا تھا، اس شخص نے کہا کہ میں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تیس سے زیادہ ملائکہ کو دیکھا کہ وہ جھپٹ کر آئے ہر ایک چاہتا تھا کہ پہلے اسے وہ لکھے۔ (**کتاب الاذان**)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حمد کا یہ کلمہ حق تعالیٰ کو اس درجہ پسند ہے کہ فرشتے اس کو لکھ کر دربارِ الٰہی میں پیش کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، اس لئے وہ تیزی سے جھپٹتے ہیں۔

سجدہ کے اَذکار:

سجدہ کی حالت پوری نماز میں قربِ الٰہی کی مرکزی حالت ہے، بندہ خدا کے اتنے قریب پہونچ جاتا ہے کہ اس کی ہر مانگ سنی جاتی ہے، ایسے وقت میں بہت اہتمام سے ذکر کرنا چاہئے، اور دعائیں کرنی چاہئیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں مجھے قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، تو رکوع میں رب تعالیٰ کی عظمت بیان کرو، اور رہا سجدہ تو اس میں خوب کوشش سے جی لگا کر دعا کرو، اس میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔ (مختصر قیام اللیل، ص:۷۵)

اسی قربِ خاص کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نمازِ تہجد میں طویل سجدہ کرتے تھے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ تہجد کی نماز میں اتنا طویل سجدہ کرتے تھے، جس میں پچاس آیتوں کی تلاوت ہوسکتی تھی۔

رسول اللہ ﷺ سے سجدہ کی حالت میں متعدد اذکار منقول ہیں، آپ سجدہ میں کم از

کم تین مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ کہتے، (میرا رب جو سب سے برتر ہے، میں اس کی پاکی بیان کرتا ہوں) اور بسا اوقات اسی تسبیح کو بار بار دہراتے تھے، بالخصوص تہجد کی نماز میں بے شمار مرتبہ دہراتے تھے۔

(۱) بعض اوقات سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلیٰ وَبِحَمْدِہٖ کہتے تھے۔

(۲) سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوحِ (قیام اللیل ص:۷۵)

(۳) سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ (بخاری و مسلم)

(۴) اَللّٰھُمَّ لَکَ سَجَدْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَلَکَ اَسْلَمْتُ وَأَنْتَ رَبِّیْ سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَصَوَّرَہٗ فَأَحْسَنَ صُوْرَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ أَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (مسلم وابوعوانہ وطحاوی)

(۵) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ کُلَّہٗ دِقَّہٗ وَجِلَّہٗ وَاَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ وَعَلَانِیَّتَہٗ وَسِرَّہٗ (مسلم شریف ابوعوانہ)

(۶) سَجَدَ لَکَ سَوَادِیْ وَخِیَالِیْ وَآمَنَ بِکَ فُوَادِیْ أَبُوْءُ بِنِعْمَتِکَ عَلیٰ ھٰذِیْ یَدَایَ بِمَا جَنَیْتُ عَلیٰ نَفْسِیْ (قیام اللیل، ص:۸۵)

(۷) سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَۃِ

(۸) اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِرَضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَأَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا أُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَیْتَ عَلیٰ نَفْسِکَ، (مسلم شریف، باب ماجاء فی الرکوع والسجود)

(۹) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ (نسائی شریف)

(۱۰) اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْراً وَ فِیْ لِسَانِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ فِیْ سَمْعِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ فِیْ بَصَرِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ مِنْ تَحْتِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ عَنْ یَمِیْنِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ عَنْ یَسَارِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ أَمَامِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ خَلْفِیْ نُوْراً وَأَعْظِمْ لِیْ نُوْراً وَاجْعَلْنِیْ نُوْراً (مسلم ونسائی)

(۱۱) سُبۡحَانَکَ لَااِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ (قیام اللیل، ص:۷۵)

بالترتیب ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

(۱) میرا رب جو سب سے برتر ہے، میں اسکی پاکی اور اس کی حمد بیان کرتا ہوں۔

(۲) پاک ہے، منزہ ہے، ملائکہ اور روح کا رب ہے۔

(۳) اے اللہ آپ کی ذات پاک ہے، اور آپ ہی لائق حمد ہیں، اے اللہ میری مغفرت فرما دیجئے۔

(۴) اے اللہ! میں نے آپ کے حضور سجدہ کیا، اور آپ ہی پر ایمان لایا، اور آپ ہی کے سامنے سر اطاعت خم کیا، آپ میرے پروردگار ہیں، میرا چہرہ اس ذات کے حضور سجدہ ریز ہوا، جس نے اسے پیدا کیا، اور اس کی اچھی صورت بنائی، اور اس میں کان اور آنکھ بنائی، پس عظمت وشان والا ہے، اللہ جو کہ بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

(۵) اے اللہ! میرے سب گناہوں کی بخشش فرما دیجئے، چھوٹے گناہ کی اور بڑے گناہ کی، اول اور آخر کی، علانیہ کی اور پوشیدہ کی۔

(۶) آپ کے حضور میرے جسم نے سجدہ کیا، میرے خیال نے سجدہ کیا اور آپ کے اوپر میرا دل ایمان لایا، میرے اوپر جو آپ کا احسان ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں، یہ میرے ہاتھ (دعا کے لئے پھیلے ہوئے) ہیں، کیونکہ میں نے اپنے اوپر جنایت کی۔

(۷) پاک ہے وہ ہستی جو زور آور ہے، بادشاہ ہے، کبریائی اور عظمت والی ہے۔

(۸) اے اللہ! میں آپ کی ناراضگی سے بھاگ کر آپ کی رضامندی کی پناہ میں آتا ہوں، اور آپ کی سزا سے بھاگ کر آپ کے عفو ودرگزر کی پناہ میں آتا ہوں، اور آپ سے ہٹ کر آپ کی پناہ میں آتا ہوں، میں آپ کی پوری تعریف نہیں کرسکتا، آپ کی تعریف وہی ہے، جو خود آپ نے ارشاد فرمائی ہے۔

(۹) اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجئے، جو کچھ میں نے پوشیدہ طور پر کیا، اور جو کچھ میں نے کھلم کھلا کیا۔

(۱۰) اے اللہ ! میرے دل میں نور عطا فرمادیجئے ، اور میری زبان میں نور عطا فرمادیجئے ، میرے کان میں نور عطا فرمادیجئے ، میری آنکھ میں نور عطا فرمادیجئے ، میرے نیچے نور عطا فرمادیجئے ، میرے اوپر نور عطا فرمادیجئے ، میرے داہنے اور میرے بائیں نور عطا فرمادیجئے ، میرے سامنے اور میرے پیچھے نور عطا فرمادیجئے ، اور مجھے بڑا نور عطا فرمادیجے ، اور مجھے نور بنادیجئے ۔

(۱۱) آپ کی ذات پاک ہے ، آپ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے ۔

رسول اللہ ﷺ حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے سچے عارف تھے ، اللہ تعالیٰ کی شان آپ کے قلب اطہر پر ہر وقت جلوہ گر رہتی تھی ، جس شان کا جو مقتضا ہوتا اس کے مطابق کلمات واذکار آپ بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے ، ہمارے سامنے یہ کلمات اور دعائیں ہیں ، یہ دعائیں نورِ نبوت سے جگمگا رہی ہیں ، اگر ان اذکار وادعیہ کو ہم اپنا معمول بنائیں تو کیا عجب ہے کہ ان مقبول کلمات کی برکت سے ہم پر بھی قبولیت برس جائے ، کوشش کرنی چاہیئے ۔

دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ کے اذکار :

دونوں سجدوں کے درمیان جو تھوڑی سی نشست ہوتی ہے ، رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی دعاء سے معمور فرمایا ہے ، ان دعاؤں کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں ، جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں ۔

(۱) رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ ، (ابن ماجہ)

(۲) رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاهْدِنِیْ (ترمذی وابوداؤد)

(۳) أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ (ابوداؤد)

(۴) أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَعَافِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ (ابوداؤد)

(۵) أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ (ابن ماجہ)

(۶) أَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَاجْبُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاهْدِنِیْ (حاکم)

الفاظ سب دعاؤں کے تقریباً ایک ہی ہیں، کسی میں کوئی لفظ زیادہ ہے، کسی میں کم، کہیں ترتیب بدلی ہوئی ہے، سب کو نقل کر دیا ہے، کہ جس کو جیسے یاد ہو پڑھتا رہے، سب کا حاصل مجموعی طور پر یہ ہے کہ: اے اللہ! میری مغفرت فرما دیجئے، مجھ پر رحم کیجئے، میرے بگاڑ کو درست کر دیجئے، مجھے ہدایت دیجئے، مجھے روزی عطا فرمائیے، مجھے عافیت بخشئے، مجھے بلندی عطا فرمائیے۔

☆☆☆☆☆

رسول اللہ ﷺ کا اخیر عمر میں بیٹھ کر تہجد پڑھنا:

رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز عموماً کھڑے ہو کر پڑھتے تھے، اور گزر چکا ہے کہ آپ کا قیام بھی اور رکوع وسجود بھی اس نماز میں بہت طویل ہوتا تھا، لیکن اخیر عمر جب کہ بڑھاپے کے آثار آپ پر ظاہر ہونے لگے تھے، آپ نے بسا اوقات یہ نماز بیٹھ کر بھی ادا کی ہے، علامہ ابن قیم علیہ الرحمہ نے زاد المعاد میں لکھا ہے کہ نمازِ تہجد آپ سے تین طریقے سے ثابت ہے، ایک یہ کہ آپ نے کھڑے ہو کر پڑھی ہے، اور یہی طریقہ زیادہ تر رہا ہے۔ دوسرے بیٹھ کر آپ نے یہ نماز ادا کی ہے اور بیٹھ کر ہی آپ نے رکوع بھی کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ بیٹھ کر قرأت کی ہے، جب قرأت کا کچھ حصہ باقی رہا تو آپ کھڑے ہو گئے، اور اسے پورا کر کے رکوع کیا، یہ تینوں طریقہ آپ سے ثابت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن شقیق نے ایک بار ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کیا بیٹھ کر بھی نماز پڑھتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں جب آپ بوڑھے ہو گئے تھے، تو بیٹھ کر بھی پڑھتے تھے۔ (مسلم شریف)

واضح ہو کہ جس نماز کا یہاں ذکر ہے کہ وہ آپ بیٹھ کر بھی پڑھ لیتے تھے، وہ تہجد اور دیگر نوافل ہیں۔ فرض نماز بغیر معذوری کے آپ نے بیٹھ کر نہیں پڑھی ہے، نوافل کو بغیر عذر بھی بیٹھ کر ادا کرنا باجماع امت جائز ہے۔

مسلم شریف کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا گیا

ہے کہ وفات سے پہلے آپ بکثرت بیٹھ کر نماز ادا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تہجد کی نماز میں کبھی بیٹھ کر قرأت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، لیکن جب آپ بوڑھے ہوگئے تو آپ نے بیٹھ کر قرأت کی اور جب کسی سورہ میں تیس یا چالیس آیت باقی رہ جاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور انھیں پڑھ کر رکوع کرتے۔ (مسلم شریف)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد کا کچھ حصہ بیٹھ کر اور کچھ حصہ کھڑے ہو کر پڑھنا درست ہے۔

تہجد کے بعد سونا:

رسول اللہ ﷺ کی راتوں کا بڑا حصہ نماز میں گذر جاتا تھا، طویل قیام، طویل رکوع اور طویل سجود میں رات کا بیشتر حصہ گذر جاتا تھا، یہ حوصلہ تو آپ ہی کا تھا کہ راتوں کو زندہ رکھ کر پھر دن کو بھی پوری طرح مشغول رہتے تھے اور پھر یہ کوئی ایک دن کا عمل نہ تھا، ہر روز کا یہی دستور تھا، مدینہ میں قیام ہو یا صحراؤں اور بیابانوں کا سفر ہو، گھر کی تنہائی ہو یا میدانِ جنگ کی ہولناکی ہو، آپ کا عمل اسی نہج پر رہتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: **ما کان فینا فارس یوم بدر غیر المقداد ولقد اتینا وما فیها إلا نائم إلا رسول اللہ ﷺ تحت شجرةٍ یصلی ویبکی حتیٰ أصبح** (مسند احمد) بدر کی جنگ کے روز ہم میں بجز مقداد کے اور کوئی گھوڑے پر سوار نہ تھا، اور میں نے اس روز ایسا دیکھا کہ ہم سب رات میں سو رہے تھے، سوائے رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ صبح تک نماز پڑھتے رہے اور گریہ وزاری میں مشغول رہے۔

رات کی یہ مشغولیت انسانوں کو کس قدر تھکا دیتی ہے، محتاجِ تشریح نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا تقریباً دستور تھا کہ تہجد سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاتے تھے، کبھی آپ کو نیند آجاتی، کبھی محض لیٹنا ہی ہوتا، ایسا بھی ہوتا کہ امہات المومنین میں سے جن کے پاس قیام ہوتا، ان سے کچھ گفتگو فرماتے، اس طرح جسم کو اور طبیعت کو قدرے راحت

پہونچاتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میرے پاس قیام فرما ہوتے تو صبح اس حال میں ہوتی کہ آپ سوئے ہوئے ہوتے۔ (بخاری ومسلم)

حافظ ابن حجرؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سونے سے مراد یہ ہے کہ آپ تہجد کی نماز سے فارغ ہوکر سوتے تھے، جس کی ابتداء مرغ کی بانگ کے وقت سے ہوتی تھی۔

صبح صادق کے وقت یہ سونا حضرت داؤد علیہ السلام کا طریقہ تھا، حدیث میں ہے کہ وہ رات کے آخری چھٹے حصہ میں سوجاتے تھے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ یہ سونا جسم کی راحت کا سبب ہے، بدن کو کچھ آرام حاصل ہوتا ہے، بے خوابی کا ضرر ختم ہوجاتا ہے، جسم گھلنے سے بچ جاتا ہے، اگر رات بھر مسلسل بیدار رہا جائے تو کمزوری چھا جاتی ہے، اور اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ فجر کی نماز میں اور دن کے اذکار میں نشاط اور چستی رہتی ہے، اور صبح کی نیند سے ریاء کا احتمال ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ اتنا سو لینے سے آدمی کے چہرے سے بیداری کا اثر جاتا رہتا ہے، اور اس کا یہ عمل دیکھنے والوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔

نیند کے باب میں حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت:

البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ سونے سے رسول اللہ ﷺ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سوجاتے تھے اور سانس میں پھونکنے کی کیفیت پیدا ہوجاتی تھی، پھر آپ بیدار ہوتے، اور نماز پڑھتے، اس کے لئے وضو نہیں فرماتے۔ (ابن ماجہ)

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اے عائشہ! میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں:

رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ نمازِ تہجد کے بعد وتر کی نماز ادا فرماتے تھے، اور وتر

کے بعد کبھی دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھتے تھے، مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے متعلق دریافت کیا، تو انھوں نے بتایا کہ آپ تیرہ رکعت پڑھتے تھے، آٹھ رکعت تہجد، تین رکعت وتر، پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے، اور جب رکوع کا ارادہ ہوتا تو کھڑے ہوکر رکوع کرتے، پھر فجر کی اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت پڑھتے۔

مسند احمد میں حضرت ابوامامہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے اور ان میں **إذا زلزلت** اور **قل یاأیھا الکافرون** پڑھتے۔

علامہ ابن قیّم علیہ الرحمہ نے اس موضوع پر نفیس کلام کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ”نبی کریم ﷺ کے متعلق ثابت ہے کہ آپ وتر کے بعد کبھی دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے، اور کبھی ان میں قرأت بیٹھ کر کرتے اور رکوع کرنے کا جب وقت آتا تو کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے، اور مسند احمد میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو ہلکی رکعتیں بیٹھ کر ادا کرتے، ان احادیث کے نقل کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو اس حدیث پر اشکال ہوا ہے، اور اس کو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان **إجعلوا آخر صلاتکم باللیل وتراً** (رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ) کے خلاف گمان کیا ہے، امام مالکؒ نے ان دونوں رکعتوں کا انکار کیا ہے، اور امام احمد علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے کہ نہ میں اس پر عمل کرتا، اور نہ اس پر عمل کرنے والوں کو منع کرتا، اور فرمایا کہ امام مالکؒ نے اس کا انکار کیا، اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ دونوں رکعتیں آپ نے اس لئے ادا کی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وتر کے بعد نفل جائز ہے، اور وتر کا ادا کرنا نفل پڑھنے سے مانع نہیں ہے، اور وتر کے سلسلے میں اور جو آپ کا فرمان نقل ہوا ہے، اس کو ان حضرات نے استحباب پر محمول کیا ہے، اور اس کے بعد کی دو رکعتوں کو جواز پر محمول کیا ہے۔
>
> لیکن درست یہ ہے کہ یہ دونوں رکعتیں سنت کے قائم مقام ہیں جو وتر کی

تکمیل کے لئے ہیں، کیونکہ وتر ایک مستقل نماز ہے، بالخصوص جب کہ اس کے وجوب کا بھی ایک قول ہے، پس یہ دو رکعتیں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو مغرب کی سنت کو حاصل ہیں، مغرب دن کی وتر ہے، اور اس کی تکمیل کے لئے دو رکعت سنت ہے، اسی طرح رات کی وتر یہ ہے، اور یہ دو رکعتیں اس کی تکمیل کے لئے ہیں۔

(زاد المعاد ج: ۱، ص: ۳۳۲)

نمازِ تہجد کی قضا:

نمازِ تہجد کی اہمیت فرض نماز کی طرح ہے، چنانچہ جس طرح فرض نماز کی قضا ہے، اسی طرح تہجد کی نماز کی بھی قضا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ سے رات کی نماز فوت ہو جاتی تو دن میں بارہ رکعت نماز ادا کرتے تھے، (مسلم شریف) اور حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں منقول ہے کہ جس شخص کا رات کا وظیفہ یا اس کا کچھ حصہ فوت ہو جائے اور وہ اسے فجر اور ظہر کے درمیان پڑھ لے تو گویا ایسا ہے کہ اس نے رات میں پڑھا ہے۔

قیام اللیل میں امام محمد بن نصر مروزی نے اس حدیث کو ان الفاظ میں بھی بیان کیا ہے کہ **فلیصل به صلوٰة قبل الظهر فإنها تعدل صلوٰة الليل**، (ص: ۸۷) تہجد کی جو نماز چھوٹ گئی ہے، اسے ظہر کی نماز سے پہلے پڑھ لے، یہ رات کی نماز کے برابر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی قضا کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، چنانچہ قیام اللیل میں حضراتِ سلف کا معمول نقل کیا گیا ہے کہ اگر تہجد کی نماز ان سے کبھی فوت ہو جاتی تو سورج کے طلوع ہونے کے بعد زوال سے پہلے ادا کر لیا کرتے تھے، (ص: ۸۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ یَّذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُوراً**، اور وہی ہے، جس نے بنائے رات اور دن ایک دوسرے کے قائم مقام، اس شخص کے لئے جو دھیان رکھنا یا شکر کرنا چاہتا ہے، اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن

بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر رات میں نہ کرسکے، تو دن میں ادا کرلے اور اگر دن کا عمل دن میں نہ کرسکے تو رات میں کرلے، دونوں ایک دوسرے کے قائم مقام ہیں۔

(قیام اللیل، ص:۷۹)

غرض یہ ہے کہ عمل کو ترک نہ کرنا چاہئے، بہترین عمل وہی ہے جس پر دوام ہو، قضاً پڑھ لینے سے دوام اور تسلسل باقی رہتا ہے۔

تہجد کی نماز میں آپ ﷺ کا مجاہدہ:

تہجد کی نماز میں آپ کا کیا معمول تھا، اسے قارئین نے تفصیل سے ملاحظہ فرمالیا، بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے کہ آپ پر ایمان رکھنے والے اس عظیم عمل میں آپ کی پیروی کریں، یہ کوئی ہلکی اور معمولی چیز نہیں ہے کہ آدمی ایک نظر ڈال کر اس سے ہٹالے، دیکھئے رسول اللہ ﷺ باوجود معصوم ہونے کے اس کے لئے کتنی مشقت اٹھاتے تھے، اور یہ سلسلہ زندگی کے اخیر لمحات تک رہا، بات یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوگی، وہ رات کی اس تنہائی کو کھو نہیں سکتا، بدن کی راحت اور نفس کی لذت کے لئے محبت الٰہی کو نظر انداز کرنا شانِ بندگی کے خلاف ہے، دنیاوی چیزوں سے آدمی کو اُلفت ہوجاتی ہے، تو اس کے لئے راحت و آرام کی کتنی قُربانی دیتا ہے، اور بہت آسانی سے دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں وقت کو، راحت کو، نیند کو، اور نفس کی لذتوں کو قربان کرنا کتنا آسان ہوگا، رسول اللہ ﷺ کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تہجد کی نماز اتنی طویل اور کثیر ادا فرمائی کہ آپ کے پائے مبارک پر ورم آگیا، آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ سب معاف ہیں (یعنی آپ تو معصوم ہیں) پھر کیوں اتنی تکلیف اٹھاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ کے پائے مبارک متورم ہوکر پھٹ جاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

ظاہر ہے کہ پاؤں کا ورم کر جانا، اور اتنا ورم کر جانا کہ وہ جگہ جگہ سے شق ہو جائے، ہلکے پھلکے قیام سے نہیں ہوگا، بلکہ بہت طویل قیام سے ہوگا، یہ تھی آپ کی عبادت کی شان! مگر اب کچھ ایسے بھی ستم ظریف پائے جاتے ہیں کہ عبادت میں مشقت اٹھانے کو بدعت قرار دیتے ہیں، اگر یہی بدعت ہے جس کا ثبوت نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ مل رہا ہے، تو اللہ جانے سنت کیا ہوگی، شاید عبادت میں کاہلی برتنے کو یہ لوگ سنت قرار دیں گے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره علىٰ أحدىٰ عشرة ركعة يصلي أربعاً فلاتسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي أربعاً فلاتسأل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثاً۔ (بخاری ومسلم)

رسول اللہ ﷺ رمضان میں بھی اور غیر رمضان میں بھی تہجد کی نماز عموماً گیارہ رکعت سے زائد نہیں پڑھتے تھے، پہلے چار رکعت پڑھتے، مت پوچھو کہ وہ رکعتیں کتنی خوبصورت اور طویل ہوتی تھیں، پھر چار رکعت پڑھتے، مت پوچھو کہ وہ رکعتیں کتنی خوبصورت اور طویل ہوتی تھیں، پھر تین رکعت پڑھتے تھے۔

بعض لوگ اس حدیث کو اپنی خانہ جنگیوں کے لئے ہتھیار بناتے ہیں کہ تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ نہیں ہے، حالانکہ یہ نماز تہجد ہے اور یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کتنی طویل اور حسین ہوتی تھیں، کاش جتنے شد و مد سے بیس رکعت تراویح کے خلاف اسے استعمال کرتے ہیں، اسی شد و مد سے تہجد کی مداومت اور اس کی رکعتوں کے طول و حسن کو عمل میں لاتے۔

تہجد کی نماز میں اعانت کرنے والے کو دعا:

جن لوگوں نے تہجد کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی خدمت کی، آپ نے ان کو بڑی دعاؤں سے نوازا ہے، حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا، ایک روز میں نے وضو کا پانی اور ضرورت کی

چیزیں حاضر کیں، تو آپ نے فرمایا مانگو! میں نے عرض کیا جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا اور کچھ؟ میں نے عرض کیا کہ بس یہی، آپ نے فرمایا کہ سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو، یعنی کثرت سے نمازیں پڑھا کرو۔ (مسلم شریف)

غور کیجئے تہجد میں خدمت کی بدولت حضرت ربیعہ کو کتنا بڑا مرتبہ حاصل ہوا،

حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت میمونہ **رضی اللہ عنہا** کے حجرے میں تشریف فرما تھے، میں نے تہجد کے لئے وضو کا پانی رکھ دیا، حضرت ام المومنین نے بتایا کہ یا رسول اللہ! یہ پانی آپ کے واسطے عبداللہ بن عباس نے رکھا ہے، آپ نے دعا کی **اللّٰھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل**، اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور علم تاویل بخش! ۔ (الاصابہ)

دیکھا آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** نے تہجد کی نماز کے لئے ہلکی سی مدد کی، تو بارگاہِ نبوت سے کتنی بڑی دعا پائی، اسی دعا کی برکت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** امت کے اتنے زبردست عالم بنے۔

سخت گھڑیوں میں تہجد کا معمول:

غزوۂ بدر کا موقع اسلام اور مسلمانوں کے لئے کتنا سخت تھا، اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ تو رات میں سو رہے تھے، مگر رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے نیچے رات بھر نماز پڑھتے رہے، دعائیں کرتے رہے اور روتے رہے۔ (مسند احمد)

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ بدر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ رات بھر ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے اور بہت الحاح وزاری سے سجدے میں یہ دعا کرتے رہے، **یا حی یا قیّوم**، یہ لفظ بار بار دہراتے تھے، پوری رات گریہ وزاری اور دعا میں گزاری، فرماتے تھے: **أللّٰھم أنشدک عھدک ووعدک أللّٰھم إن شئت لم تعبد**، اے اللہ! میں آپ کو آپ کا عہد یاد دلاتا ہوں، اے اللہ! اگر آپ چاہیں تو آپ کی عبادت نہ ہو۔

آپ نماز پڑھ رہے تھے اور وہیں حضرت ابوبکر صدیق ﷛ بھی نماز میں مشغول تھے۔ آپ ﷺ دعا کر رہے تھے، **أللّٰهم هٰذه قريش قد أتت بخيلاتها وفخرها تجادل وتكذب رسولك أللّٰهم فنصرك الذي وعدتني۔**

اے اللہ! یہ قریش کا گروہ ہے، جو تکبر اور غرور کے ساتھ مقابلہ کے لئے آیا ہے، تجھ سے جھگڑتا ہے، تیرے رسول کو جھٹلاتا ہے، اے اللہ آپ اپنی نصرت نازل فرمائیے، جس کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ فرماتے ہیں کہ جب آپ دعا کر رہے تھے تو آپ کی چادر گر جارہی تھی، حضرت ابوبکر نے اسے اٹھا کر آپ کے کندھے پر ڈال دیا، اور پھر پیچھے سے آپ کو چمٹ گئے، اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! بس اتنی مدد کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔

غزوۂ خندق میں:

مسلم شریف کی روایت ہے حضرت ابراہیم تیمی ؒ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ حضرت حذیفہ ﷛ کے پاس بیٹھے تھے، ایک شخص نے کہا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا ہوتا تو آپ کے ساتھ ہو کر کفار سے خوب جنگ کرتا، حضرت حذیفہ ﷛ نے فرمایا کہ تم ایسا کر بھی پاتے، میں اپنا حال بتاتا ہوں، غزوۂ خندق کی ایک رات تھی، ہوا تیز تھی اور ٹھنڈک بھی شدت پر تھی (اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز میں مشغول تھے، دیر تک نماز پڑھنے کے بعد) آپ نے فرمایا کہ ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جو کفار کا اس وقت پتہ لگائے کہ کس حال میں ہیں، یہ آدمی قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا، سب خاموش رہے، کسی نے جواب نہ دیا، (پھر آپ نماز میں مشغول ہو گئے) دیر کے بعد دوبارہ فرمایا، ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جو کفار کی خبر لائے، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ ہوگا، اس پر بھی کوئی نہ بولا (خوف اور جاڑا تھا بھی اتنا کہ کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا حذیفہ! جاؤ اور کفار کا پتہ لگا کر آؤ، جب آپ نے میرا نام

لیا، تو اب کوئی چارا نہ رہا، آپ نے فرمایا جاؤ صرف پتہ لگاؤ، کوئی نیا کام کر کے نہ آنا، میں جب آپ کے پاس سے چلا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ گویا میں گرم حمام میں چل رہا ہوں، میں نے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنی پیٹھ آگ سے سینک رہا ہے، میں نے کمان میں تیر کو رکھا کہ ماردوں، مگر فوراً آپ کی ہدایت یاد آئی، تو میں باز رہا، پھر میں آپ کے پاس اسی حال میں لوٹا جیسے گرم حمام میں چل رہا ہوں، میں نے آ کر آپ کو ساری بات بتا کر فارغ ہوا تو مجھے ٹھنڈک لگنے لگی، آپ نے اپنے اس کمبل کا ایک حصہ میرے اوپر ڈال دیا جسے اوڑھ کر آپ نماز پڑھ رہے تھے، میں صبح تک سویا رہا، اور آپ نماز میں مشغول رہے، صبح کو آپ نے جگایا اور فرمایا او بہت سونے والے اُٹھ!

خیال کیجئے کیسی سخت گھڑی تھی، ٹھنڈک بھی سخت تھی، ہوا بھی تیز تھی، سارا لشکر تھک کر چور تھا، نیند کا متوالا تھا، ایسی حالت میں اللہ کے رسول ﷺ کی ذات وہ تھی جو پوری رات اپنے رب کے سامنے کھڑے گذار رہے ہیں، **أللّٰھم ارزقنا أتباعه واحشرنا في زمرته یا أرحم الراحمنین۔**

غزوۂ تبوک کی رات:

مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ایک رات آپ نماز میں مشغول تھے، اور حضرات صحابہ آپ کے پاس پہرہ دے رہے تھے، آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: آج کی رات مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملی ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ میں تمام لوگوں کے لئے نبی ہوں اور مجھ سے پہلے انبیاء اپنی قوم میں بھیجے جاتے تھے۔

(۲) دوسرے یہ کہ دشمنوں پر میری مدد رُعب اور دبدبہ سے کی گئی، اگر دشمن مجھ سے ایک ماہ کی مسافت پر ہو تو اس پر میرا رعب مسلط ہو جاتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے، مجھ سے پہلے اس کا

استعمال حرام تھا، اسے جلا دیا جاتا تھا۔

(۴) چوتھے یہ کہ میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک بنادی گئی ہے، جہاں بھی نماز کا وقت ہو تو ضرورت کے وقت تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہوں، مجھ سے پہلے صرف عبادت خانوں میں نماز پڑھی جا سکتی تھی۔

(۵) اور پانچویں چیز جو ہے وہ ہے ہی، مجھ سے کہہ دیا گیا ہے کہ دعا کرو، اور نبیوں سے بھی یہ بات کہی گئی تھی، انھوں نے دعا کر لی تھی اور وہ قبولیت سے بہرہ یاب ہوئی، مگر میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن کے لئے ذخیرہ بنا دیا ہے، یہ دعا تمہارے لئے ہے اور ہر اس شخص کے لئے ہے جو لاالہ الا اللّٰہ کی گواہی دیتا ہو۔

تہجد کی نماز کی برکت ملاحظہ فرمایئے! آپ کے لئے اور ساری امت کیلئے کتنی بڑی دولت نصیب ہوئی۔ **أللّٰھم انفعنا بھٰذہ الصلاۃ وجعلنا قائمین بھا ولا تحرمنا أجرھا وبرکتھا۔**

رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کا تذکرہ ناتمام طور پر بیان ہوا، آئندہ صفحات میں دوسرے انبیاء کرام **علیھم السلام** اور صحابۂ رسول اللہ ﷺ کے تذکرے پڑھیں گے، انشاءاللہ

☆☆☆☆☆

انبیاء کرام علیہم السلام

پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ **علیکم بقیام اللیل فإنه دأب الصالحين قبلكم** (ترمذی شریف) تم اپنے ذمہ تہجد کی نماز کو لازم کرلو، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا شعار رہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے لوگ ہمیشہ تہجد کا اہتمام کرتے رہے ہیں، دنیا میں اللہ کے جتنے خاص بندے ہوئے ہیں، بالخصوص انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انھوں نے ہمیشہ تہجد کی نماز کی پابندی کی ہے، ان حضرات کا شعار ہی یہ رہا ہے کہ رات کو جب تاریکی کا سایہ دراز ہوتا ہے، آوازیں سب نیند میں ڈوب جاتی ہیں، مشاغل کی تگ ودَو مدھم پڑ جاتی ہے، تو اللہ کے یہ خاص الخاص بندے ہر طرف سے یکسو ہوکر اپنے پروردگار کے آستانے پر سر گرتے تھے، کبھی ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، کبھی رکوع میں جھکتے ہیں، کبھی سجدے میں آنسو بہاتے ہیں، اور قربِ الٰہی کا سب سے اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہیں، اقبال نے تو صرف عطار اور رومی کا حوالہ دیا ہے، کہتے ہیں۔

؎

عطّار ہوں رومی ہوں رازی ہوں غزالی ہوں
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی

لیکن اس آہِ سحرگاہی کا سلسلہ ابتدائے انسانیت سے ملتا ہے، آدم علیہ السلام سے محمد ﷺ تک کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہے جس نے آہ سحرگاہی کو ہاتھ سے جانے دیا ہو، انبیاء کرام **علیہم الصلوٰۃ والسلام** کے حالات تفصیلی طور پر معلوم نہیں ہیں، تاہم قرآن وحدیث کے اشارات سے جو کچھ ملتا ہے، اسے پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام

حضرت ادریس علیہ السلام انبیاء سابقین میں ہیں، یہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں، ان کے بارے میں صاحب قیام اللیل محمد بن نصر مروزی نے بنی اسرائیل کے مشہور عالم جو عہد صحابہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت کعب احبار سے ایک روایت نقل کی ہے، ان سے ترجمان القرآن حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے دریافت فرمایا کہ قرآن کریم میں حضرت ادریس علیہ السلام کے تذکرے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ **وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا** (سورہ مریم) ہم نے ان کو اونچی جگہ پر بلندی عطا کی۔

اس بلند مقام کے بارے میں آپ کا علم کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ:

حضرت ادریس علیہ السلام کپڑے سیا کرتے تھے اور اسی سے روزی حاصل کرتے تھے، اپنی آمدنی کا ایک تہائی حصہ صدقہ کر دیتے تھے، وہ راتوں کو سوتے نہیں تھے (یعنی مسلسل تہجد میں مشغول رہتے تھے) اور دن کو افطار نہیں کرتے تھے (یعنی پیہم روزے رکھتے تھے) اور اللہ کے ذکر سے انھیں ذرا بھی سستی نہیں ہوتی تھی، ان کے پاس ایک بار جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، اور پروردگار کی جانب سے بشارت سنائی اور پوچھا کہ آپ کی کوئی ضرورت، کوئی خواہش ہو تو بتائیے؟ فرمایا کہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ میری موت کب ہے؟ جبرئیل امین علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں، پھر وہ انھیں لے کر آسمان پر پہونچ گئے، وہاں حضرت عزرائیل علیہ السلام (ملک الموت) سے ملاقات ہوئی، ان سے جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ ان کی موت کب ہے؟ ملک الموت نے اپنے دفتر میں دیکھا تو صرف چھ یا سات گھنٹے باقی رہ گئے تھے، انھوں نے بتایا کہ مجھے اللہ کی طرف سے حکم ملا ہے کہ ان کی

روح یہیں قبض کروں، چنانچہ وقت مقررہ پر ان کی روح آسمان پر ہی نکالی گئی، یہی وہ بلند جگہ ہے جہاں ادریس علیہ السلام کو پہونچایا گیا۔ (مختصر قیام الیل، ص: ۲۰)

یہ اسرائیلی روایت ہے، اسرائیلی روایات میں جو چیز کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو اسے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج** (بخاری شریف) بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس روایت میں جو خاص بات جس کی بنیاد پر یہ روایت نقل کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت کعب احبار نے فرمایا: **وکان لاینام اللیل**، حضرت ادریس علیہ السلام رات کو سوتے نہ تھے۔

☆☆☆☆☆

حضرت یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام ، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کو ان کی ولادت کی بشارت اسی وقت مل گئی، جب ان کے والد گرامی حضرت اسحاق علیہ السلام کی خوشخبری ملی تھی، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَّرَاءِ إِسْحَاقَ یَعْقُوْبَ**، ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اسحاق کی خوشخبری سنائی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی، حضرت یوسف علیہ السلام انھیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند تھے، ایک طویل عرصہ تک باپ کی نظروں سے اوجھل رہنے کے بعد، جب وہ مصر میں دریافت ہوئے ہیں اور ان کے بھائیوں کا معاملہ کھل گیا ہے تو بھائیوں نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا: **قَالُوْا یَاأَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِیْنَ** اے ہمارے ابا! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی معافی چاہیے، بلاشبہ ہم خطا کار تھے، اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: **قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ** ۔ میں کچھ دیر کے بعد تمہارے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا، بے شک وہ غفور رحیم ہے۔

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام نے فوراً استغفار نہیں کیا بلکہ کچھ دیر کے بعد کا وعدہ فرمایا، حضرات مفسرین نے اس کی جو وجہیں بتائی ہیں، ان میں ایک وجہ یہ ہے کہ ان کا ارادہ رات کے آخری حصہ میں استغفار کرنے کا ہوا تھا، کہ وہ وقت خاص قبولیت اور مقبولیت کا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر، صاحب شریعت نبی ہیں، توریت مقدس آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مررت لیلة إسریٰ بی علیٰ موسیٰ قائماً یصلی فی قبرہ (مسلم شریف) جس رات مجھ کو معراج ہوئی، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

غور فرمایئے، پیغمبر کو نماز بالخصوص رات کی نماز سے کس قدر شغف تھا کہ دنیا سے گزر جانے کے بعد بھی انھیں نماز پڑھنے کی اجازت مل گئی ہے، یہ نماز جو حضرت موسیٰ علیہ السلام ادا فرمارہے ہیں، دنیا کے فرائض میں نہ تھی بلکہ آخرت کی نعمتوں میں سے تھی، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رات کی نماز سے کتنا گہرا تعلق تھا۔

☆☆☆☆☆

حضرت داؤد علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء کے درمیان اس لحاظ سے خاص امتیازی شان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت کے ساتھ بادشاہی جاہ وجلال بھی نصیب فرمایا تھا، ملکی انتظامات، جہادی مہمات، لوگوں کے مقدمات کی مشغولیت، انھیں ہمہ وقت گھیرے رہتی تھی، مگر اسکے باوجود انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ذرا بھی غفلت نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انکے حق میں گواہی دی ہے کہ **كان داؤد أعبد البشر**، داؤد علیہ السلام سب سے بڑے عبادت گزار شخص تھے، ان کی نماز معیار ہے، ان کا روزہ معیار ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز اور ان کے روزے کا ذکر متعدد بار فرمایا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: **أحب الصلوٰة إلى الله صلاة داؤد، و أحب الصيام إلى الله صيام داؤد، كان ينام نصف الليل ويقوم ثلثه وينام سدسه ويصوم يوماً ويفطر يوماً** (بخاری شریف) اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے، اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ ان کا طریقہ یہ تھا کہ آدھی رات تک سوتے تھے، پھر ایک تہائی حصہ رات میں نماز پڑھتے تھے، پھر چھٹا حصہ رات کا سوتے تھے، اور ایک دن روزہ رکھتے تھے، اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

یہ معیاری تہجد ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند کیا ہے، اور اس کی شہادت جناب رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا

بقیہ اگلے صفحہ پر

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام تھے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : **وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ**، ہم نے داؤد کو (ایک بیٹا) سلیمان عطا کیا، وہ اچھا بندہ تھا، وہ (ہماری طرف) رجوع ہونے والا تھا، یہ بھی اپنے والد گرامی کے نقش قدم پر تھے، ان کا ایک قول امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: **عجباً لتاجر کیف یخلص یحلف بالنهار وینام باللیل**، حیرت ہے، وہ تاجر جو دن میں قسمیں کھاتا ہے، اور رات میں سوتا ہے، وہ کیسے نجات پائے گا، حضرت کے اس قول سے معلوم ہوا کہ رات میں جاگنا باعث نجات ہوتا ہے، اور رات بھر سوتے رہنا کوئی اچھی چیز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی والدۂ مکرمہ نے انھیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! رات میں زیادہ نہ سوؤ، رات میں زیادہ سونا آدمی کو قیامت کے دن فقیر بنا کر چھوڑے گا۔ (ابن ماجہ وبیہقی)

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ گذشتہ کا

کہ رات کا کون سا حصہ افضل ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے معلوم تو نہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ صبح کے وقت عرشِ الٰہی میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔

داؤد علیہ السلام نے اپنے گھر میں ایسا نظام الاوقات بنا رکھا تھا کہ چوبیس گھنٹے میں ہر وقت گھر کا کوئی نہ کوئی فرد عبادت میں ضرور مشغول رہتا تھا اور وہ رات کے آخری ثلث میں مشغول عبادت رہتے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

حضرت یحییٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ برگزیدہ بندے ہیں جن کی ولادت کی بشارت حضرت زکریا علیہ السلام کو عبادت کے خلوت خانہ میں اس وقت ملی، جب کہ وہ بوڑھے اور ضعیف ہو چکے تھے، بشارت سن کر انھیں تعجب ہوا تھا کہ: رَبِّ أَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّکَانَتِ امْرَأَتِیْ عَاقِراً وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیّاً، (سورہ مریم) اے میرے پروردگار! میرے لڑکا کہاں سے ہوگا جبکہ میری بیوی پہلے سے بانجھ تھی اور میں بھی انتہائی بڑھاپے کو پہونچ گیا ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئاً، ایسا ہی ہوگا تمہارے رب نے فرمایا کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے تم کو پیدا کیا تھا جبکہ تم پہلے کچھ تھے ہی نہیں، پھر جب وہ پیدا ہوئے تو فرمایا: یٰحَیٰی خُذِالْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَّآتَیْنَاہُ الْحُکْمَ صَبِیّاً وَّحَنَاناً مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکوٰۃً وَّکَانَ تَقِیّاً وَّبَرّاً بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّاراً عَصِیّاً وَّسَلَامٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیّاً (سورہ مریم) اے یحییٰ! کتاب کو قوت سے پکڑو اور ہم نے اسے بچپن میں ہی پختہ شعور بخشا تھا اور اپنے عطیہ خاص سے محبت وشفقت اور پاکیزگی عنایت کی تھی، اور صاحب تقویٰ تھا، اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا باوفا تھا اور سرکش گنہگار نہ تھا اور اس پر سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن اس کی موت ہوگی اور جس دن وہ دوبارہ زندہ ہوگا۔

اس جلیل القدر پیغمبر کے متعلق قیام اللیل میں وہب بن الورد سے ایک روایت منقول ہے کہ ایک روز حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس ابلیس آیا اور کہا کہ میں تمہیں نصیحت کرنا

چاہتا ہوں، فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، تم میرے خیر خواہ نہیں ہو سکتے لیکن یہ بتاؤ کہ بنی آدم کا کیا حال ہے؟ اس نے بتایا کہ آدم کی اولاد ہمارے لحاظ سے تین طرح کی ہے، ایک قسم تو وہ ہے جو ہم پر بہت بھاری پڑتی ہے، ہم انھیں محنت وکاوش کر کے گناہ میں مبتلا کرتے ہیں، مگر وہ جلد ہی توبہ واستغفار کر کے ہماری محنت بیکار کر دیتے ہیں، پھر ہم دوبارہ محنت کرتے ہیں، مگر وہ پھر اس محنت پر پانی پھیر دیتے ہیں تو ہم نہ ان سے مایوس ہوتے ہیں اور نہ ان پر کامیاب ہوتے ہیں، دوسری قسم وہ ہے جو ہمارے ہاتھ میں ایسی ہے، جیسے بچوں کے ہاتھ مین گیند ہوتی ہے، جیسے ہم چاہتے ہیں ان کو استعمال کرتے ہیں، تیسری قسم وہ ہے جو آپ جیسے معصوم ہیں، ہمارا ان پر ذرا بھی قابو نہیں ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ کیا میرے اوپر بھی کبھی تمہیں موقع ملا ہے، اس نے کہا نہیں، ہاں ایک مرتبہ کچھ موقع مل گیا تھا، وہ یہ کہ آپ کے سامنے کھانا لایا گیا میں برابر آپ کے اندر اس کی خواہش پیدا کرتا رہا یہاں تک کہ آپ نے روز کے معمول سے زیادہ کھایا، اور اس رات کو آپ سو گئے، اور روزانہ کی طرح عبادت نہ کر سکے، حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹھیک بتایا، اب مرنے تک پیٹ بھر کھانا نہ کھاؤں گا، اس نے کہا کہ اچھا تو میں تمہارے بعد کسی کی خیر خواہی بھی نہ کروں گا۔

حضرت! ایک رات سو گئے تو قسم کھالی کہ پیٹ بھر کھانا نہ کھائیں گے، تا کہ رات کی نماز میں سستی نہ ہو، اور ہمارا کیا حال ہے؟ ذرا ہماری ڈکاروں اور بستروں سے پوچھئے۔

☆☆☆☆☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں، ان کی جلالت شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے واسطے سے انھیں پیدا کیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مسلسل ان کی مدد پر لگائے رکھا، مردوں کو ان کے ہاتھ پر زندہ کیا، مریضوں کو ان کے ذریعہ اچھا کیا اور آخر میں زندہ آسمان پر اٹھالیا، اور قرب قیامت میں دوبارہ دنیا میں انھیں اتاریں گے، اور دجال اکبر کو ان کے ہاتھوں جہنم رسید کریں گے، وہ فرماتے ہیں کہ:

> یہ رات اور یہ دن مال کے گودام ہیں، بس دیکھو کہ ان دونوں میں کیا رکھتے ہو، اور فرمایا کہ رات میں وہ کام کرو جس کیلئے وہ پیدا کی گئی ہے، اور دن میں وہ کام کرو جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے روزے کے متعلق پوچھا، تو فرمایا کہ اگر چاہو تو میں تمہیں حضرت عیسیٰ بن مریم کے روزوں کا حال بتاؤں! وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، جَو کھاتے اور بالوں کا لباس پہنتے، جو مل جاتا اسے کھالیتے جو کچھ نہ ملتا اسے تلاش نہ کرتے، ان کا کوئی بیٹا نہ تھا جو مرتا، نہ کوئی گھر تھا جو برباد ہوتا، جہاں رات آتی، قدم جما کر کھڑے ہوجاتے، اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ (البدایہ والنہایہ)

ہزار ہا درود وسلام ہو انبیاء کرام اور رسولانِ عظام کے اس مقدس گروہ پر جو کائنات میں انسانیت کے سب سے بڑے محسن ہیں، جنھوں نے پروردگار کی عبادت سب سے بڑھ کر کی جو اس عالم میں روشنی کے مینار ہیں، جن سے دنیا کی اندھیریوں میں ہدایت کی گم شدہ راہ ملتی ہے، انھوں نے راتوں کو زندہ کیا اور خود زندۂ جاوید ہوئے، یہ قیامت کے دن بھی جب ساری کائنات اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوگی، انسانیت کے رہبر و رہنما ہوں گے۔

اے اللہ ہم عاجزوں اور گنہگاروں کو ان کے نقش قدم پر چلاتے رہئے۔

آمین یارب العلمین

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

زبان خواہ کتنی ہی فصیح ہو، قلم چاہے جتنا اچھا لکھتا ہو، بیان پر قدرت چاہے جتنی ہو، تعبیرات خواہ کتنی ہی خوبصورت ڈھلتی چلی جائیں، لیکن کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا حق ادا ہو سکتا ہے، جنھوں نے اپنے خون سے داستان وفا تحریر کی ہے، جو اشارۂ نبوت پا کر اپنی ہر خواہش کو قربان کر دیا کرتے تھے، جو کبھی بت پرست تھے، مگر جب ہدایت کا نور ان کے قلوب پر چمکا تو خدا کی عبادت میں انھوں نے وہ اخلاص پیدا کیا کہ خود پروردگار نے ان کو رضا مندی کا پروانہ بخشا، ان سے اللہ خوش ہے، وہ اللہ سے راضی ہیں، میدان جہاد میں ان کی گردنیں کٹ رہی ہیں، خاک وخون میں تڑپ رہے ہیں، زخموں سے بدن چور ہیں، مگر اپنے پروردگار سے دل وجان سے راضی ہیں، اور اس کی حمد وثناء کر رہے ہیں، بھوک شدید ہے، فاقے پر فاقے ہو رہے ہیں، بچوں تک کے منہ میں دانہ نہیں جا رہا ہے، شدتیں وہ ہیں کہ چٹانوں کا جگر شق ہو جائے، لیکن دل پر ناگواری کی کوئی پرچھائیں نہیں ہے۔ راتوں کی نیند حرام ہو رہی ہے، جاگنا اور روز جاگتے رہنا، ایسا نہیں کہ انھیں نیند نہیں آتی ہے، مگر وہ اس سے لڑتے ہیں تا کہ اپنے رب کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو سکیں، پھر کھڑے ہیں اور رات رات بھر کھڑے ہیں، سجدے میں گرے، تو پیشانی خاک آلود ہے، ناک رگڑ رہے ہیں، رکوع میں جھکے ہیں، کسی ڈھب سے تو پروردگار راضی ہو جائے، وہ ملاحظہ تو فرمالیں کہ بندہ غافل نہیں ہے، سامنے حاضر ہے، یہ سب مشقتیں جھیل رہے ہیں، بدن تھک جاتا ہے، سر بوجھل ہو جاتا ہے، پاؤں سوج جاتے ہیں، مگر جوش عبادت بڑھتا ہی جاتا ہے، طبیعت پر گرانی کا کیا گزر؟ معذرت کر رہے ہیں کہ حق ادا نہ ہوا، استغفار جاری ہے، راتیں ان کی نمازوں کی امین ہیں، صبح کی گھڑیاں ان کے استغفار ومناجات کی گواہ ہیں، ان کا دل ہے کہ

شفاف آئینہ ہے، ریشم جیسا ملائم ہے، مضبوطی میں فولاد ہے، نرمی میں حریر و پرنیاں ہے، بھلا ان بزرگوں کا حق الفاظ میں کیا ادا ہوگا، ان کا حق ان سے کمتر درجہ کے انسانوں سے کیا ادا ہوگا، ان کے حسن عمل، جمال سیرت اور کمال وفا کی داد تو خود پروردگار نے دی ہے، اور ایک نہیں متعدد جگہ دی ہے، سنئے یہ شہادت ناقابل تردید ہے، سورہ توبہ میں فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ (سورہ توبہ: ۱۰۰)

وہ لوگ جو ابتداءً سبقت کرنے والے ہیں، یعنی مہاجرین وانصار اور وہ لوگ جنھوں نے اچھے طریقے پر ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔

سورہ توبہ ہی کے ایک اور مقام پر کلام ربّانی ہے:

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ: لاریب کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پر اور مہاجرین وانصار پر رحمت کی نظر فرمائی، جنھوں نے مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا جبکہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل قریب تھا کہ (سخت حالات کے باعث) منحرف ہوجائیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان پر بہت مہربان اور رحم وکرم کرنے والا ہے۔ (آیت: ۱۱۷)

حالات کی سنگینی کا فطری ردِعمل یہی ہوتا ہے کہ ہمتیں چھوٹنے لگتی ہیں، لیکن ایمان کی مضبوطی ہمتوں کو جمادیتی ہے جیسے سخت لو اور تپش کے زمانہ کا روزہ کہ پیاس سے بے اختیار حلق میں کانٹے پڑ جاتے ہیں، اس وقت ٹھنڈا پانی سامنے آجاتا ہے، تو طبیعت بے اختیار اس پانی کی طرف مائل ہوتی ہے، مگر ایمان کی طاقت اسے منہ تک لے جانے سے

روک دیتی ہے، ایسے ہی حالات کی سختی بے اختیار ہمتوں کو پست کرنا چاہتی ہے، مگر وفاداریٔ ایمان اسے پھر بلند کر دیتی ہے، یہ وہ وقت تھا جبکہ مسلسل جنگوں نے، دشمنوں کے حملوں کے تسلسل نے، اور ایک کے بعد ایک متواتر یورشوں نے مسلمانوں کو دنیوی کاروبار اور فکر معاش کی طرف رُخ کرنے کی مہلت سرے سے دی ہی نہیں، اسی دوران خبر آئی کہ روم کا بادشاہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے لشکر جمع کر رہا ہے، مدینہ میں معاش کا انحصار کھجوروں کے باغ پر ہے، گرمی جب اپنے نقطۂ عروج پر آتی ہے، تو کھجوروں میں رَس پڑتا ہے، اور وہ پکتی ہیں، یہی موسم تھا، تنگی اور بدحالی کا دور تھا ہی، کھجوریں پک رہی تھیں، گرمی اپنے شباب پر تھی، تھوڑے دنوں کے بعد کچھ وسعت کے آثار دکھائی دے رہے تھے، کہ حکم ہوا کہ ایک جنگی سفر کے لئے تیار ہو جاؤ، طویل سفر، مشقت کا سفر، اس حال میں سفر کے لئے تیار ہو جانا بڑے جگر کا کام تھا، سخت امتحان تھا، لیکن صحابۂ کرام اس امتحان میں نہ صرف پورے اترے، بلکہ تاریخ وفا کا روشن ترین باب صفحۂ عالم پر ثبت کر گئے۔

اور سنئے! اللہ تعالیٰ نے ان کے قلب کا اور جسم کا کیا حال بیان کیا ہے، صحابۂ کرام نے اپنے جسم و جان اور اپنے جذبۂ عبادت کا نذرانہ پیش کیا تو رحمٰن و رحیم نے اس کی کتنی قدر افزائی فرمائی، ارشاد ہے: **اَللّٰہُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھاً مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَاءُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ.** (سورہ زمر: ۲۳) اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا، ایسی کتاب جس کی آیات باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، بار بار پڑھی جانے والی، جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کی یاد پر جھک پڑتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے، جسے چاہتا ہے، اس واسطے سے راستہ دکھاتا ہے، اور جس کو اللہ گمرہی میں چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اس آیت کے مصداقِ اوّل حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے،

خدا تعالیٰ جب خود ان کے جسم و جان کا حال بیان کرتے ہیں، تو اب ان کے کمال منقبت میں کیا تردد ہوسکتا ہے۔

ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیے:

﴿إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيَاتِنَا الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّداً وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّ طَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

(الم سجدہ : ۱۵/۱۶/۱۷)

ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ ان کو جب ان باتوں سے سمجھایا جاتا ہے، تو وہ سجدے میں گر جاتے ہیں اور پاک ذات کو یاد کرتے ہیں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے، ان کے پہلو خواب گاہوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے رب کو خوف اور لالچ سے پکارتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان کے واسطے ان کے اعمال کے صلے میں آنکھوں کی ٹھنڈک کے کیا کیا سامان پوشیدہ ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والے، جو آپ کے براہ راست تلامذہ ہیں، اللہ نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر کر کے، انھیں زندۂ جاوید بنا دیا، ان کے فضائل ومناقب رہتی دنیا تک دہرائے جائیں گے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کے اجمالاً اور تفصیلاً جو فضائل ومناقب ارشاد فرمائے ہیں، ان کا تو احاطہ کرنا بھی مشکل ہے۔ حدیث کی تمام کتابوں میں ان حضرات کے فضائل ومناقب کے لئے مستقل ابواب ہیں، ہم یہاں بخاری شریف کی صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ ایک لشکر جہاد کے لئے نکلے گا، لوگ آپس میں کہیں گے کہ تم میں کوئی

صحابیٔ رسول ہے؟ معلوم ہوگا کہ ہاں ہیں، ان کی برکت سے فتح ہوگی، پھر دوسرا دور آئے گا، لوگ تلاش کریں گے کہ تم میں اصحاب رسول اللہ ﷺ کا کوئی صحبت یافتہ (یعنی تابعی) ہے، معلوم ہوگا کہ ہاں ہیں، پھر ان کی برکت سے فتح حاصل ہوگی، پھر تیسرا دور آئے گا، اور جہاد میں تلاش ہوگی کہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کے صحبت یافتوں کا کوئی شاگرد ہے، معلوم ہوگا کہ ہاں ہیں، پھر ان کی برکت سے فتح حاصل ہوگی'' (کتاب المناقب)

نبی کی صحبت کی تاثیر دیکھئے، صحابۂ کرام میں اس کا اثر کتنا قوی ہے کہ اس کی برکت دور دور تک پھیلی ہوئی ہے، اس سے حضراتِ صحابہ کی عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ ﷺ کا تعارف اس طرح کرایا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی، تو محمد ﷺ کے قلب کو سب سے بہتر پایا، تو آپ کو اپنی ذات کے لئے انتخاب فرمالیا، اور رسول بنا کر بھیجا، اس کے بعد اپنے اور بندوں کے قلوب پر نظر فرمائی، تو صحابہ کے قلوب کو سب سے بہتر پایا، تو انھیں اپنی نبی کا وزیر بنایا۔ (حلیۃ الاولیاء)

اب ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول نقل کرتے ہیں جس میں انھوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہت جامع اور بلیغ تعارف کرایا ہے، اور انھیں حق ہے کہ وہ صحابہ کا تعارف کرائیں۔ وہ فرماتے ہیں:

اولٰئک أصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم كانوا أفضل هٰذه الامة أبرها قلوباً وأعمقها علماً وأقلها تكلفاً إختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علىٰ آثارهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم

یہ محمد ﷺ کے اصحاب ہیں، اس امت میں سب سے افضل، قلب کے اعتبار سے سب سے نیک، علم کے لحاظ سے سب سے گہرے، تکلف میں سب سے کم، اللہ نے ان کو اپنے نبی کی صحبت کے لئے، اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چنا تھا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو، اور ان کے نقوش قدم پر ان کی پیروی کرو، اور جتنا تم سے ہو سکے،

ان کے اخلاق اوران کی سیرت کو مضبوطی سے پکڑو، کیونکہ وہ سب حضرات سیدھی ہدایت پر تھے۔ (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

قلب کی نیکی، علم کی گہرائی، تکلف سے احتراز، اللہ کا انتخاب، نبی ﷺ کی صحبت وتلمذ، اور دین کو قائم کرنے کی جدوجہد، صحابۂ کرام کی زندگی کے وہ روشن عنوانات ہیں، جن سے وہ دور جگمگا رہا تھا۔

قلب کی نیکی کا تو وہ حال تھا کہ خود حق تعالیٰ نے شہادت دی کہ ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ آپس میں ایک دوسرے پر رحم وکرم کا جذبہ رکھنا، قلب کی سب سے بڑی نیکی ہے، ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْماً﴾ (سورۃ الفتح:٢٦) اور لگائے رکھا ان کو تقویٰ کی بات پر، اور وہی اسکے مستحق اور اہل تھے، اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

سورہ حجرات میں حق تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ عَظِيْمٌ (آیت:٣)

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، یہ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کے واسطے جانچ لیا ہے، ان کے واسطے معافی ہے، اور بڑا ثواب ہے۔

یہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے کلمۂ تقویٰ پر لگائے رکھا، اور وہی اس کے اہل تھے، جس کی خبر اللہ نے اپنے علم سے دی ہے، جو نبی ﷺ کے سامنے اپنی آواز پست رکھتے تھے، کیونکہ انھیں اللہ کا حکم تھا کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (سورہ حجرات:٢) اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز کے اوپر بلند نہ کرو، اور نہ ان سے تڑخ کر بولو، جیسے ایک دوسرے سے تڑخ کر بولتے ہو، کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو،

تو یہ آوازیں نبی کے سامنے پست رکھنے والے، جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ اور ادب کی تخم ریزی کے لئے پرکھ لیا ہے، اور مانجھ کر خالص تقویٰ وطہارت کے واسطے تیار کردیا ہے، کون لوگ ہیں؟ جن کا اتنے اہتمام سے رب تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے، ایک ہی جواب ہے کہ یہ حضراتِ صحابۂ کرام ہیں۔ (رضوان اللہ علیہم)

تو پھر ان سے بڑھ کر نیکی کس کی ہوگی، اور واقعاتی دنیا میں اس کی شہادت تلاش کیجئے تو حدوشمار سے زائد شہادتیں ہیں۔

اور علم کی گہرائی وگیرائی کا حال چودہ صدیوں کی علم دین کی پوری تاریخ بیان کررہی ہے، دینی علوم کا منبع کون سی جماعت ہے، کائناتِ انسانی کے سب سے بڑے عالم (ﷺ) کے تلامذہ سے زیادہ کس کا علم ہوگا۔ علم کا سرچشمہ صحابۂ کرام ہی کی جماعت ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ سے علم ومعرفت کی دولت حاصل کی اور ساری دنیا میں اسے پھیلا دیا۔ امت کا بڑے سے بڑا عالم ہو، اس کے علم کا رشتہ صحابۂ کرام ہی کے واسطے سے صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہونچتا ہے، تمامتر دین اور دینی علم صحابہ ہی کے واسطے سے امت تک منتقل ہوا ہے، یہ اساتذۂ امت ہیں، اور ایسے اساتذہ ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ہے۔

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے دورِ خلافت میں ایک روز فجر کی نماز سے فارغ ہوکر داہنی سمت رُخ کرکے بیٹھ گئے، آپ کے چہرے پر رنج وغم کے آثار ہویدا تھے، جب دھوپ مسجد کی دیوار پر ایک نیزہ کے بقدر آگئی، تو اپنے ہاتھ کو پلٹ کر فرمایا کہ واللہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے، میں نہیں دیکھتا کہ تم میں سے کوئی ان کے مشابہ ہے، ان کی صبح اس حال میں ہوتی تھی کہ ان کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہوتے، چہروں پر زردی ہوتی، ان کی پیشانی پر بکری کے گھٹنے کے مثل سجدے کا نشان ہوتا، رات انھوں نے اس حال میں گزاری ہوتی ہے کہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کررہے ہیں، کبھی قدموں پر کھڑے ہیں، کبھی سجدے میں گرے ہوئے ہیں، جب صبح ہوتی اور اللہ کا ذکر

کرتے تو اس طرح ہلتے جیسے تیز ہوا میں درخت ہلتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہتے کہ کپڑے بھیگ جاتے، ان کے سامنے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج کے لوگ رات بھر غافل پڑے رہے۔ اس ارشاد کے بعد وفات تک نہیں دیکھا گیا کہ آپ کبھی ہنسے ہوں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۷)

صحابۂ کرام سب کے سب تہجد گزار، قرآن کی تلاوت کرنے والے، حق تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کرنے والے، تہجد اور عبادت میں سب ایک طرح تھے، ان کی عبادت اور خشیت اور ان کے ورع وتقویٰ کے سامنے بعد والوں کی عبادتیں، عبادت نہیں کھیل معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کی تہجد گزاری کا جو منظر دیکھا، اس سے وہ بے حد متاثر ہوئیں، صبح کو اپنے شوہر ابوسفیان سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ محمد (ﷺ) سے بیعت ہو جاؤں، ابوسفیان نے کہا، تم تو ہمیشہ ان کا انکار کرتی رہی ہو، بولیں ہاں! بات تو یہی ہے، لیکن آج کی رات میں نے مسجد میں اللہ کی ایسی عبادت دیکھی ہے کہ اس طرح کی عبادت آج کی رات سے پہلے کبھی نہیں ہوئی ہے، آج تو ساری رات مسلمانوں نے نماز پڑھنے میں گزار دی ہے، کوئی کھڑا تھا، کوئی رکوع میں تھا، کوئی سجدہ میں تھا۔ (حیاۃ الصحابہ، اردو، ج:۱، ص:۲۷۰)

یہ وہ خاتون ہے جس نے اسلام کی مخالفت میں اور نبی کریم ﷺ کی ایذا رسانی میں کسر نہ چھوڑی تھی، لیکن اسی خاتون نے مسجد حرام میں جب تہجد کی نماز کا روح پرور منظر دیکھا تو وہی دل جو پتھر تھا موم بن گیا، اب وہ بے قرار ہے کہ خدا کی بندگی کے اسی حلقے میں داخل ہو جائے جس کا اس نے دلآویز منظر دیکھا تھا، اور بالآخر تمام سختیوں اور مخالفتوں سے برکنار ہو کر نبی کے قدموں پر نثار ہو کر رہی۔

دشمن کی گواہی:

یہ تو گھر والوں کی شہادت ہے، اب ذرا ان کی بھی گواہی سنئے جو اول سے آخر تک

صحابۂ کرام کے دشمن تھے، جنھوں نے دین اسلام کو مانا نہ نبی ﷺ سے محبت کی اور نہ صحابۂ کرام کو تسلیم کیا، دیکھئے امام طبری اپنی تاریخ میں نقل کرتے ہیں کہ جنگ یرموک کے موقع پر لشکر کفار کے سردار نے مسلمانوں کے لشکر میں ایک جاسوس بھیجا، جو ان کی خبر لائے، واپسی میں اس نے خبر دریافت کی، جاسوس نے بتایا کہ:

باللیل رہبان وبالنہار فرسان

رات میں راہب (عبادت گزار) اور دن میں شہ سوار ہیں

اور یہ گواہی تنہا ایک جاسوس کی نہیں ہے، تاریخ کے صفحات میں بہت سے دشمنوں کے منہ سے یہ یا اس کے مترادف جملے ادا ہوئے ہیں، کتنی سچی بات فرمائی ہے امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے، انھوں نے حیات لمبی پائی، ان کے معاصرین بیشتر ان کے سامنے دنیا سے رُخصت ہو گئے، انھیں یاد کر کے وہ رویا کرتے تھے اور ان کی تعریفیں کرتے تھے، ایک رات انھوں نے ستاروں کو دیکھا تو اپنے ہمراہی سے فرمایا:

طوبیٰ للزاھدین فی الدنیا والراغبین فی الآخرۃ، اولٰئک قوم اتخذوا الارض بساطاً وترابھا فراشاً وماء ھا طیباً والقرآن والدعاء دثاراً وشعاراً (حلیۃ الاولیاء ج:۲، ص:۵۳) خوشحالی ہو ان لوگوں کے لئے جو دنیا سے بے رغبت اور آخرت کے شیدا ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے زمین کو بستر قرار دیا، اور اس کی مٹی کو فرش سمجھا اور اس کے پانی کو اپنی لذت بنایا، اور قرآن ودعاء کو اپنا لباس بنایا۔

نعم ضحکت الآخرۃ لھم وبکت الدنیا علیھم وشغلوا بالتھجد والقرآن فرضوان اللہ علیھم أجمعین (رہبان اللیل، ج:۲، ص:۳۱۲)

جی ہاں! آخرت ان کے لئے مسکرائی اور دنیا ان کے چلے جانے پر روئی، اور یہ تہجد اور قرآن میں مشغول رہے، ان سب حضرات پر اللہ کی رضا مندی ہو۔

یہاں تک حضراتِ صحابہ کے تہجد کا اجمالاً تذکرہ ہوا، اگلے صفحات میں خاص خاص حضرات کا ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ

خلیفۂ رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اس امت کے پہلے مردِ مومن جنھوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے رسول ﷺ کے قدموں پر نثار کر دیا، جو اپنے احوال ومقامات کے لحاظ سے آفتابِ نبوت کے لئے بمنزلۂ آئینہ کے تھے، جو کچھ سینۂ نبوت میں عرشِ الٰہی سے اترتا تھا، سینۂ صدیق اس کو قبول کرنے کے لئے کھلا رہتا تھا، وہ صدیق تھے، ٹھیک نبی کریم ﷺ کے نقش قدم پر تھے، وہ وہی سوچتے تھے جو قلب نبوت پر وارد ہوتا تھا، انھوں نے بارگاہِ نبوت میں وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ ہر ایک کی زبان پر نبی کریم ﷺ کے بعد انھیں کا نام آتا تھا، خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لیا ہے۔ ایک خاتون حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور آپ سے عرض کیا، آپ نے ان کو کسی بات کا حکم دیا، کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ! اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو کس کے پاس جاؤں؟ فرمایا کہ اگر مجھے نہ پاؤ تو ابوبکر کے پاس جاؤ۔

(تاریخ الاسلام للذہبی، ج:۱، ص:۳۸۵)

وہ عبادات میں بھی اور عادات میں بھی ہو بہو رسول اللہ ﷺ کے مثنیٰ تھے، اللہ نے انھیں ’’صدیق‘‘ کا لقب عنایت فرمایا، تہجد کی نماز کا ان سے زیادہ پابند کون ہوگا، وہ تہجد میں قرآن پڑھتے تھے اور بہت روتے تھے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب باہر نکلے، آپ نے پایا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت آہستہ آواز سے تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، تو وہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھ رہے تھے، صبح کو دونوں حضرت ﷺ کی خدمت میں اکٹھے ہوئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر میں

تمہارے پاس سے گزرا، تم پست آواز سے نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے عرض کیا جس سے میں سرگوشی کررہا تھا وہ سن رہا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں تمہارے پاس سے بھی گزرا تھا، تمہاری آواز بلند تھی، عرض کیا یا رسول اللہ! میں سوتوں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! اپنی آواز قدرے بلند کرو، اور حضرت عمرؓ سے فرمایا تم اپنی آواز تھوڑی پست کرو۔ (ابوداؤد)

☆☆☆☆☆

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو چکا ہوتا تو عمر نبی ہوتے، یہ گواہی زبانِ نبوت نے دی ہے۔ عمر وہ ہیں جن کے قلب اور زبان پر اللہ نے حق کا فیضان فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو رکھ دیا ہے۔

(تاریخ الاسلام للذھبی، ج:۱، ص:۵۳)

عمر کی شان یہ ہے کہ بارہا عرشِ الٰہی سے ان کی موافقت کا نزول ہوا ہے، شیطان ان کی صورت سے بھاگتا تھا، جس راہ پر عمر چل دیں، شیطان کی ہمت نہ تھی کہ اس راہ پر چلے۔

ان کی تہجد کا حال سنئے: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن ابوالعاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی کسی بیوی سے نکاح کیا، اور ان سے فرمایا کہ میں نے تم سے اس لئے نکاح نہیں کیا ہے کہ مجھے مال یا اولاد حاصل ہو، میں تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز کا کیا حال تھا؟ انھوں نے بتایا کہ امیر المومنین جب عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آتے تو اپنے سراہنے پانی کا ایک برتن رکھوا لیتے، رات میں کسی وقت آنکھ کھلتی تو ہاتھ میں پانی لے کر چہرے پر ملتے پھر اللہ کا ذکر کرتے، ذکر کرتے کرتے پھر اونگھ آجاتی، پھر آنکھ کھلتی اسی طرح کرتے، یہاں تک کہ وہ وقت آجاتا جس وقت نمازِ تہجد کا معمول تھا۔ (مجمع الزوائد، ج:۹، ص:۷۴) سبحان اللہ! ذکرِ الٰہی کی کیا دھن تھی، آنکھ کھلی ہے تو سونے کی فکر نہیں، آنکھوں پر اور چہرے پر پانی کی تری پہونچا کر جاگنے کی کوشش کرتے، اور ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ پھر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے، مگر کیسا غلبہ کہ پھر آنکھ کھل جاتی ہے، پھر وہی پانی والا عمل اور ذکرِ الٰہی کی

مشغولیت، رات اسی طرح گزرتی رہتی، یہاں تک کہ بستر چھوڑ کر نماز میں کھڑے ہونے کا وقت آجاتا۔

اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خیال اور نظریہ ملاحظہ ہو، صاحب رہبان اللیل نے امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد سے نقل کیا ہے کہ ایک روز حضرت معاویہ بن خدیج رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت حضرت امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کا خیال تھا کہ امیر المومنین اسوقت سو رہے ہوں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے غلط گمان کیا، تم سوچو! اگر میں دن میں سوؤں تو رعیت کی بربادی ہے، اور اگر رات میں سوؤں تو میری اپنی بربادی ہے، تم سوچو اے معاویہ! کہ ان دونوں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے سونے کی کوئی گنجائش ہے، اللہ اکبر! کتنا پاکیزہ خیال تھا، اور کتنا بلند مجاہدہ تھا، وہ بیٹھے بیٹھے نیند کی جھپکی لیتے تھے، اور اکثر تو ایسا بھی ہوتا کہ عشاء کی نماز پڑھائی اور گھر میں جا کر نوافل میں لگ گئے اور کتنی دیر تک؟ صاحب رہبان اللیل نے حافظ ابن کثیر کی شہادت نقل کی ہے کہ فجر تک نماز میں ہی مشغول رہتے تھے۔ (ج:۱ص:۴۱۳) اور حلیۃ الاولیاء کے حوالے سے انھوں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں عمر کا پڑوسی تھا، میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر آدمی نہیں دیکھا، ان کی رات نماز تھی، ان کا دن روزہ تھا، اور لوگوں کی حاجات پورا کرنے میں گزرتا تھا۔

اور مدارج السالکین ص:۲۸۱ م ج:۲، میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تین باتیں نہ ہوتیں تو میں زندگی کو پسند نہ کرتا، ایک تو اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے سامان کی تیاری کرنا، دوسرے راتوں میں مجاہدہ کرنا، تیسرے ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا جو عمدہ اور پاکیزہ کلام کو اس طرح چنتے ہیں جس طرح عمدہ پھل چنے جاتے ہیں۔ (رہبان اللیل ج:۱ص:۳۱۴)

رات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل اپنے ساتھ اور اپنے گھر والوں کے ساتھ کیا تھا۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں زید بن اسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رات میں حضرت

امیر المومنین نماز میں مشغول رہتے تھے، جب رات کا آخری حصہ آتا تو گھر والوں کو جگاتے، اور فرماتے کہ نماز پڑھو، اس کے بعد یہ آیت پڑھتے: وَاْمُرْ أَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا لَانَسْأَلُکَ رِزْقاً نَحْنُ نَرْزُقُکَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلتَّقْوٰی، اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو، اور اس پر جمے رہو، ہم تم سے رزق کمانے کا مطالبہ نہیں کرتے، ہم تم کو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام تو تقویٰ ہی کا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کی نماز میں اس قدر روتے تھے کہ آپ کے روئے اقدس پر آنسوؤں کے بہنے کی وجہ سے دو سیاہ دھاریاں بن گئی تھیں، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی آیت پڑھتے اور رونا شروع کرتے، یہاں تک کہ گر پڑتے اور بیمار ہوجاتے، گھر سے نکلنے کی طاقت نہ ہوتی، لوگ عیادت کیلئے آتے۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ج:۲، ص:۵۷)

یہ سیرت ہے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی، جن کی عدالت وشجاعت کی دھوم ہے، انھوں نے خلافت کی ذمہ داریوں کو پورے طور سے نباہتے ہوئے اللہ کی مخصوص بندگی کا بھی حق ادا کیا، آج کتنے ستم ظریف اور کام چور ایسے ہیں کہ اپنی کاہلی اور عبادت سے بے رغبتی پر پردہ ڈالنے کے لئے رات بھر نماز پڑھنے بلکہ کثرت عبادت کو بدعت کہتے ہیں اور اپنے دن اور رات کی لایعنی مشغولیتوں، بیکار گپ شپ اور فضول بھاگ دوڑ کے بارے میں کچھ نہیں ارشاد فرماتے، **فویل لھم ثم ویل لھم**

☆☆☆☆☆

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

وہ حیاء کے پیکر، جن سے فرشتے بھی حیاء کرتے تھے، جن سے اللہ کے رسول ﷺ بھی حیاء کرتے تھے، وہ سخاوت کے دریا، جن کی سخاوت اور جن کے اِنفاق سے خوش ہو کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: **ماضر عثمان ما عمل بعد الیوم** (احمد) آج کے بعد عثمان کوئی بھی کام کریں ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہے، مدینہ میں جب مسلمانوں کو پانی کی دقت تھی، ایک کنواں خرید کر انھوں نے وقف عام کیا، یہ وہ ممتاز شخصیت ہے جس کے نکاح میں نبی کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں، یہ خصوصیت ان کے علاوہ اور کسی کو حاصل نہیں، قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنا اور تمام امت کو اس پر متفق کر دینا ان کا وہ کارنامہ ہے جو کارِ نبوت کا ایک عظیم ضمیمہ ہے، قرآن سے ان کا شغف ضرب المثل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں حضرت محمد بن سیرینؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے شہید کر دیا، تو ان کی زوجہ کریمہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسے بزرگ کو قتل کیا جو رات بھر میں ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا کرتا تھا۔

(رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۱۶)

کتاب الزہد میں امام احمد نے ایک خاتون کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دن میں روزہ رکھتے، اور رات بھر نماز پڑھتے، صرف شروع رات میں تھوڑی دیر کے لئے جھپکی لیتے تھے۔

حلیۃ الاولیاء میں ابونعیم اصفہانی نے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن تیمی نے ایک روز طے کیا کہ آج رات میں سبقت کر کے مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھوں گا، جب وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے، تو مقام ابراہیم کی طرف لپکے کہ وہاں نماز شروع کر دیں، فرماتے

ہیں کہ ابھی کھڑا ہی ہوا تھا کہ ایک شخص نے پیچھے سے میرے دونوں کاندھوں کے درمیان ہاتھ رکھا، پلٹ کر میں نے دیکھا تو امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، انھوں نے نماز شروع کر دی، انھوں نے سورۂ فاتحہ سے تلاوت شروع کی، اور پڑھتے چلے گئے اور اسی ایک رکعت میں قرآن پورا پڑھ گئے، اس کے بعد رکوع وسجود کیا، اور سلام پھیر کر انھوں نے اپنے جوتے اُٹھائے اور چلے گئے، عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے انھوں نے کوئی اور نماز پڑھی تھی یا نہیں، مجھے معلوم ہوا نہیں۔ (رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۱۶)

حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں فرمایا ہے کہ متعدد طرق سے یہ ثابت ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایامِ حج میں حجر اسود کے پاس ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا ہے، یہ ان کا دستور تھا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے، اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِداً وَّقَائِماً يَّحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُوْرَحْمَةَ رَبِّهٖ الخ کے بارے میں منقول ہے کہ اس کے مصداق حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، آیت کا ترجمہ یہ ہے: کیا وہ جو عاجزی کے ساتھ رات کے اوقات میں سجود وقیام کی حالت میں مشغول ہے، وہ آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے، پوچھو کیا وہ جو علم وبصیرت رکھنے والے ہیں اور جو علم وبصیرت نہیں رکھتے، دونوں یکساں ہو جائیں گے، نصیحت کا فائدہ تو اہل عقل ہی کو ہوتا ہے۔

واقعی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس آیت کے سچے مصداق تھے، ان کی رات ایسی ہی گزرتی تھی، جیسی اللہ نے یہاں بیان کی ہے، یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کے نزدیک صرف ایک رکعت کی بھی نماز ہوتی ہے۔

☆☆☆☆☆

امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

وہ اللہ کا شیر، وہ نبی کا محبّ ومحبوب، وہ جس نے ہر نازک موقع پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا اور کامیاب رہا، ہجرت کی رات نبی کے بستر پر بے خوف ہوکر سویا، معرکۂ بدر میں سب سے پہلے میدان جنگ میں نکلنے والے تین میں کا ایک، غزوۂ خندق میں عرب کے نامی گرامی پہلوان کے سامنے ڈٹ جانے والا، اور پھر اسے مار گرانے والا، اور وہ جس نے خیبر کے مضبوط ترین قلعے کو سر کیا، وہ جو عابدوں اور زاہدوں کا سرتاج اور پیشوا تھا، وہ جو زہد وتقویٰ کا نمونہ تھا، آخری خلیفۂ راشد، نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ اور داماد، تینوں خلفاء راشدین کے معتبر وزیر سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، اللہ ان سے راضی ہو۔

حلیۃ الاولیاء میں منقول ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار بن ضمرہ کنانی سے فرمائش کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انھوں نے فرمایا:

> ”وہ دنیا اور رونق دنیا سے سخت متوحش تھے، اور رات سے اور رات کی تاریکی سے انس رکھتے تھے، خدا گواہ ہے کہ میں نے انھیں محراب عبادت میں دیکھا ہے، رات کے پردے دبیز ہوگئے تھے، ستارے ڈوب رہے تھے، وہ محراب میں اپنی داڑھی پکڑے ہوئے، جھکے جا رہے تھے، اس طرح تڑپ رہے تھے، جیسے وہ شخص تڑپتا ہے، جسے سانپ نے ڈس لیا ہو، اور اس طرح رو رہے تھے، جیسے ستم رسیدہ روتا ہے میرے کانوں میں اب بھی ان کی آواز گونج رہی ہے۔ اے ہمارے رب، اے ہمارے رب، وہ گریہ وزاری کر رہے ہیں، پھر دنیا سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں تو مجھے فریب دے رہی ہے؟ تو میرے سامنے بن سنور رہی ہے؟ دور بہت دور ہے یہ بات! کسی اور کو فریب دے، میں تجھے تین قطعی طلاق دے چکا ہوں، تیری عمر تھوڑی ہے، تیری

مجلس گھٹیا ہے، تیری آبرو معمولی ہے، ہائے ہائے سامانِ سفر کم ہے، سفر لمبا ہے اور راستہ وحشت ناک ہے۔"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنسوان کی داڑھی پر بہہ رہے تھے، انھیں آنسوؤں پر قابو نہیں رہ گیا تھا، آستین سے انھیں پونچھ رہے تھے، اور دوسرے سننے والوں کا حال یہ تھا کہ رونے کی وجہ سے ان کے گلوں میں پھندا لگا جارہا تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک ابوالحسن ایسے ہی تھے، اللہ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اے ضرار! ان کے اوپر تمہارے رنج وغم کی کیا کیفیت ہے، عرض کیا، بس کیا بتاؤں؟ وہ کیفیت ہے جیسے کسی عورت کا اکلوتا بیٹا اس کی زندگی میں ذبح کردیا گیا ہو کہ نہ اس کا آنسو تھمتا ہے اور نہ اس کا غم ٹھہرتا ہے۔

خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متقیوں کا جو وصف بیان کیا ہے، اس کے آئینے میں ان کی شبیہ نظر آتی ہے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ان کا اپنا حال ہے، فرماتے ہیں:

> اللہ کے بندوں کا حال یہ ہے کہ گویا انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اہل جنت، جنت میں ہمیشہ کے لئے داخلہ پاچکے ہیں اور اہل جہنم دائمی عذاب میں گرفتار ہیں، وہ برائیوں سے محفوظ ہیں، ان کے دل محزون ہیں، ان کی طبیعت پاکیزہ ہے، ان کی حاجات قلیل ہیں، چند دنوں انھوں نے صبر کیا، پھر آخرت میں مسلسل آرام ہے، ان کی راتوں کا حال یہ ہے کہ ان کے قدم عبادت کے لئے کھڑے رہتے ہیں، ان کے آنسوان کے رُخسار پر بہتے ہوتے ہیں، اپنی گردنوں کو آزاد کرنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں، اور ان کے دنوں کی کیفیت یہ ہے کہ وہ پیاس اور صبر سے معمور ہوتے ہیں، نیک، متقی گویا وہ بالکل سیدھے ہیں، ان میں کجی نام کو نہیں، دیکھنے والا انھیں بیمار خیال کرتا ہے، حالانکہ انھیں کوئی بیماری نہیں ہے۔
>
> (البدایہ والنہایہ، ج:۸، ص:۷)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل کے سلسلے میں جو وعدے کئے

تھے، مثلاً قرآن کی حفاظت اور اس کے جمع وقرأت کا وعدہ، دین اسلام کے ظہور عام کا وعدہ، روم وایران اور مصر کے پرچم اسلام کے سائے میں لانے کا وعدہ، دنیا میں دین کے تمکن ورسوخ کا وعدہ، ان سب کا ظہور حضراتِ خلفاء راشدین کے ہاتھوں ہوا، یہ حضرات درحقیقت کارہائے نبوت کی تکمیل میں رسول اللہ ﷺ کے نائب کی حیثیت رکھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ خلفاء راشدین کی سنت کو بھی واجب العمل قرار دیا ہے، ان کی عبادت اور تہجد گزاری کا ایک اِجمالی خاکہ قارئین نے دیکھ لیا، کتنی بڑی سعادت ہوگی اگر کوئی ان حضرات کے نقش قدم پر چل پڑے۔

☆☆☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

وہ علم وفضل کے تاجدار، زُہد وتقویٰ کے پیکر، قرآن وسنت کے رازدار، خاندانِ نبوت کے خدمت گزار، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنھوں نے نوعمری میں رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں سرِ تسلیم خم کیا، اسلام لانے کے پہلے ہی سے وہ امانت داری کے خوگر تھے، ایک روز آنحضرت ﷺ نے اپنے مونس وہمدم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس طرف سے گزرے جہاں یہ بکریاں چَرا رہے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا صاحبزادے تمہارے پاس کچھ دودھ ہو تو پیاس بجھاؤ، بولے میں آپ کو دودھ نہیں دے سکتا، کیونکہ یہ دوسرے کی امانت ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تمہارے پاس کوئی دوسری بکری ہے جس نے بچے نہ دئے ہوں، عرض کی ہاں! اور ایک بکری پیش کی، آپ نے تھن پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی یہاں تک کہ وہ دودھ سے لبریز ہوگیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو علیٰحدہ لے جاکر دوہا تو اس قدر دودھ نکلا کہ تینوں آدمیوں نے یکے بعد دیگرے خوب سیر ہوکر نوش فرمایا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تھن سے فرمایا خشک ہوجا اور وہ اپنی حالت پر عود کر آیا، اس کرشمۂ قدرت نے حضرت عبداللہؓ کے دل پر اثر کیا، حاضر ہوکر عرض کی مجھے اس مؤثر کلام کی تعلیم دیجئے، آپ نے شفقت سے ان کے سر پر دست مبارک پھیر کر فرمایا تم تعلیم یافتہ بچے ہو۔ ”إِنَّکَ غُلَامٌ مُّعَلَّمٌ“

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ہمیشہ خدمت بابرکت میں رہنے لگے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا خادم خاص بنالیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابۂ کرام میں ہیں جو اپنے علم وفضل کے لحاظ سے تمام دنیائے اسلام کے امام تسلیم کئے گئے، وہ ابتداء ہی سے علم کے شائق تھے، قبول اسلام کے ساتھ ہی انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجئے،

بشارت ملی ''إِنَّکَ غُلَامٌ مُّعَلَّمٌ'' تم تعلیم یافتہ بچے ہو۔ اس شوق کا یہ اثر تھا کہ شب و روز سرچشمۂ علم سے مستفیض ہوتے، خلوت و جلوت، سفر وحضر غرض ہر موقع پر ساقیٔ معرفت کی خدمت میں حاضر رہتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ حضور پُرنور ﷺ کے خدام خاص میں شامل تھے، مسواک اُٹھا کر رکھنا، جوتا پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے چلنا، آپ کی مخصوص خدمت تھی، اسی کے ساتھ وہ آنحضرت ﷺ کے ہمدم وہمراز بھی تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ فرماتے ہیں کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے، ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو خاندان رسالت کا ایک رکن گمان کرتے رہے۔

(مسلم شریف، و''مہاجرین'' ج: اول، ملخصاً)

امام احمد بن حنبل اور امام ابن خزیمہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عمر بن الخطاب ؓ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات میں دیر تک حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے اسلام اور مسلمانوں کے متعلق مشورے اور بات چیت کیا کرتے تھے، ایسی ہی ایک گفتگو میں، میں بھی حاضر خدمت تھا، دیر تک گفتگو کے بعد آپ ﷺ باہر نکلے تو ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ ہولئے مسجد کے پاس پہونچے تو ایک شخص کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، اور اس میں خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کررہا تھا، آپ کھڑے ہوکر اس کی تلاوت سننے لگے، ہم ابھی اس شخص کو پہچاننے کی کوشش ہی کررہے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی قرآن کو ٹھیک اسی طرح تر وتازہ پڑھنا چاہے جیسا کہ وہ اترا ہے، تو ابن ام عبد یعنی عبداللہ بن مسعود کے انداز پر پڑھے، ہم لوگ وہیں کھڑے ہی تھے کہ وہ صاحب نماز سے فارغ ہوکر دعا کرنے لگے، آپ ﷺ نے فرمایا: سَلْ تُعْطَ، مانگو عطا ہوگا۔ یہ بات آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمائی، حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا، میں صبح کو ان کو ضرور رات والی بشارت سناؤں گا، میں صبح ان کے پاس پہونچا تو حضرت ابوبکر ؓ وہاں پہلے سے موجود تھے اور

بشارت سنا چکے تھے، خدا کی قسم وہ ہر چیز میں مجھ سے آگے بڑھ جانے والے تھے۔
(صحیح ابن خزیمہ، ج:۲، ص:۱۸۶، رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۱۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دستور یہ تھا کہ جب آنکھیں نیند میں ڈوب جاتی تھیں، تو ان سے شہد کی مکھیوں جیسی گنگناہٹ سنی جاتی تھی۔
(الزہد لابن حنبل، رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ رات کی نماز کی فضیلت دن کی نماز پر ایسی ہے جیسے پوشیدہ صدقہ کی علانیہ صدقہ پر ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۳۰)

فرمایا کرتے تھے کہ میں تم میں سے کسی ایک کو ایسا نہ پاؤں کہ رات بھر مردار رہے اور دن میں ہر دم اِدھر اُدھر پھدکتا پھرے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۳۰)

اور فرماتے تھے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی دولت بخشی ہو اس کی شناخت اس کی رات سے ہونی چاہئے، جب لوگ سو رہے ہوں، اور اس کے دن سے ہونی چاہئے جب لوگ بغیر روزہ کے ہوں، اور اس کے حزن سے ہونی چاہئے جب لوگ خوش ہو رہے ہوں، اور اس کے رونے سے ہونی چاہئے جب لوگ ہنس رہے ہوں، اور اس کی خاموشی سے ہونی چاہئے جب لوگ ملے جلے ہوں، اور اس کے خشوع سے ہونی چاہئے جب لوگ اِترا رہے ہوں۔

ان کے شاگرد حضر علقمہ بن قیس فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا، آپ شروع رات میں کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے، اور اس میں قرأت اس انداز سے کر رہے تھے جیسی قرأت محلّہ کے مسجد کے امام کی تھی، ٹھہر ٹھہر کر پڑھ رہے تھے، اور آواز میں اتار چڑھاؤ نہ تھا، ایسی آواز تھی کہ پاس والے سن سکتے تھے، پھر جب رات کا اندھیرا صرف اتنا رہ گیا جتنا مغرب کی اذان سے اس کی ادائیگی تک وقت ہوتا ہے تب وتر کی نماز ادا کی۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۳۰، حلیۃ الاولیاء، کے تمام حوالے رہبان اللیل سے ماخوذ ہیں)

عبیداللہ بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رات کے وقت جب کہ تمام دنیا محو راحت ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیٹھ کر صبح تک آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ (اُسد الغابہ)

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی تمام طاق راتیں شب قدر کی تلاش میں بسر کرتے تھے۔ (مہاجرین، ص:۲۸۶)

۳۲ھ میں جب کہ ان کی عمر مبارک ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکی تھی، انتقال فرمایا۔ رضی اللہ عنہ وأرضاہ

☆☆☆☆☆

حضرت ابوموسیٰ اَشعری رضی اللہ عنہ

جن بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خاص خوشی اور رضامندی کا بار بار اظہار فرمایا ہے، اور جن کی ہر ملاقات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قلب نبوی کو بڑی مسرت اور فرحت حاصل ہوتی تھی، ان میں ایک نمایاں نام حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ہے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اصل نام عبداللہ ہے، ان کے والد قیس تھے، یہ یمن کے رہنے والے تھے۔

ساقیٔ توحید کے صلائے عام پر بہت سے نزدیک والوں نے اپنے کان بند کرلئے تھے، لیکن تشنہ کامانِ حق، دور دراز ممالک سے دشوار گزار منزلیں طے کرکے آتے تھے، اور اپنی پیاس بجھاتے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے چل کر مکہ آئے، اور بادۂ اسلام کے ایک ہی جام میں سرشار ہوگئے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خاندان کے ایک ذی اثر رئیس تھے، اس لئے ان کی دعوت حق نے بہت جلد قبولیت عام حاصل کرلی، وہ تقریباً پچاس حلقہ بگوشانِ اسلام کی ایک جماعت لے کر بحری راستے سے بارگاہِ نبوت کی طرف چل کھڑے ہوئے، لیکن طوفان وبادِ مخالف نے اس کشتی کو بجائے حجاز کے حبش پہونچادیا، حضرت جعفر اور دوسرے ستم زدگانِ اسلام جو یہاں ہجرت کرکے آئے تھے، اب تک موجود تھے، مدینہ منورہ کے قصد سے روانہ ہوئے، تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی اس قافلہ میں شریک ہوگئے اور عین اس وقت مدینہ پہونچے جب کہ مجاہدین اسلام خیبر فتح کرکے واپس آرہے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی تمام جماعت کو بھی خیبر کے مال غنیمت میں سے حصہ مرحمت فرمایا۔

(بخاری شریف، مہاجرین، ج: اول، ص: ۲۹۱)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی اور معلم بنایا تھا، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خاص خصوصیت ان کا خوش الحان ہونا تھا، قرآن کریم اس خوش الحانی سے پڑھتے تھے کہ سننے والوں کے قدم رک جاتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کی قرأت سن کر فرمایا تھا: **لقد أوتی مزماراً من مزامیر آل داؤد** ابوموسیٰ کو حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش گلوئی کا ایک حصہ ملا ہے۔ (اصابہ)

ایک بار رسول اللہ ﷺ رات میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ کے پاس سے گزر رہے تھے، ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی ہمراہ تھیں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں قرآن پڑھ رہے تھے، دونوں حضرات کھڑے ہو کر سننے لگے، پھر تشریف لے گئے، صبح کو حضرت ابوموسیٰ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں رات میں تمہارے پاس سے گزرا تھا، عائشہؓ بھی ساتھ تھیں، تم اپنے گھر میں قرآن پڑھ رہے تھے، ہم کھڑے ہو کر تمہارا پڑھنا سنتے رہے، انھوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبی! اگر مجھے معلوم ہو جاتا تو اور اچھی طرح پڑھتا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۲۵۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو فرماتے، ابوموسیٰ خدا کی یاد دلاؤ، تب یہ قرآن پڑھ کر سناتے، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم کے ساتھ غیر معمولی شغف وانہماک تھا، فرصت کا سارا وقت قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تعلیم میں صرف ہوتا، یمن کی گورنری کے زمانے میں معاذ بن جبل اکثر ان سے ملنے آتے اور دیر تک علمی صحبت رہتی، ایک مرتبہ انھوں نے پوچھا کہ آپ قرآن پاک کس طرح تلاوت کرتے ہیں، بولے رات دن کچھ کچھ پڑھتا ہوں۔ (بخاری شریف)

☆☆☆☆☆

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے برگزیدہ صاحبزادے، سنتِ رسول کے شیدائی، قدم بقدم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے نہایت نیک نفس صحابی، ان کے بارے میں ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **نعم الرجل عبداللہ لو کان یقوم اللیل** ،عبداللہ اچھا آدمی ہے کاش رات کی نماز پڑھتا۔ اس بات کے سننے کے بعد ان کا حال یہ ہوا کہ رات میں جب بھی آنکھ کھل جاتی نماز پڑھنا شروع کر دیتے، اور رات میں بہت کم سوتے، عموماً صبح صادق تک نماز پڑھا کرتے، جب ان کے خادم حضرت نافع صبح ہونے کی اطلاع دیتے تب وہ استغفار کرتے۔

خالد بن عبد اللہ قرشی کے آزاد کردہ غلام ابو غالب کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس قیام فرماتے تھے اور رات میں تہجد پڑھا کرتے تھے، ایک دن صبح سے کچھ پہلے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے غالب تم تہجد کی نماز نہیں پڑھتے، کاش کہ ایک تہائی قرآن پڑھ لیتے، میں نے عرض کیا اے ابو عبدالرحمٰن، صبح صادق قریب آ چکی ہے، اب تہائی قرآن کیونکر پڑھ سکتا ہوں، آپ نے فرمایا: سورۂ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (کتاب الزہد لابن حنبل)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پانی کا ایک برتن تھا، اس میں پانی رکھا رہتا تھا، جتنا مقدر ہوتا آپ نماز پڑھتے، پھر بستر پر تشریف لیجاتے، پرندوں کی طرح تھوڑی دیر اونگھتے، پھر اُٹھ کھڑے ہوتے، اور وضو کر کے نماز شروع کر دیتے، کچھ دیر نماز پڑھنے کے بعد پھر بستر پر جاتے اور پرندوں کی طرح تھوڑی دیر اونگھتے، پھر تیزی سے اٹھتے اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگتے، اسی طرح رات بھر میں چار پانچ بار کرتے۔

یہ بعینہٖ وہی طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قارئین پڑھ چکے ہیں کہ

آپ ﷺ رات میں متعدد بار لیٹتے اور پھر اٹھتے، اس طرح پوری نیند کا موقع کبھی نہ ملتا، یہ بات بجز اس کے نہیں ہوسکتی کہ دل میں یادِ الٰہی کا اضطراب ہے، محبت کی قندیل روشن ہے، اور عاشقِ بیتاب تھوڑی دیر لیٹتا ہے، پھر بے چین ہوکر اٹھ جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بعینہٖ اتباع نبوت ہے۔

حضرت نافع جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سفر و حضر کے خادم ہیں، وہ فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ساری رات نماز کے ساتھ زندہ رکھتے تھے، کبھی پوچھتے کہ اے نافع کیا صبح ہوگئی، میں کہتا کہ نہیں، تو وہ اور نماز پڑھنے لگتے، پھر جب میں کہہ دیتا کہ ہاں تو بیٹھ کر استغفار کرتے۔ (طبرانی وحلیہ)

حضرت نافع ہی فرماتے ہیں کہ کبھی اتفاق سے اگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی عشاء کی جماعت فوت ہوجاتی، تو پوری رات نماز پڑھتے رہتے، بالکل نہ سوتے۔ (الاصابہ)

انھیں کے شاگرد حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو فرمانے لگے، مجھے دنیا چھوڑنے کا کوئی افسوس نہیں ہے، سوائے اس کے کہ گرمیوں کے روزوں کی پیاس، اور راتوں کا مجاہدہ چھوٹ جائے گا، اور اس بات کا افسوس ہے کہ میں نے فلاں باغی گروہ سے جنگ نہیں کی، یعنی حجاج سے۔ (قیام اللیل)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ جو فقہائے مدینہ میں شمار ہوتے تھے، اپنے والد کا ایک قول نقل کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو عبادت گھٹے گی وہ رات کی تہجد ہے، اور اس میں آواز سے قرأت کرنا ہے۔

(جزء افعال العباد للبخاری)

سچ فرمایا صحابیٔ رسول ﷺ نے، اب تو وہ حال ہے کہ تہجد گویا معدوم ہوگئی ہے، اور اس میں قرآن کریم کی قدرے آواز سے تلاوت کرنا گویا بالکل ختم ہوچکا ہے، کاش کہ حاملین قرآن یعنی حفاظ وقراء اور علماء بالخصوص اس پر توجہ دیتے اور اپنی راتوں کو تہجد کی نماز ~~اور قرآن کی تلاوت سے مزین اور نورانی بناتے، حافظوں کی تو یہی پہچان ہونی چاہئے کہ~~

اخیر شب میں وہ اٹھنے والے ہوں، اس وقت پروردگار کی طرف سے جو التفاتِ خاص ہوتا ہے وہ دوسرے وقت کب ملے گا۔

☆☆☆☆☆

حکیم الامت حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی، جن کا علم و فضل مسلم تھا، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ان کا نام عویمر بن زید ہے، قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، علم و فضل کے ساتھ ساتھ عبادت کا بھی خاص ذوق رکھتے تھے، عہد نبوت میں تجارت کرتے تھے، لیکن جب یہ شغل عبادت میں خلل انداز ہوا تو اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اور رازقِ کائنات کے سفرۂ عام پر آ بیٹھے، بعد میں تجارت سے ایسے متنفر ہوئے کہ فرماتے تھے کہ مجھے اب ایسی دکان بھی پسند نہیں، جس میں ۴۰/ دینار یومیہ نفع ہو، جس کو روز صدقہ کرتا رہوں، اور نماز بھی نہ قضا ہوتی ہو، لوگوں نے کہا اس کا سبب؟ فرمایا قیامت کے حساب کا خوف۔ (سیر انصار: ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوالدرداء نے مدینہ کی سکونت ترک کردی کہ یہاں ہر وقت آپ کی یاد تازہ رہتی تھی، ملک بملک اسلام کی اشاعت وارثانِ نبوت کا فرض تھا، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے یہ بھی سنا تھا کہ فتنہ کی آندھیوں میں ایمان کا چراغ شام میں محفوظ رہے گا، اسی بنا پر شام کے دارالحکومت دمشق کی سکونت اختیار کی۔

ان کے ترکِ وطن کے سلسلہ میں یہ واقعہ لائق ذکر ہے کہ سفر کی تیاری کے بعد انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ترکِ وطن کی اجازت چاہی، انھوں نے کہا اجازت تو نہیں دیتا، ہاں اگر حکومت کی کوئی خدمت قبول کیجئے، تو منظور کرسکتا ہوں، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں حاکم بننا پسند نہیں کرتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر اجازت کی امید فضول ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ حکومت کے بجائے لوگوں کو قرآن و حدیث سکھاؤں گا اور نماز پڑھاؤں گا، فرمایا البتہ یہ قبول ہے، چنانچہ ادائے فرض کی نیت سے شام کا سفر اختیار کیا۔

دمشق میں ان کا وقت زیادہ تر درس وتدریس، احکام شریعت کی تلقین اور عبادت وریاضت میں گزرا تھا، ملک شام میں جا کر بھی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اپنی بے تکلفی اور سادگی پر قائم رہے، حضرت عمرؓ نے شام کا سفر کیا اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے مکان پر ان سے ملنے گئے تو خدم وحشم، نقیب وچاؤش، تزک واحتشام، زینت وآرائش ایک طرف، مکان میں چراغ تک نہ تھا۔ کشورِ دین کا تاجدار تاریک مکان میں ایک کمبل اوڑھے پڑا تھا، حضرت عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پوچھا اس قدر عسرت سے زندگی گزارنے کا سبب کیا ہے؟ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں ہم کو اتنا ساز وسامان رکھنا چاہیئے جتنا کہ ایک مسافر کیلئے درکار ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد ہم کیا سے کیا ہوگئے ہیں، اس پُر اثر فقرہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں بزرگوں نے روتے روتے صبح کردی۔ (سیر انصار)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ قیام لیل (نمازِ تہجد) کے نہایت پابند تھے، بلکہ ذوق عبادت نے انھیں زندگی کی دوسری ضروریات سے قدرے بے نیاز کردیا تھا، جس پر بعض اوقات بعض صحابہ کو تنبیہ کرنی پڑی۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان سے ملنے ان کے گھر آئے، یہ دونوں مواخاۃ کے قاعدے سے بھائی بھائی تھے، بھاوج کو دیکھا تو نہایت معمولی وضع میں پایا، سبب پوچھا تو نیک بخت نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی دنیا سے بے نیاز ہوگئے ہیں، ان کو اب ان چیزوں کی پروانہیں ہے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آئے، سلمان کو مرحبا کہا، اور کھانا پیش کیا، سلمان نے کہا آپ بھی آیئے، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں تو روزہ ہوں، سلمان نے قسم کھا کر کہا آپ کو میرے ساتھ کھانا ہوگا، ورنہ میں بھی نہ کھاؤں گا، رات کو سلمان نے انہی کے مکان پر قیام کیا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نماز کے لئے اٹھے، حضرت سلمان نے روک دیا اور فرمایا بھائی آپ پر خدا کا بھی حق ہے، بیوی کا بھی، اور اپنے بدن کا بھی، آپ کو ان سب کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ صبح کا تڑکا ہونے کو آیا تو سلمان نے ابوالدرداء کو جگایا اور کہا اب اٹھو، دونوں

بزرگوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد نماز فجر کے لئے مسجد نبوی گئے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے آنحضرت ﷺ سے سلمانؓ کا واقعہ بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: سلمان نے ٹھیک کیا، وہ تم سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔ (سیر انصار)

تہجد کا اہتمام انھیں ہمیشہ رہا، اس کی پابندی وہ فرائض کی طرح کرتے تھے، کسی کو تہجد میں قرآن پڑھتے سنتے تو فرماتے:

> ”میرے ماں باپ قربان ہوں ان لوگوں پر جو قیامت کے آنے سے پہلے ہی اپنے نفس پر رو لیتے ہیں، اور جن کے قلوب اللہ کے ذکر سے تر رہتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۲۲۱)

ایک بار انھوں نے ارشاد فرمایا کہ بندۂ مسلم سویا ہوا ہوتا ہے، اور اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ان کی زوجۂ محترمہ حضرت ام الدرداء نے پوچھا کہ یہ کیونکر ہوتا ہے، فرمایا کہ اس کا بھائی تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوتا ہے، وہ اپنے لئے اللہ سے دعا کرتا ہے، وہ قبول ہو جاتی ہے اور اپنے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے اور وہ بھی قبول ہو جاتی ہے۔

ایک مرتبہ انھوں نے پوری رات نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ خوب روئے، بارگاہِ الٰہی میں صبح تک مسلسل عرض کرتے رہے: اَللّٰهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَأَحْسِنْ خُلُقِي، اے اللہ! آپ نے میرے ظاہر بدن کو اچھا بنایا، پس میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دیجئے۔

حضرت ام الدرداء نے عرض کیا کہ آج کی رات تو آپ نے صبح تک حسن اخلاق کی دعا کی؟ (کتاب الزہد لابن حنبل)

نیز انھوں نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو قسم کھا سکتا ہوں کہ اللہ کے محبوب ترین بندے وہ ہیں جو سورج اور چاند (یعنی اوقاتِ نماز اور روزہ) کا اہتمام کرتے ہیں۔
(تنبیہ المغترین، رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۱۹)

اس عبادت گزاری اور ریاضت ومجاہدہ کے باوجود ان کے دل میں حق تعالیٰ کی

خشیت بہت زیادہ تھی۔

ایک دفعہ حضرت ابوالدرداء ؓ گریہ وزاری میں مصروف تھے، اہلیہ محترمہ نے عرض کی آپ صحابی ہو کر اس قدر روتے ہیں، حضرت ابوالدرداء ؓ نے فرمایا: کیوں نہ روؤں، خدا معلوم گناہوں سے کیونکر چھٹکارا ہو، اسی حالت میں حضرت بلال ؓ کو بلایا اور فرمایا دیکھو ایک دن تم کو بھی یہ واقعہ پیش آنا ہے، اس دن کے لئے کچھ کر رکھنا، موت کا وقت آیا، تو گریہ وزاری کی کوئی انتہا نہ رہی، ان پر خوفِ الٰہی کا نہایت غلبہ تھا، بیوی نے جو پاس بیٹھی تسکین دے رہی تھیں، کہا تم تو موت کو محبوب رکھتے تھے، پھر اس وقت پریشانی کیوں؟ فرمایا یہ سچ ہے، لیکن جس وقت سے موت کا یقین ہوا ہے، سخت پریشانی ہے، یہ کہہ کر روئے پھر فرمایا کہ یہ میرا اخیر وقت ہے، کلمہ پڑھاؤ، چنانچہ لوگ کلمہ کی تلقین کرتے رہے اور حضرت ابوالدرداء ؓ اسے دہراتے رہے، یہاں تک کہ روح مطہر نے آخری سانس لی۔

یہ ہجرت کا بتیسواں (۳۲ھ) سال تھا، رضی اللہ عنہ وأرضاه

(سیر انصار، ملخصاً)

☆☆☆☆☆

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

سلمان بن اسلام ...... سلمان الخیر، ایران کے رہنے والے، حق کی تلاش میں پھرتے پھراتے مدینہ پہونچے اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہونچ کر اسلام قبول کیا، انھوں نے حق وہدایت تک پہونچنے کی داستان تفصیل سے خود بیان کی ہے۔ ان کی یہ داستان امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بتا رہے تھے کہ میں ایک فارسی شخص تھا، میرے والد اپنے گاؤں کے چودھری تھے، مجھ سے انھیں بیحد محبت تھی، لڑکیوں کی طرح مجھے گھر میں رکھتے تھے، جوان ہونے تک باہر نکلنے کی مجھے اجازت نہ تھی میں دن رات آگ کی عبادت میں سرگرم رہتا تھا، میری آگ کبھی بجھتی نہ تھی، ایک دن انھوں نے غلطی سے مجھے اپنی زمینداری کے کسی کام سے باہر بھیج دیا، اثنائے راہ میں میرا گزر عیسائیوں کے ایک گرجا پر ہوا، وہ لوگ مصروف عبادت تھے، مجھے ان کا طریقہ عبادت پسند آیا، میں والد صاحب سے اس کا تذکرہ کر دیا، انھوں نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی، مگر میں فکر میں رہا۔ عیسائیوں نے بتایا تھا کہ ان کا مرکز شام ہے، ایک قافلہ شام کو روانہ ہونے والا تھا، میں کسی طرح بیڑیوں سے آزاد ہو کر گھر سے بھاگ نکلا، اور قافلہ کے ساتھ شام پہونچ گیا، میں نے پتہ لگایا کہ عیسائی مذہب کا سب سے بڑا عالم اور بزرگ کون ہے؟ ایک صاحب کے بارے میں معلوم ہوا، تو میں ان کی خدمت میں رہنے لگا، مگر وہ دنیادار اور حریص آدمی تھا، لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دیتا، لیکن سارے صدقات کو خود رکھ لیتا، اس کے پاس سونے اور چاندی کے سات گھڑے بھر گئے تھے، مجھے اس سے شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی، وہ مر گیا تو میں نے اس کا راز لوگوں پر کھول دیا، لوگوں نے اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا، اور خوب پتھر مارے، پھر جو اس کا جانشین ہوا، وہ بہت نیک شخص تھا،

مجھے اس سے بیحد محبت ہوگئی، وہ دنیا سے بے زار، آخرت کا دلدادہ، دن رات مصروفِ عبادت رہتا تھا، جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے دریافت کیا کہ آپ کے بعد میں کس کے پاس جاؤں، انھوں نے بتایا کہ میں صرف ایک شخص کو جانتا ہوں کہ وہ ٹھیک اسی طریقہ پر ہے، جس پر میں ہوں، وہ موصل میں ہے، چنانچہ میں ان کی وفات کے بعد موصل پہونچا، اوران بزرگ سے ملاقات کی اور پوری صورتحال بتائی، انھوں نے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی، وہ بھی بہت اچھے آدمی تھے، مگران کا جلد ہی انتقال ہوگیا، میں نے ان سے بھی پوچھا کہ آپ کے بعد کس کے پاس جاؤں، انھوں نے .... میں ایک بزرگ کے پاس جانے کی وصیت کی، میں وہاں پہونچا، وہ بھی بہت عمدہ آدمی تھے، لیکن دیر تک رہنے کا اتفاق نہیں ہوا، جلد ہی ان کا بھی وقت پورا ہوگیا، میں نے عرض کی کہ آپ کے بعد کس کے پاس جاؤں؟ فرمایا کہ ایک شخص ہے جہاں تم جاسکتے ہو، وہ عموریہ میں ہے، چنانچہ میں ان کے انتقال کے بعد عموریہ پہونچا، وہ بھی بہت بزرگ اور نیک شخص تھے، وہاں رہ کر میں نے کچھ ذریعۂ معاش بھی اختیار کیا، جس سے میرے پاس کچھ گائیں اور کچھ بکریاں ہوگئیں، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں ان سے بھی وہی بات پوچھی کہ اب کہاں جاؤں؟ انھوں نے فرمایا بیٹے! میں تو کسی کو نہیں جانتا جو میرے طریق پر ہو کہ اس کے پاس میں تمھیں بھیجوں، لیکن میرا احساس ہے کہ وہ زمانہ آچکا ہے کہ سرزمین عرب پر نبوت کا ایک آفتاب طلوع ہوگا، وہ ملت ابراہیمی پر ہوگا، وہ ایک ایسی آبادی میں ہجرت کرے گا جس کے دونوں طرف کنکر کے میدان ہوں گے، اور درمیان میں کھجوروں کے باغ ہوں گے، ان کی کچھ واضح علامتیں ہوں گی، ہدیہ کھائیں گے صدقہ نہیں کھائیں گے، دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، اگر تم وہاں جاسکو، تو ضرور چلے جاؤ، ان کے انتقال کے بعد میں وہیں ٹھہرا رہا، پھر کچھ عرب تاجروں کے ساتھ سرزمین عرب کے لئے روانہ ہوا، لیکن راستے میں انھوں نے مجھے غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھوں فروخت کردیا، اس یہودی کا جہاں مکان تھا، وہاں میں نے کھجور کے کچھ درخت دیکھے، مجھے خیال ہوا کہ

شاید یہی وہ جگہ ہے، جس کی خبر مجھے آخری بزرگ نے دی تھی، مگر مجھے اطمینان نہیں ہوا، ایک دن مدینہ کے بنی قریظہ کا ایک یہودی، جو اس کا رشتہ دار تھا، وہ مجھے خرید کر مدینہ لے گیا میں دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں مجھے پہونچنا تھا، ان دنوں رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے، میں ٹھہرا ایک غلام! میں نے اس دوران آپ کا کوئی تذکرہ نہیں سنا، ایک دن میں ایک کھجور کے درخت پر کچھ کام کر رہا تھا، اور میرا آقا وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک دوسرا یہودی وہاں آیا، اور آتے ہی بولا اللہ تعالیٰ بنی قیلہ کو برباد کرے، یہ لوگ قباء میں ایک آدمی پر جمع ہو رہے ہیں، وہ خود کو نبی کہہ رہا ہے، میں نے جب یہ سنا تو میری کیفیت بدل گئی، میں تھرتھرا گیا، ایسا لگ رہا تھا جیسے میں اپنے آقا کے بدن پر گر جاؤں گا، میں فوراً درخت سے اترا، اور جلدی جلدی اس آدمی سے کہنے لگا کہ کیا بات ہے؟ کیا بات ہے؟ میرے آقا کو غصہ آ گیا، اس نے ایک زوردار طمانچہ مجھے مارا، اور کہا کہ تم سے کیا مطلب؟ جاؤ تم اپنے کام پر لگو، میں نے کہا کوئی بات نہیں، میں ذرا تحقیق کر رہا تھا، اس کے بعد میں نے خود تحقیق کرنی چاہی۔

میرے پاس کچھ سامان تھا، میں اسے لے کر قباء پہونچا، ملاقات کے بعد میں نے عرض کیا کہ آپ اچھے آدمی ہیں، اور آپ کے اصحاب غرباء و مساکین ہیں، یہ تھوڑی سی چیز میرے پاس صدقہ کی ہے اسے قبول فرمالیں، آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا لو بھئی کھاؤ، خود نہیں کھایا، میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ ایک علامت ہوئی، پھر کچھ دنوں کے بعد کچھ اور کھانے کی چیز لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ مدینہ تشریف لا چکے تھے، میں نے عرض کیا، اس سے پہلے میں نے آپ کو دیکھا کہ صدقہ کی طرف آپ نے ہاتھ نہیں بڑھایا، اب کی میں یہ ہدیہ لایا ہوں، تو آپ نے بھی اور آپ کے اصحاب نے بھی مل کر کھایا، میں نے کہا کہ یہ دوسری علامت ظاہر ہوئی، پھر تیسری مرتبہ اس وقت حاضر ہوا، جب آپ ایک جنازہ کے ساتھ بقیع میں تھے، آپ کے بدن پر دو چادریں تھیں، آپ اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، میں سلام کر کے آپ کی پیٹھ کی طرف چلا گیا،

میں مہر نبوت دیکھنا چاہتا تھا، آپ نے میری حرکت کو تاڑ لیا، تو آپ نے چادر مبارک کو کندھے سے گرا دیا میں نے مہر نبوت دیکھ لی، میں بے اختیارانہ آپ کے اوپر جھک گیا اور بوسہ دینے لگا، اور ساتھ ہی بے تحاشا میرے اوپر گریہ بھی طاری ہوگیا، آپ نے فرمایا، ادھر آجاؤ۔

اس کے بعد بھی سلمان فارسی غلامی میں مبتلا رہے، اسی وجہ سے بدر واحد میں آپ کی شرکت نہ ہوسکی، فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے میں نے اپنے آقا سے ایک معاملہ طے کیا کہ کھجور کے تین سو درخت میں لگاؤں اور چالیس اوقیہ سونا دوں، تو میں غلامی سے نجات پا جاؤں، اسپر بات پکی ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو، حضراتِ صحابہ نے اپنے اپنے پاس سے کھجور کے پودے دینے شروع کیے، یہاں تک کہ تین سو کی تعداد پوری ہوگئی، حضرت ﷺ نے فرمایا جاؤ گڑھے تیار کرو، میں خود اپنے ہاتھ سے درخت لگاؤں گا، میں نے صحابۂ کرام کی مدد سے تین سو گڑھے تیار کر لئے، آپ تشریف لائے، ہم پودے آپ کے ہاتھ میں دیتے جاتے اور آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے لگاتے جاتے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ تین سو کے تین سو پورے لگ گئے، کوئی بھی مردہ نہیں ہوا۔ یہ کھجور والا معاملہ تو ہوگیا، اب سونے والا مسئلہ رہ گیا۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ کے پاس مرغی کے انڈے کے بقدر سونا کسی غزوے سے آیا، آپ ﷺ نے پوچھا وہ فارسی غلام کہاں ہے؟ میں حاضر خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یا سلمان! یہ لے جاؤ اس سے اپنے ذمہ کی ادائیگی کرو، میں نے عرض کیا حضرت! اتنے سے کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا لے جاؤ، اسی سے اللہ تعالیٰ تمہارا ذمہ پورا کرے گا، میں اسے لے لیا، فرماتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھوں میں سلمان کی جان ہے، میں نے اسی میں سے چالیس اوقیہ تول دیا، میرا حق ادا ہوگیا، میں آزاد ہوگیا، اور پہلی جنگ جس میں میں نے شرکت کی خندق کی جنگ ہے۔ (مسند احمد حدیث سلمان

الفارسی، (اوقیہ ساڑھے دس تولہ کا ہوتا ہے، ۴۰؍اوقیہ مجموعی اعتبار سے ۶؍کلو سے زیادہ ہوگا)

میں نے اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ لکھا ہے، اس سے متعدد فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) حضرت سلمان فارسیؓ کے دل میں حصول ہدایت کی تڑپ تھی، اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں فرمایا، ایسے اسباب پیدا فرماتے چلے گئے کہ ہدایت کے دروازے کھلتے رہے، بالآخر نبوت کے بعد جو سب سے بڑا اشرف ہے، یعنی صحابیت اس سے نوازے گئے۔

(۲) دینداری کے بھیس میں بعض بددین، حریص اور خائن بھی ہوتے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

(۳) خیانت کرنے والا خواہ کتنا ہی چھپائے، خیانت کھل کر رہتی ہے۔

(۴) کبھی انسان کی مرضی اور طبیعت کے خلاف کوئی واقعہ ہوتا ہے مگر اس میں خیر عظیم ہوتا ہے، حضرت سلمان غلام بنا کر بیچے گئے، بڑا سنگین حادثہ تھا، مگر پھر تلاش کے بغیر وہیں پہونچا دیئے گئے جہاں پہونچنا تھا۔

(۵) حق کی تلاش میں دقتیں، مشقتیں بہت ہیں، ذلت بھی کبھی اُٹھانی پڑتی ہے، مگر آدمی ہمت نہ ہارے، تو گوہر مقصود حاصل ہوتا ہے۔

(۶) آخری نبوت کی علامتیں پچھلی کتابوں میں موجود تھیں، اور وہ علماءِ اہل کتاب کے درمیان متعارف تھیں۔

(۷) حضرت ﷺ کی شفقت وعنایت کی متعدد شانیں اسی ایک واقعہ میں نظر آتی ہیں، مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ آپ کے پیچھے جاکر کچھ تلاش کر رہے تھے، تو بجائے اس کے کہ ان کو ڈانٹتے، اس بے ادبی پر مواخذہ فرماتے، حضرت سلمان کی منشاء سمجھ لیتے ہیں اور ان کی خواہش کی تکمیل اس طرح کرتے ہیں کہ چادر آہستہ سے گرا دیتے ہیں، یہ معاملہ اس شخص کے ساتھ کرتے ہیں جو اس دور کے لحاظ سے انسانیت کے سب سے پست طبقہ سے تعلق رکھتا تھا۔

پھر جب وہ جھک کر آپ کو بوسہ دینے لگے تو بھی آپ نے جھڑکا نہیں، صرف اتنا فرمایا کہ ادھر آجاؤ، پھر ان کو آزاد ہونے کی تدبیر بتائی، تین سو پودوں کی بات طے ہوئی، تو آپ ﷺ نے صحابہ کو مدد کی ترغیب دی، مطلوبہ پودے فراہم ہوگئے، تو کمال شفقت کی بات یہ ہے کہ بنفس نفیس اپنے دست مبارک سے تین سو پودے لگائے، قربان جایئے، ایک غلام کی خاطر، اسلام کے بدترین دشمن یہودی کا باغ خود لگا رہے ہیں اور ایک درخت نہیں بلکہ پورے تین سو درخت! کتنی مشقت اُٹھائی آپ ﷺ نے! پھر آپ کا معجزہ دیکھئے کہ تمام درخت شاداب ہوئے، کوئی مرجھایا نہیں، ورنہ اتنے درختوں میں عموماً دس پانچ درخت سوکھ ہی جاتے ہیں، پھر چالیس اوقیہ سونے کی مقدار ۶ رکلو سے زائد ہے، ادا کرنا آسان نہ تھا، آپ کے پاس انڈا بھر سونا آیا، تو آپ نے اس سے ادا کرنے کا حکم دیا، ظاہر کو دیکھنے والی آنکھ قبول نہیں کرتی کہ اتنی معمولی مقدار سے چالیس اوقیہ ادا ہو سکے گا، آپ ﷺ نے خدا کا حوالہ دیا، اور پھر واقعی چالیس اوقیہ کی مقدار پوری ہوگئی۔ زہے قسمت سلمان اور زہے ان کی قسمت۔

حضرت سلمان فارسی ؓ نہایت عابد وزاہد انسان تھے، البتہ یہ ہے کہ ان کی عبادت نہایت اعتدال اور دوام کے ساتھ ہوتی تھی، حضرت ابوالدرداء ؓ کے تذکرے میں گزر چکا ہے کہ انھوں نے حضرت ابوالدرداء ؓ کو پوری رات عبادت کرنے سے روک دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ: **یا أبا الدرداء إن لربک عز وجل علیک حقاً ولنفسک علیک حقاً ولأھلک علیک حقاً ولجسدک علیک حقاً فأعط کل ذی حق حقہٗ** ، اے ابوالدرداء! تمہارے اوپر تمہارے رب کا بھی حق ہے، تمہارے نفس کا بھی حق ہے، تمہارے اہل کا بھی حق ہے، تمہارے بدن کا بھی حق ہے، تو ہر حق والے کو اس کا حق دو۔

اس بات کا تذکرہ جب رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **صَدَقَ سَلْمَانُ**، سلمان نے سچ کہا، زبانِ نبوت نے ان کی تصدیق فرمائی، اور حضور ﷺ

نے یہ بھی فرمایا سَلْمَانُ أَفْقَهُ مِنْكَ سلمان تم سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (الاصابہ، ج:۳، ص:۱۱۹)

اور خود ان کی استقامت کا حال یہ تھا کہ انھوں نے بنی کندہ میں نکاح کیا، جب پہلی رات میں اہلیہ کے پاس پہونچے تو اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور برکت کی دعا کی، پھر فرمایا کہ اگر میں تم کو ایک کام کرنے کو کہوں تو مانو گی، اہلیہ نے عرض کی، کہ بے شک آپ کا مقام وہ ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے، فرمایا کہ میرے خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے وصیت کی ہے کہ جب تم اپنے اہل وعیال کے ساتھ جمع ہو تو اللہ کی اطاعت پر جمع ہو، یہ کہہ کر حضرت سلمانؓ کھڑے ہوئے، بیوی بھی اُٹھ گئیں، دونوں نے جتنا ہو سکا نمازیں پڑھیں، پھر ملاقات کی۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۵۴)

بڑی ہمت واستقامت اور شوقِ عبادت کی بات ہے کہ نکاح کے بعد خلوت کی پہلی رات میں میاں بیوی نماز وعبادت میں مشغول ہوں۔

مشہور تابعی طارق بن شہاب نے ایک بار حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رات گزاری، نیت یہ تھی کہ رات میں کتنا مجاہدہ کرتے ہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رات کے آخری حصہ میں اٹھے اور تہجد کی نماز پڑھی، طارق بن شہاب کو ان کے بارے میں کوئی خیال تھا، ان کی دانست میں وہ پورا نہیں ہوا، اس خیال کا انھوں نے حضرت سلمان سے ذکر بھی کر دیا، حضرت سلمان نے فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی اہتمام سے حفاظت کرو، یہ ان زخموں کے لئے یعنی چھوٹے چھوٹے گناہوں کے لئے کفارہ ہیں، جب تک ہلاکت کا یعنی کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو، پھر جب لوگ عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں، بعض تو وہ ہیں جن کے حق میں رات مضر ہے، مفید نہیں ہے، اور بعض وہ ہیں جن کے حق میں رات مفید ہے، مضر نہیں ہے، اور بعض وہ ہیں کہ ان کے حق میں نہ مفید ہے نہ مضر!

(۱) وہ آدمی جس نے رات کی تاریکی اور لوگوں کی غفلت کو غنیمت جانا، اور گناہ میں مبتلا ہوا، یہ رات اس کے حق میں مضر ہے، مفید نہیں۔

(۲) وہ آدمی جس نے رات کی تاریکی اور لوگوں کی غفلت کو غنیمت جانا، اور خاموشی سے نماز پڑھنے لگا، اس کے حق میں یہ رات مفید ہے مضر نہیں۔

(۳) وہ آدمی جس نے عشاء کی نماز پڑھی اور رات بھر سویا، اس کے حق میں یہ رات نہ مفید ہے نہ مضر۔

حقحقه سے بچو، اور اعتدال اور دوام کو مضبوطی سے تھامے رہو۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۵۶)

حقحقه ایسی رفتار کو کہتے ہیں جس سے آدمی تھک کر بے دم ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ عبادت میں اتنی سرگرمی نہ ہو کہ تھک کر بیٹھ جانا پڑے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عبادت اور تہجد کا وہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا جس پر عمل اور دوام ہو سکے، عام لوگوں کے لئے بھی یہی طریقۂ عمل متعین ہے کہ رات کے آخر میں بیدار ہوں اور تہجد کی چند رکعتیں ادا کر لیا کریں، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسی کی تعلیم دی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے طویل عمر پائی، حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اصابہ میں امام ذہبیؒ کا قول نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان کی عمر کے متعلق میں نے متعدد اقوال پائے ہیں، وہ سارے اقوال اس پر متفق ہیں کہ ان کی عمر ڈھائی سو سال سے متجاوز ہو گئی تھی، اس سے زائد میں اختلاف ہے، پھر امام ذہبی فرماتے ہیں کہ لیکن میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے، میرے سامنے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ان کی عمر اَسّی سال سے زائد نہ تھی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام ذہبی نے اپنے قول کی کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے، شاید انھوں نے یہ بات اس لئے فرمائی ہو کہ وہ غزوات میں شریک ہوتے رہے ہیں، اور کندہ کی ایک خاتون سے نکاح کیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں طاقت موجود تھی، اور نشاط باقی تھا، حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ اگر عمر کا زیادہ ہونا ثابت ہو تو ان کی طاقت اور نشاط کا باقی رہنا بطور کرامت اور خرقِ عادت کے ہوگا، اور ایسا ماننے سے کوئی مانع تو ہے

نہیں، چنانچہ مشہور محدث ابوالشیخ نے ’’**طبقات الاصفهانین**‘‘ میں عباس بن زید کے طریق سے نقل کیا ہے کہ اہل علم فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ساڑھے تین سو سال تک حیات رہے، اور ڈھائی سو سال میں تو کوئی شک نہیں۔ (الاصابہ، ج:۳، ۱۹۹)

۳٦ھ میں آپ کا انتقال ہوا، بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ۳۲ھ یا ۳٦ھ میں انتقال ہوا۔ **رضی اللہ عنہ وأرضاہ**

☆☆☆☆☆

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

امام العلماء، عالم ربانی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، نہایت صالح، سنجیدہ اور صاحب استعداد نوجوان تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہ دل وجان سے آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے، اور چند ہی دنوں میں فیضِ نبوت کے اثر سے اسلامی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ بن گئے اور ان کا شمار صحابہ کے برگزیدہ افراد میں ہونے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ بسا اوقات ان کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھاتے اور اسرار وحکم کی باتیں تلقین کرتے، ان پر شفقت نبوی کا یہ حال تھا کہ وہ خود کوئی سوال نہ کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم نے مجھے تنہائی میں پا کر پوچھا کیوں نہیں۔ (سیر انصار، ص:۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام میں علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ''امام العلماء'' کا لقب عنایت فرمایا ہے۔ (جمع الفوائد)

ان کے کمال علم وفضل کی شہادت بخاری شریف کی وہ روایت ہے جسے انھوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے باب مناقب حضرت معاذ بن جبل میں درج کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: **سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إستقروأ القرآن من أربعةٍ، من ابن مسعود وسالم مولیٰ أبی حذیفة وأبی کعب ومعاذ بن جبل**، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرما رہے تھے کہ قرآن کریم چار آدمیوں سے پڑھو، عبداللہ بن مسعود سے، سالم مولیٰ ابو حذیفہ سے، ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی

ہے، اس میں آپ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ **أعلمهم بالحلال الحرام معاذ بن جبل،** حرام وحلال کے سب سے بڑے عالم معاذ بن جبل ہیں۔ (فتح الباری ج:۷، ص:۱۵۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں آیت کریمہ **إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ** پڑھی گئی، یعنی ابراہیم ایک امت تھے، اللہ تعالیٰ کے مطیع فرمانبردار تھے، اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معاذ بھی ایک امت تھے، اللہ کے فرمانبردار تھے، اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا، جانتے ہو ''امت'' وہ شخص ہے جو لوگوں کو خیر کی باتیں سکھاتا ہے، اور ''قانت'' وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔

(فتح الباری ج:۸، ص:۲۹۴)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، علم وفضل میں امامت کا درجہ رکھنے کے ساتھ نہایت عابد وزاہد تھے، نماز تہجد کا بہت اہتمام فرماتے تھے، ثور بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور یوں عرض گزار ہوتے: **اللّٰهم نامت العيون وغارت النجوم وأنت حيّ وقيوم اللّٰهم طلبى للجنة بطئ وهربى من النار ضعيف اللّٰهم اجعل لى عندك هدىً ترده إلىٰ يوم القيامة إنك لاتخلف الميعاد،** اے اللہ! آنکھیں سوگئیں، ستارے نیچے اتر گئے، اور آپ حی وقیوم ہیں، اے اللہ! میرا جنت طلب کرنا سست ہے اور جہنم سے بھاگنا کمزور ہے، یا اللہ! آپ اپنے پاس میرے لئے ہدایت رکھ لیجئے جسے قیامت کے روز مجھے عطا فرمائیں، بے شک آپ وعدہ کے خلاف نہیں کرتے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا وصال طاعون کی بیماری میں ہوا۔ یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ ۱۸ھ میں شام میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون پھیلا جو طاعون ''عمواس'' کے نام سے مشہور ہے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اسوقت سپہ سالار تھے، ان کی وفات اسی مرض میں ہوئی، وفات کے وقت انھوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو فوج کا امیر مقرر کیا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے طاعون کے بارے میں فرمایا کہ یہ وبا بلا نہیں ہے، خدا کی رحمت ہے، نبی کی دعا ہے، اور صالحین کے اٹھنے کی ساعت ہے، میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا کہ مسلمان شام میں ہجرت کریں گے، شام اسلام کے علم کے نیچے آئے گا، پھر ایک بیماری پیدا ہوگی جو پھوڑے کی طرح جسم کو زخمی کرے گی، جو اس میں مرے گا شہید ہوگا، اور اس کے اعمال پاک ہوجائیں گے۔ الٰہی اگر میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، تو یہ رحمت میرے گھر بھی بھیج اور مجھ کو اس میں کافی حصہ دے۔

(سیر انصار بحوالہ مسند احمد)

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، گھر آئے تو صاحبزادۂ محترم حضرت عبد الرحمٰن بیمار تھے، ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے داہنے ہاتھ کی کلمہ والی انگلی میں طاعون کی گلٹی نکلی، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نہایت خوش تھے، فرماتے تھے کہ تمام دنیا کی دولت اس کے سامنے ہیچ ہے، تکلیف بہت زیادہ تھی، بار بار بے ہوش ہوتے تھے، مگر جب ہوش آتا تو کہتے خدایا مجھ کو اپنے غم میں غمگین کر، کیونکہ میں آپ سے نہایت محبت رکھتا ہوں، اسکو آپ خوب جانتے ہیں، بار بار بے ہوش ہوتے جب ہوش آتا تو یہی فرماتے۔

جب وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا: اس رات سے خدا کی پناہ جس کی صبح جہنم میں ہو، مرحبا اے موت مرحبا جو ملنے کے لئے آئی، دوست آیا ہے مگر فاقہ کی حالت میں، اے اللہ! میں آپ سے ڈرا کرتا تھا، لیکن آج میں پُر امید ہوں۔ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں دنیا کو اور اس میں درازئ عمر اس لئے پسند نہیں کرتا تھا کہ نہریں کھودوں اور باغ لگاؤں، لیکن گرمی کی دوپہر کی پیاس برداشت کرنے کے لئے مشکل اوقات میں مجاہدہ کرنے کے لئے اور ذکر کے حلقوں میں علماء کے پاس بیٹھنے کے لئے زندگی کو چاہتا تھا۔

اسی حال میں علم و فضل، زُہد و تقویٰ اور عبادت و خشیت کی خوشبو میں رچی بسی روح عالم قدس میں حاضر ہوگئی۔ وفات کے وقت ان کی عمر صرف ۳۶ سال تھی ۱۸ھ میں وصال ہوا۔ رضی اللہ عنہ و أرضاہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

ترجمان القرآن، حبر الامت، امام التفسیر رسول اللہ ﷺ کے چچا کے صاحبزادے، آپ کی مقبول دعاؤں سے مالا مال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ابتدائی عمر میں ہی رسول اللہ ﷺ کے دائرۂ تربیت میں آگئے تھے، شوق تہجد کا یہ عالم تھا کہ ابھی دس سال کے بچے تھے، کہ رات بھر اس لئے جاگتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قیام اللیل کا مشاہدہ کریں، فرماتے ہیں کہ: **صلیت مع النبی ﷺ فقمت الیٰ جنبه عن یساره فأخذني فأقامني منی عن یمینیه......** (مسند احمد) میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (رات کی) نماز پڑھی، اس کے لئے میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہوگیا، آپ نے پکڑ کر مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کرلیا، اس وقت میری عمر دس سال تھی، (رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۲۴)

غالباً اسی موقع پر یا کسی اور وقت وہ اپنی خالہ مکرمہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارکہ میں حاضر تھے، تہجد کا وقت ہوا، تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے وضو کا پانی رکھا، آپ نے وضو کرکے پوچھا یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ ام المومنین نے فرمایا کہ ابن عباس نے، آپ نے خوش ہوکر انھیں دعا دی، **اللّٰھم فقھه فی الدین وعلمه التاویل**، اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور علم تاویل بخش!۔

(الاصابہ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کا خاندان دونوں مکہ مکرمہ میں ایک سخت آزمائشی دور سے گزر رہے تھے، یہ وہ وقت تھا جب تمام کفار نے مل کر بنی ہاشم کا بائیکاٹ کردیا تھا، اور یہ خاندان شعب

ابی طالب میں محصور تھا۔ (الاصابہ)

حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** قرآن کریم کی اس آیت کا مصداق تھے، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کے متعلق اس زمانے کے نبی کا قول نقل کیا ہے: **إِنَّ اللهَ اصْطَفَاهُ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ.** اللہ تعالیٰ نے ان کا تم لوگوں پر انتخاب کیا ہے، اور علم وجسم میں ان کو بڑھایا ہے۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے اصابہ میں حضرت ابوبکرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** ہمارے پاس بصرہ میں تشریف لائے اور ان جیسا جسم اور علم میں نیز جمال وکمال میں پورے عرب میں کوئی نہ تھا، وہ بہت خوبصورت، گورے چٹے، بلند وبالا اور لحیم وجسیم تھے۔ (الاصابہ)

اور ادب کا یہ حال تھا کہ انھوں نے تہجد کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنی چاہی، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر میں کرلیا، جب آپ نماز میں مشغول ہوگئے، تو یہ آہستہ سے پیچھے کھسک آئے، نماز سے فارغ ہوکر آپ نے سوال کیا کہ کیا بات ہوئی؟ عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ اللہ کے رسول ہیں، کیا کسی کے لئے مناسب ہے کہ وہ آپ کے برابر میں کھڑا ہوکر نماز پڑھے، اس پر خوش ہوکر آپ نے علم وفہم میں اضافہ کی دعا کی۔ (الاصابہ)

حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** عاقل ترین انسان تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے حق میں فرمایا: **له لسان سؤول وقلب عقول**، ان کے پاس بہت پوچھنے والی زبان، اور بہت سمجھنے والا دل ہے۔

امام دارمیؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو میں نے ایک انصاری نوجوان سے کہا کہ آؤ! ابھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بہت ہیں، ہم ان سے پوچھ پوچھ کر علم حاصل کریں، اس نے کہا، تم پر حیرت ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ لوگوں کو تمہاری ضرورت ہوگی؟ اس نوجوان نے ادھر

کا رُخ نہیں کیا، لیکن میں صحابہؓ کرام سے پوچھ پوچھ کر علم حاصل کرتا رہا، مجھے جب معلوم ہوجاتا کہ فلاں صحابی کے پاس کوئی حدیث ہے تو کبھی ایسے وقت ان کے دروازے پر پہونچتا، جب وہ دوپہر کو آرام فرمارہے ہوتے، میں چادر کا تکیہ بنا کر ان کے دروازے پر جم کر بیٹھ رہتا اور ہوا کی وجہ سے گردوغبار کی بارش میرے اوپر ہوتی رہتی، میں انھیں آواز نہ دیتا، جب وہ اپنی کسی ضرورت سے باہر نکلتے اور مجھے دیکھتے تو کہتے، اے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی! آپ کیوں تشریف لائے، مجھے بلوالیا ہوتا، میں خود حاضر خدمت ہوجاتا، میں کہتا نہیں، مجھے ہی آنا چاہیے، پھر ان سے حدیث کے متعلق پوچھتا، پھر ایک دور وہ آیا کہ میرے پاس علم حاصل کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی، وہ انصاری نوجوان مجھے دیکھتا تو کہتا کہ یہ جوان مجھ سے زیادہ عقل مند تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس **رضی اللہ عنہما** کا انتقال طائف میں ۶۸ھ میں ہوا۔ (الاصابہ)

قلم کا سر، امت کے اس عالم ربّانی کے حضور جھکا ہوا ہے، وہ اس وقت سے شب بیداری کا اہتمام کررہے ہیں جبکہ ابھی ان کی عمر دس سال سے آگے نہ بڑھی تھی، ان کا حوصلہ دیکھئے، وہ اس عزم کے ساتھ اپنی خالہ کے گھر رات گزارتے ہیں کہ پوری رات جاگ کر دیکھیں کہ رات میں رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے ہیں، پھر انھیں اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں آنکھ نہ لگ جائے، تو اپنی خالہ کو تاکید کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اُٹھیں تو مجھے بھی جگادیجئے گا۔ پھر ان کا ادب ملاحظہ ہو، تمام وقت جاگ کر گزارا، مگر جب وہ اٹھتے ہیں تو اس طرح انگڑائی لیتے ہیں جیسے ابھی سوکر اٹھے ہیں، کہیں رسول اللہ ﷺ کو یہ احساس نہ ہوجائے کہ یہ انتظار ونگرانی میں تھے، اور پھر پوری رات عبادت ومجاہدہ میں گزارتے ہیں۔ (رہبان اللیل)

یہ شوق اور یہ ادب! اور پھر اس پر رسول اللہ ﷺ کی مقبول دعائیں! اللہ اکبر! کیا رتبہ اور کیا مقام ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

صاحب عبادت وریاضت، شیدائے روزہ وتلاوت، تہجد گزار اور خاشع وخاضع حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ (عمرو: یہ لفظ عین کے زبر اور میم کے جزم کے ساتھ ہے، لکھنے میں راء کے بعد واو آتا ہے، اسے پڑھا نہیں جاتا، تلفظ اس کا عَـمْـرو ہے) اپنے والد گرامی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے پہلے بالکل ابتدائے نوجوانی میں رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں آگئے، جاہلیت میں ان کا نام عاص (نافرمان) تھا، آنحضرت ﷺ نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔ (الاصابہ)

شوقِ عبادت کا حال یہ تھا کہ ان کے والد گرامی نے خاندان قریش کی ایک خاتون سے ان کا نکاح کردیا، مگر یہ اپنی عبادت کی دُھن میں اس کی طرف التفات ہی نہ فرماتے تھے، راتیں نماز میں گزرتیں اور دن روزے میں کٹ جاتے، عورت کی جانب رغبت ہوتی ہی نہ تھی، ایک دن حضرت عمرو بن عاص اس خاتون کے پاس آئے، اور اس سے دریافت فرمانے لگے کہ تم نے اپنے شوہر کو کیسا پایا؟ اس نیک بخت نے جواب دیا کہ بہت اچھے آدمی ہیں، نہ انھوں نے ہماری جامہ تلاشی لی اور نہ ہمارے بستر کے پاس آئے، یہ بات سن کر حضرت عمرو بن عاص بہت ناراض ہوئے، بیٹے کو ڈانٹا، اور فرمایا کہ میں نے ایک معزز خاتون سے تمہارا نکاح کیا، اور تم نے اسے لٹکا کر رکھ دیا، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی، آپ نے انھیں بلا کر دریافت فرمایا کہ تم ہر دن روزہ رکھتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں، فرمایا کیا تم رات بھر نماز پڑھتے ہو، عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا لیکن میں تو روزہ بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں، جو شخص میرے طریقے سے ہٹے گا، اس کا مجھ سے تعلق نہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی تلاوت مہینے میں ایک ختم کیا کرو، انھوں نے عرض کیا میں اپنے کو اس سے زیادہ طاقتور محسوس کرتا ہوں، آپ نے فرمایا، دس دن میں ایک ختم پڑھ لیا کرو، عرض کیا، اس سے زیادہ کی مجھے قوت ہے، فرمایا اچھا تین دن میں پورا کرلیا کرو۔

اس کے بعد فرمایا کہ مہینے میں تین دن روزہ رکھ لیا کرو، عرض کیا اس سے زیادہ رکھ سکتا ہوں، آپ نے فرمایا اچھا ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن ناغہ کرو، یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے، اور یہ سب سے معتدل روزہ کا طریقہ ہے، عرض کیا، میں اس سے افضل کی طاقت پاتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ اس سے افضل روزہ نہیں۔ (مسلم شریف)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم پر تمہاری بیوی کا حق ہے، تم پر تمہارے ملاقاتی کا حق ہے، تم پر تمہارے بدن کا بھی حق ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم کو معلوم نہیں، شاید تمہاری عمر لمبی ہو، مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے میں جب بدن کمزور اور بیمار ہوجائے گا، تب اس کی پابندی دشوار ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کی عطا فرمائی ہوئی رُخصت قبول کرلئے ہوتا، (حلیۃ الاولیاء) واقعی یہ حضرات اللہ کی بندگی کرتے تھے، اور بصد ذوق وشوق کرتے تھے، دنیا کی کوئی لذت، کوئی خواہش، بلکہ ضرورت بھی عبادت سے مانع نہ بنتی تھی۔ انسان کھانے کا کیسا شیدا ہوتا ہے، اور نیند اسے کس قدر محبوب ہوتی ہے، اور عورت کی جانب کیسی رغبت ہوتی ہے، مگر یہاں عبادت کی وہ دُھن تھی کہ نہ کسی ضرورت کا ہوش تھا، اور نہ کسی لذت وراحت کا خیال تھا، رسول اللہ ﷺ انسانی ضعف کا لحاظ کرتے ہوئے رُخصت دیتے ہیں، مگر یہ اپنی طاقت کا حوالہ دیتے ہوئے اس رُخصت سے معذرت کرتے ہیں، آپ اس پر ناراض نہیں ہوتے بلکہ رُخصت برقرار رکھتے ہوئے اس میں کچھ کمی کردیتے ہیں، اور عبادت میں قدرے اضافہ کردیتے ہیں، پھر انھوں نے زندگی کے ہر مرحلہ میں اس کو نبھایا۔ فرضی اللہ عنہ وأرضاہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا وصال ۶۵ھ میں ہوا۔

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

مشہور انصاری صحابی جنھوں نے آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور منیٰ کی گھاٹیوں میں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان وتوحید اور وفاداری کی بیعت کی، آپ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ **نعم الرجل أسيد بن حضير** (اسید بن حضیر بہت خوب آدمی ہیں) (الاصابہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار میں تین شخص ایسے ہیں جن کے فضل وکمال تک کوئی نہیں پہونچا، اور سب کا تعلق بنی عبد الاشہل سے ہے، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم (الاصابہ)

وہ خود فرماتے ہیں کہ تین اوقات میں میرا جو حال ہوتا ہے، کاش میرا وہی مستقل حال ہوتا، ایک اس وقت جب میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہوں یا اسے سنتا ہوں، دوسرے اس وقت جب نبی کریم ﷺ کا خطبہ سنتا ہوں، تیسرے اسوقت جب میں جنازہ میں ہوتا ہوں۔ (الاصابہ)

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی تہجد گزاری کا ایک واقعہ معروف ہے، جس میں ان کی تلاوت کو سننے کے لئے فرشتوں کا ایک مبارک مجمع آسمان سے اتر آیا تھا، یہ واقعہ امام بخاری اور امام مسلم دونوں نے نقل کیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ:

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تہجد کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے، ایک روایت میں ہے کہ سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کا گھوڑا اچھلنے لگا، لیکن وہ پڑھتے رہے، پھر وہ اچھلنے لگا، انھوں نے اپنا پڑھنا جاری رکھا، پھر وہ تیسری بار اور زیادہ اچھلنے لگا،

ان کے چھوٹے بیٹے یحییٰ وہیں سوئے تھے، انھیں اندیشہ ہوا کہ یحییٰ کے بدن پر نہ چڑھ جائے انھوں نے قرأت بند کردی، نماز سے فارغ ہوکر گھوڑے کے پاس گئے، انھوں نے دیکھا کہ ان کے سر کے اوپر سائبان جیسی کوئی چیز ہے، جس میں بہت سے قمقمے روشن ہیں، اور وہ چیز اب اوپر جارہی ہے، اور کچھ دیر میں نظروں سے غائب ہوگئی، حضرت اسید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صبح کو حضرت ﷺ کی خدمت حاضر ہوا، اور میں نے بتایا کہ میرے سر کے اوپر سائبان جیسی کوئی چیز تھی، جس میں بہت سے قمقمے روشن معلوم ہورہے تھے، وہ سب فضا میں غائب ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے، جو تمہارے قرآن کو سن رہے تھے، اگر اپنے پڑھنے کو جاری رکھے ہوتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے، اور لوگ بھی انھیں دیکھتے، بخاری کی روایت میں ہے کہ وہ فرشتے تھے، جو تمہاری آواز سن کر قریب آگئے تھے۔

ایک صحیح روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ انھیں لحن داؤدی عطا فرمایا گیا ہے، اسی طرح حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی فرمایا کہ أوتی من مزامیر آل داؤد، اسید کو لحن داؤدی عطا کیا گیا ہے۔ (صحیح رواہ الاسماعیلی، رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۳۱)

کس اہتمام، کس خشوع وخضوع اور کس حسن صوت کے ساتھ صحابی جلیل حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی تلاوت وقرأت تھی کہ فرشتوں کا مجمع آسمان سے اتر آیا، اس سے خشوع وخضوع کے مقام بلند کا بھی پتہ چلتا ہے، اور تہجد کی نماز کی برکت بھی معلوم ہوتی ہے، نیز قرآن کریم کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کی تاثیر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فرشتے جھوم جائیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صفہ کے مشہور طالب علم ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں آخر تک صفہ ہی میں رہے، وہ تمام اہل صفہ کو جانتے اور پہچانتے تھے، حضور اکرم ﷺ جب کسی ضرورت سے تمام اہل صفہ کو جمع کرنا چاہتے تو انھیں بلانے کے لئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کو مقرر فرماتے، کیونکہ وہ سب کو ان کے مرتبوں کے ساتھ پہچانتے تھے، انھوں نے تحصیل علم اور صحبت نبوی کے التزام کے لئے شدید فقر و فاقے جھیلے ہیں، انھیں دنیا کے کسی کاروبار سے واسطہ نہ تھا، بس ایک دُھن تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں دن رات رہ کر علم کی دولت سمیٹتے رہیں۔

خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے منبر اور حجرہ عائشہ کے درمیان کبھی بھوک کی وجہ سے گرا پڑا رہتا تھا، لوگ کہتے تھے کہ یہ دیوانہ ہے، حالانکہ مجھے دیوانگی نہ تھی، صرف بھوک ہوتی تھی۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۲۵۲)

پھر رسول اللہ ﷺ کی برکتِ صحبت سے اللہ تعالیٰ نے نوازا، رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے سب سے بڑے راوی و ناقل صحابہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہوئے، تمام علماء و محدثین کے مرجع اور امام بنے، اللہ نے دینی اور دنیوی دونوں طرح کے مرتبوں سے نوازا، فرماتے ہیں کہ ابتداءً میں یتیم تھا، ہجرت کی تو مسکین تھا، اور غزوان کی بیٹی کا ملازم تھا، لوگ سواری پر ہوتے، تو میں سواری ہانکتا، اور جب کہیں پڑاؤ ڈالتے تو میں لکڑیاں جمع کرتا، اب الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو بلندیٔ مرتبہ کا سامان بنایا اور ابو ہریرہ کو امام بنایا۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۲۵۳)

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں حضرت ابو عثمان نہدی کے حوالے سے نقل

کیا ہے: وہ فرماتے ہیں، میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کا سات روز تک مہمان رہا، میں نے دیکھا کہ انھوں نے، ان کی اہلیہ نے اور ان کے خادم نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے، ہر ایک اپنے حصے میں رات کو نماز پڑھتا ہے، پھر دوسرے کو جگا دیتا ہے۔

اور ابن سعد نے حضرت عکرمہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ ہر روز بارہ ہزار مرتبہ **سبحان اللہ** پڑھتے تھے۔ (الاصابہ، ج:۷، ص:۳۶۰)

سبحان اللہ! حضرت ابو ہریرہ ؓ کی زندگی کا مشغلہ یہی تھا کہ دن میں حدیث رسول کی تکرار کریں، رات میں تہجد کی نماز پڑھیں، اور تسبیح و استغفار کریں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی۔ **رضی اللہ عنہ وأرضاہ**

☆☆☆☆☆

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ

یہ وہ صحابی ہیں جنھوں نے دجال کا مشاہدہ کیا اور اس واقعہ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آ کر نقل کیا تھا اور آپ نے مجمع میں ان کے حوالے سے ان کا مشاہدہ بیان کیا تھا۔

ان کے متعلق حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے الاصابہ میں لکھا ہے کہ: **كان رضى الله عنه كثير التهجد قام ليلة بآية حتىٰ أصبح وهى (أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوْا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ٥** الجاثیۃ: ۲۱)

حضرت تمیم داری بہت زیادہ پابند تہجد تھے، اور بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے، ایک رات تو تہجد کی نماز میں صرف ایک آیت کی تکرار کرتے رات گزار دی (وہ آیت اوپر لکھ دی گئی ہے) اسکا ترجمہ یہ ہے: کیا وہ لوگ جنھوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ ہم ان کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کے ساتھ کریں گے، ایک سا ہے ان کا مرنا اور جینا، برا دعویٰ ہے جو یہ کرتے ہیں۔

اس آیت کا تاثر حضرت تمیم داری کے دل پر قائم ہوا کہ پوری رات اسے دہراتے رہے، حضرت مسروق (مشہور تابعی) فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص نے وہ جگہ مجھے دکھائی جہاں حضرت تمیم داری کی وہ رات گزری تھی، اس نے کہا: **هٰذا مقام أخيك تميم فذكره**، یہ تمہارے بھائی تمیم کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے، پھر اس نے یہ واقعہ ذکر کیا۔ (الاصابہ، ج:۱، ص:۴۸۸)

ایک شخص حضرت تمیم داری کی خدمت میں آیا، اس نے دریافت کیا کہ آپ کی نمازِ تہجد کس طرح ہوتی ہے، اس کی کیا کیفیت ہے، اس پر وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا: خدا کی قسم میں پوشیدہ طور پر رات کے سناٹے میں ایک رکعت پڑھوں، یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ میں پوری رات نماز پڑھوں، اور پھر اسے لوگوں سے بیان کرتا پھروں، اس جواب پر وہ پوچھنے والا بہت خفا ہوا اور کہنے لگا، اے رسول اللہ کے اصحاب! اللہ آپ لوگوں کو خوب جانتا ہے، اگر ہم آپ سے کوئی سوال کرتے ہیں، تو آپ ہم پر سختی کرتے ہیں، اور نہ پوچھیں تو ہم سے بے رُخی کرتے ہیں، اس پر حضرت تمیم داری اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اچھا ایک بات بتاؤ، فرض کرو تم ایک طاقتور مومن ہو، اور میں ایک کمزور مومن ہوں، تو کیا تم مجھ پر چڑھ کر اپنی قوت کا کوئی حصہ دیدو گے؟ اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم مومن ضعیف ہو اور میں مومن قوی ہوں تو کیا میں تم پر چڑھ کر اپنی قوت کا کوئی حصہ تم کو دیدوں گا، اسے رہنے دو، تم اپنے دین کے لئے اپنے نفس سے حصہ لو، اور اپنے نفس کے لئے اپنے دین سے حصہ لو، (یعنی اپنی طاقت کے بقدر دینی اعمال کو اختیار کرو، اور ان پر مستقل مزاجی کے ساتھ جمع رہو) یہاں تک کہ اپنی اختیار کردہ عبادت پر تم کو استقامت حاصل ہو جائے۔ (رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۳۲)

حضرت مبارک فرماتے ہیں کہ مجھے کثرت عبادت کے متعلق حضرت تمیم داری کے بارے میں جتنی خبر ملی ہے، نبی ﷺ کے اصحاب میں کسی اور کے متعلق اتنی خبر نہیں ملی ہے۔

نماز اور تہجد کا انھیں اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے لئے انھوں نے ایک بیش قیمت جوڑا خرید رکھا تھا، اسی کو پہن کر وہ نماز پڑھتے، اس کی قیمت ایک ہزار درہم تھی۔

حضرت جعفر بن عمرو فرماتے ہیں کہ ہم لوگ صحابۂ کرام کے بیٹوں کی ایک جماعت تھی، ہم نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے والدین ہجرت میں اور نبی ﷺ کی صحبت میں ہم پر سبقت لے گئے، تو ہم کیوں نہ ایسا کریں کہ عبادت میں خوب محنت کریں، شاید ہم بھی

ان کے فضل وکمال کے قریب پہونچ جائیں، یہ جماعت حضرت عبداللہ بن زبیر، محمد بن ابوحذیفہ، محمد بن ابوبکر، محمد بن طلحہ اور محمد بن عبدالرحمٰن بن عبدیغوث پر مشتمل تھی، فرمایا کہ پھر ہم شب وروز عبادت میں سرگرم ہوگئے، لیکن ہم نے حضرت تمیم داری کو پایا، وہ بہت بوڑھے تھے مگر لمبی نماز میں نہ ہم ان کے برابر کھڑے ہوسکے، نہ بیٹھ سکے۔ (کتاب الزہد لابن حنبل رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۳۲)

امام ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک آگ ظاہر ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمیم داری کے پاس آئے اور فرمایا، اس آگ کے پاس چلو (یعنی چل کر اسے ہٹاؤ) وہ فرمانے لگے کہ حضرت! میں کون ہوں اور میں کیا ہوں؟ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ برابر اصرار کرتے رہے، پھر وہ امیر المومنین کے ساتھ اُٹھے اور اپنے ہاتھوں سے، اور ایک روایت میں ہے کہ اپنی چادر سے اس آگ کو ہانکنے لگے، وہ آگ ان کے اشارے سے ہٹتی گئی، یہاں تک کہ وہ ایک غار میں یا جھاڑیوں میں داخل ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابورقیہ! اسی طرح کے کمالات کی وجہ سے ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ (رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۳۲)

واقعی جو شخص اللہ کی عبادت میں اپنے آپ کو فنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسکو اسی طرح کے اعزاز واکرام سے نوازتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت عباد بن بشر انصاری ؓ

جلیل القدر انصاری صحابی عابد وزاہد، قرآن کی تلاوت سے بے حد شغف رکھنے والے، حضرت اُسید بن حضیر ؓ کے تذکرے میں ان کا ذکر گزر چکا ہے کہ انصار میں تین صحابی ایسے ہیں کہ ان کے فضل وکمال کو کوئی نہیں پہونچ سکا، ان میں سے ایک عباد بن بشر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ، ایک رات رسول اللہ ﷺ نے میرے حجرے میں نمازِ تہجد ادا کی، آپ نے مسجد میں عباد بن بشر کی آواز سنی، آپ نے فرمایا، اے عائشہ یہ عباد بن بشر کی آواز ہے، میں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا **اللّٰھم اغفر له**، اے اللہ اسے بخش دیجئے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا **اللّٰھم ارحم عباداً**، اے اللہ عباد پر رحم فرما۔ (رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۳۳، الاصابہ، ج:۳، ص:۴۹۶)

یہ عباد بن بشر ہیں، ان کا ایک بہت ہی حیرتناک واقعہ ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو تہجد کی نماز اور اس میں تلاوت قرآن سے کیسا شغف تھا، زخم ایسا لگا کہ ہلاکت ہوجاتی، مگر نماز وتلاوت میں وہ انہماک ہے کہ اس کی طرف التفات ہی نہیں ہے، واقعہ کے راوی مشہور صحابئ رسول حضرت جابر بن عبداللہ ؓ ہیں، امام ابوداؤد نے سنن میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: ہم ایک بار رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک غزوہ کے لئے نکلے تو ایک مسلمان شخص نے ایک کافر کی عورت کو گرفتار کرلیا، اس کافر نے قسم کھائی کہ جب تک میں ایک مسلمان کا خون نہ بہالوں گا چین سے نہ بیٹھوں گا، وہ نبی کریم ﷺ کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ آپ نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور فرمایا کہ ہماری پہرے داری کون کرے گا، اس پر دو صحابی اُٹھے، ایک مہاجرین میں سے

(حضرت عمار بن یاسرؓ) اور ایک انصار میں سے (حضرت عباد بن بشرؓ) آپ نے فرمایا کہ وادی کے دہانہ پر رہنا، دونوں آدمی وادی پر پہونچے، تو آپس میں مشورہ کر کے مہاجر صحابی سو گئے، اور انصاری صحابی نماز میں مشغول ہو گئے، وہ کافر وادی کے قریب آیا، اس نے عباد بن بشر کو کھڑا دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ قوم کا پہرے دار ہے، اس نے تیر جوڑا اور چلا دیا، تیر انھیں لگا، لیکن انھوں نے کھینچ کر پھینک دیا، اس نے یکے بعد دیگرے تین تیر چلائے، اور تینوں نشانے پر بیٹھے، یہ ہر ایک کو نکال کر پھینکتے گئے، پھر انھوں نے رکوع اور سجدہ کیا، نماز سے فراغت کے بعد اپنے ساتھی کو بیدار کیا، وہ کافر تو بھاگ گیا، مگر مہاجر صحابی نے جب انصاری صحابی کا یہ حال دیکھا تو کہا سبحان اللہ! پہلے ہی تیر پر آپ نے مجھے جگا کیوں نہیں دیا، فرمایا، میں ایک سورہ کی تلاوت میں تھا، میں نے نہیں چاہا کہ درمیان میں اسے کاٹوں۔ ایک روایت میں اس کی صراحت ہے کہ یہ سورہ، سورۂ کہف تھی۔

اللہ اکبر! کسی زبان کے الفاظ وکلمات اس کیفیتِ صادقہ کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں کہ تیر کے زخم پر زخم لگ رہے ہیں، مگر اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کون سا ذوق وشوق تھا، اور محبت کا وہ کون سا جذبۂ بے اختیار تھا، جس نے اس عاشق ذوالجلال اور صحابئ باکمال کو ہلنے نہیں دیا، نہ نماز توڑی، نہ خشوع وخضوع میں کوئی فرق آیا، بدن سے خون جاری ہے، اور زبان پر تلاوت کلام اللہ رواں دواں۔

حضراتِ صحابۂ کرام نے واقعی محبت وفنائیت کی وہ اعلیٰ مثال قائم کر دی، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، یہ حضرات ظاہر وباطن ہر اعتبار سے حق تعالیٰ کے غلام اور بندے تھے، بندگی ہو تو ایسی ہو۔ لمثل ھٰذا فلیعمل العٰملون

☆☆☆☆☆

حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ

مشہور قاری قرآن، جن کی قرأت وترتیل کو رسول اکرم ﷺ نے پسند فرمایا، مسجد قبا کے امام تھے، ان کی اقتداء میں حضرت ابوبکر وعمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نماز ادا کرتے تھے، وہ قرآن کے حافظ تھے۔ (بخاری وطبرانی)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ قرآن کریم کو چار شخصوں سے حاصل کرو، عبداللہ بن مسعود سے، سالم مولیٰ ابوحذیفہ سے، ابی بن کعب سے اور معاذ بن جبل سے۔

حضرت سالم حافظ قرآن تھے، اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے، تہجد کی نماز میں نہایت خوش آوازی سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنی سند سے اپنی کتاب ''الجہاد'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ ایک رات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دیر سے پہونچیں، آپ نے پوچھا کہاں رک گئی تھیں، عرض کیا، میں ایک قاری کی قرأت سننے لگی تھی، انھوں نے ان کے حسن قرأت کا تذکرہ کیا، آپ نے اپنی چادر سنبھالی اور ان قاری کی قرأت سننے تشریف لے گئے، وہ تھے سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ! آپ نے فرمایا: **الحمد لله الذی جعل فی أمتی مثلك**، الحمدللہ کہ اللہ نے میری امت میں تمہارے جیسے شخص کو رکھا۔ (الاصابہ، ج:۳، ص:۱۳۰)

آپ ﷺ کے اس ارشاد سے حضرت سالم کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ شکر گزار ہیں کہ سالم جیسے خوش آواز قاری قرآن آپ کی امت میں ہیں، اس سے بڑھ کر شرف واعزاز کیا ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد عرب کی بعض سرحدوں میں ارتداد پھیل گیا، کئی

جھوٹوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، ان میں سب سے بڑا طاغیہ مسلیمہ کذاب تھا، اس کا جتھا بڑا تھا، جنگ یمامہ میں وہ ہلاک ہوا، اس جنگ میں حضراتِ صحابہ بالخصوص حفاظِ قرآن کی ایک بڑی جماعت راہِ حق میں قربان ہوئی، اس میں حضرت سالم بھی شریک تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے کتاب الجہاد میں یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ حضراتِ مہاجرین کا جھنڈا حضرت سالم کے ہاتھ میں تھا، بعض لوگوں نے کہا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ آپ کو تکلیف پہونچ جائے، انھوں نے فرمایا کہ اگر میں راہِ فرار اختیار کروں تو میں نہایت برا حافظ قرآن ہوں گا، جنگ میں ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا، انھوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا تھام لیا، وہ بھی کاٹ دیا گیا، تو آپ نے گردن سے چمٹا لیا حتیٰ کہ وہ شہید ہوگئے۔ (الجہاد لابن مبارک) (الاصابہ، ج:۳، ص:۱۳۰)

حلیۃ الاولیاء میں حافظ ابونعیم نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے سالم مولیٰ ابوحذیفہ کا تذکرہ سنا، آپ فرمارہے تھے کہ سالم، اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ محبت رکھنے والے ہیں، نیز انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میں اپنے بعد سالم کو خلیفہ بنادوں، اور میرا رب مجھ سے سوال کرے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو میں عرض کروں گا کہ پروردگار! میں نے آپ کے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ سالم اللہ تعالیٰ سے دل سے سچی محبت رکھتے ہیں۔

(تہذیب حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۵۳)

☆☆☆☆☆

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

صحابۂ کرام میں عاقل ترین صحابی، ۸ھ میں اسلام لائے، لوگوں کو اس پر تعجب تھا کہ اس درجہ عقل مند ہونے کے باوجود اسلام لانے میں تاخیر کیوں کی، مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کی ایک خاص قدر و منزلت تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ انھیں پیدل چلتے دیکھ کر فرمایا تھا کہ اس شخص کو کہیں کا حاکم اور امیر ہونا چاہئے۔

(الاصابہ، ج:۴، ص:۴۳۹)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ قیام اللیل کے پابند تھے، فرماتے تھے کہ رات کی ایک رکعت دن کی دس رکعت سے افضل ہے۔ تہجد کی نماز میں ان کا قلبی حال کیا ہوتا تھا، ان کی ایک ادا سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، جو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور کر رہے تھے، قیام اللیل میں امام ابونصر مروزی نے اس کو نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو۔ رو رہے ہیں اور اللہ کے حضور مناجات کر رہے ہیں۔

اے اللہ! آپ نے عمرو کو مال عطا فرمایا، اگر اس کا سارا مال لے لیں اور اسے جہنم کے عذاب سے بچالیں تو اسے منظور ہے، اس کا سارا مال لے لیجئے۔

اے اللہ! آپ نے عمرو کو اولاد بخشی ہے، اگر اولاد اس سے چھین لیں، اور اس کا صدمہ اس کے دل پر ہو، لیکن اس کی وجہ سے آپ اسے عذاب جہنم سے بچالیں تو اسے منظور ہے۔

اے اللہ! آپ نے عمرو کو حکومت عطا فرمائی ہے، اگر اس سے حکومت سلب کرلیں، اور اسے آگ کے عذاب سے بچالیں تو اسے منظور ہے۔ (مختصر قیام اللیل ص:۲۲)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا وصال ۴۳ھ میں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ

حواریٔ رسول حضرت زبیر بن عوّام کے صاحبزادے، حضرت صدیق اکبرؓ کے نواسے، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے، رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے پوتے، قاریٔ قرآن، عفیف الاسلام حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ قائم اللیل اور صائم النہار تھے، ہجرت نبوی کے سال پیدا ہوئے، ان کی ولادت سے مسلمانوں کو بڑی خوشی حاصل ہوئی، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے کہ جب مسلمانوں نے مدینہ طیبہ ہجرت کرنی شروع کی، اور مسلمان مسلسل مدینہ میں آکر بسنے لگے تو یہود حسد کی آگ میں جل اُٹھے، اللہ کی مشیت کہ سلسلۂ ہجرت شروع ہونے کے بعد مسلمانوں کے یہاں کوئی ولادت نہیں ہوئی۔ یہود کہنے لگے ہم نے انھیں باندھ دیا ہے، مدینہ میں ان کے کوئی اولاد پیدا نہ ہوگی، حضرت عبداللہ کی ماں اسماء بنت ابوبکر صدیق نے ہجرت کی، قباء میں پہونچیں تو حضرت عبداللہ پیدا ہوئے، مسلمانوں نے جب ان کی ولادت کی خبر سنی تو اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پیدا ہونے کے بعد انھیں دودھ نہیں پلایا، بلکہ حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئیں، آپ نے کھجور چبا کر ان کے منہ میں ڈالی، سب سے پہلی چیز جو ان کے پیٹ میں گئی، رسول اللہ ﷺ کا لعابِ مبارک تھا، آپ نے ان کے بدن پر ہاتھ پھیرا، اور عبداللہ نام رکھا۔

عبداللہ جب ہوش کی عمر کو پہونچے، تو مسلمانوں کے کچھ اور بچوں کے ساتھ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارکہ میں پیش کیا گیا تا کہ برکت کے واسطے ان کو آپ بیعت فرمالیں، انھیں آپ ﷺ کی برکت حاصل ہو، اور ان کے لئے ایک یادگار معاملہ رہے، آپ

کے پاس جانے سے سب لڑکھڑانے لگے، مگر حضرت عبداللہ بن زبیر بے دھڑک حاضر خدمت ہوگئے، آپ مسکرائے اور فرمایا: یہ اپنے باپ ہی کا تو بیٹا ہے، پھر آپ نے بیعت فرمالیا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک زبردست بہادر ہیں، تو ان کا بیٹا بھی انھیں کی طرح نڈر رہے، چنانچہ بعد کی زندگی میں ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر بھی بہادر ترین انسان تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر اسلام میں پاکیزہ، قاری قرآن تھے، ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے، ان کی ماں صدیق اکبر کی صاحبزادی تھیں، ان کی دادی حضرت صفیہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں، ان کے والد کی پھوپھی ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنھا تھیں۔

مشہور تابعی محدث حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر سے بہتر نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا، مجاہد فرماتے ہیں کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ کوئی ستون کھڑا ہے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ جتنی عبادتیں ہوسکتی ہیں، حضرت عبداللہ بن زبیر نے سب کا اہتمام کیا ہے۔ ایک بار مکہ مکرمہ میں سیلاب آیا، اور مسجد حرام میں پانی بھر گیا، تو میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر تیر کر طواف کررہے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ مکرمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق فرماتی ہیں کہ عبداللہ **قوام اللیل** اور **صوام النھار** تھے، یعنی راتوں کو نماز و عبادت میں کھڑے رہتے اور دن کو روزہ رکھا کرتے تھے، ان کا نام ہی لوگوں نے ''حمام المسجد'' (مسجد کا کبوتر) رکھ دیا تھا۔ (یہ تمام مضامین **الاصابہ لحافظ ابن حجر** سے ماخوذ ہیں)

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رات میں سوتے نہ تھے، ایک رات میں پورا قرآن ختم کرلیتے تھے، ہمیشہ مصروفِ عبادت رہتے، کبھی

پوری رات قیام میں بسر کرتے، کبھی رکوع میں گزارتے، کبھی سجدے میں رات ختم کردیتے، یہی حضرت سالم فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر کے عہد خلافت میں عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اس وقت ان کی شہادت ہوچکی تھی، اور ظالموں نے انھیں پھانسی پر لٹکا رکھا تھا، انھوں نے اپنے خدام سے فرمادیا تھا کہ مجھے عبداللہ بن زبیر کے پاس مت لے جانا، میں انھیں پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتا، مگر ہم لوگ اس خیال سے انھیں لے گئے کہ دیکھیں ان کو پھانسی پر دیکھ کر یہ کیا تاثر ظاہر کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو منع کیا تھا، پھر وہ ان کی لاش کے قریب گئے اور فرمایا اے عبداللہ بن زبیر! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، میں تمہارے بارے میں یہی جانتا ہوں کہ تم مسلسل روزہ رکھنے والے، شب زندہ دار، تہجد گزار، اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے تھے، واللہ جس امت کے برے آدمی تم جیسے ہوں، وہ امت کامیاب وبامراد ہے۔ (مختصر قیام اللیل ص:۱۴)

مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کا خیال صحیح مان لیا جائے جنھوں نے تم کو برا سمجھ کر پھانسی پر لٹکایا ہے تو بلاشبہ تمہارے جیسا نیک، تہجد گزار، صائم الدہر انسان اگر کسی امت کا کمترین فرد ہے، تو کہنا چاہئے کہ اس امت میں کوئی ناکام ونامراد شخص ہے ہی نہیں۔

۷۳ھ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

☆☆☆☆☆

حضرت سعید بن عامر جحمی رضی اللہ عنہ

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ نہایت عابد وزاہد صحابی ہیں ، بڑے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، منصب حکومت پر فائز ہونے کے باوجود دنیاوی مال ومتاع سے بے رغبت ہی رہے ، قیام اللیل کا بڑا اہتمام کرتے تھے ، غزوۂ خیبر کی جنگ میں اوراس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حمص کا گورنر مقرر فرمادیا تھا ، ایک بار امیر المومنین حمص تشریف لائے ، تو انھوں نے اہل حمص سے ان کے بارے میں پوچھا ، حمص کواس وقت ''چھوٹا کوفہ'' کہا جاتا تھا ، جس طرح کوفہ والے اپنے حاکم کی شکایت ضرور کرتے تھے ، یہی حال کچھ حمص والوں کا بھی تھا ، انھوں نے کہا کہ ہمیں ان سے چار باتوں کی شکایت ہے۔

(۱) پہلی بات یہ کہ جب تک سورج خوب اوپر نہیں چڑھ جاتا ، یہ گھر سے باہر نہیں نکلتے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ رات میں کسی کی کوئی بات نہیں سنتے ، نہ کسی کا کوئی کام کرتے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ مہینہ میں ایک دن ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس میں وہ سرے سے باہر نکلتے ہی نہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ کسی کسی دن ان پر جانکنی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرجائیں گے۔

حضرت امیر المومنین نے یہ شکایات سن کر فرمایا کہ یہ تو بڑی سخت باتیں ہیں ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کو جمع کیا اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ان کے بارے میں میری رائے غلط نہ ثابت ہو ، فرمایا کہ شکایتیں بیان کرو ، جب پہلی شکایت دہرائی گئی ، تو حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے ان سے جواب طلب کیا، انھوں نے عرض کیا، میں اس کا تذکرہ پسند نہیں کرتا، لیکن اب مجبوری ہے، اس لئے بتا رہا ہوں کہ میرے گھر کوئی خادم نہیں ہے، میں خود ہی آٹا گوندھتا ہوں، پھر خمیر اٹھنے تک انتظار کرتا ہوں، پھر خود ہی روٹی پکاتا ہوں، اس کے بعد وضو کرکے باہر نکلتا ہوں، یہ وجہ ہے تاخیر سے نکلنے کی۔

دوسری شکایت دہرائی گئی کہ رات میں کسی کی کوئی بات نہیں سنتے، نہ کسی کا کوئی کام کرتے ہیں، فرمایا، میں اس کا بھی ذکر پسند نہیں کرتا، مگر اب تو بتانا ضروری ہے کہ میرا دن تو ان لوگوں کی خدمت کے لئے وقف ہے، تو میں نے رات کو اپنے پروردگار کے لئے وقف کردیا۔ اس وقت عبادت کی مشغولی ہوتی ہے۔

تیسری شکایت بیان کی گئی کہ مہینہ میں ایک دن ایسا ہوتا ہے کہ گھر سے باہر نکلتے ہی نہیں۔ فرمایا کہ میرے پاس کوئی خادم نہیں ہے، جو میرے کپڑے دھودیا کرے، اور نہ میرے پاس اور کپڑے ہیں کہ بدل لیا کروں، تو مہینے میں ایک روز اپنے سب کپڑے دھوتا ہوں، انھیں سکھاتا ہوں، انھیں درست کرتا ہوں، تب انھیں پہن کر شام کو باہر نکلتا ہوں۔

چوتھی بات جب بیان کی گئی تو فرمایا کہ جب حضرت خبیب انصاری رضی اللہ عنہ کو کفارِ مکہ نے شہید کیا تھا تو اس وقت میں وہاں موجود تھا، انھوں نے ان کے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر بدن سے جدا کردیئے تھے، اس کے بعد انھیں سولی پر چڑھادیا تھا، اس وقت ان سے کفار نے پوچھا تھا کہ کیا تمہیں منظور ہے کہ یہاں تمہارے بجائے ''محمد'' ہوتے، انھوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں ہے کہ میں اپنے گھر بار میں رہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں کوئی کانٹا چبھ جائے، پھر انھوں نے پکارا تھا ''یا محمد'' پس جب جب وہ دن مجھے یاد آتا ہے، اور سوچتا ہوں کہ اس دن میں نے ان کی کوئی مدد نہیں کی ...... حالانکہ اس وقت میں مسلمان نہ تھا، مگر جب وہ منظر یاد آتا ہے...... تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس گناہِ عظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میری مغفرت نہیں فرمائیں گے، اس وقت مجھ پر جانکنی کی سی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا، اور اللہ کا شکر ادا

کیا کہ ان کے بارے میں ان کی فراست فیل نہیں ہوئی۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۹۱)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تہجد کی نماز کے لئے کتنا اہتمام کرتے تھے کہ پوری رات کو سونے کے لئے نہیں، آرام کے لئے نہیں اللہ کی عبادت کے لئے خاص کر دیا تھا، اس وقت کسی سے ملنا جلنا، ملاقات اور بات وغیرہ کچھ گوارا نہ تھا، اور زُہد اور رغبت آخرت کا حال یہ تھا کہ انھیں امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک بار ان کی ضرورت کے لئے ...... غالباً یہی موقع، جب انھوں نے شکایات کی جواب دہی کی تھی، اور ان کی غربت کا حال ظاہر ہوا تھا ...... ایک ہزار دینار ...... سونے کے سکے ...... بھیجے، وہ اپنی بیوی کے پاس لے کر گئے اور فرمایا کہ دیکھ رہی ہو، عمر نے بھیجے ہیں، اہلیہ بہت خوش ہوئیں اور کہا کہ اس سے کچھ غلہ اور کچھ سالن کے سامان خرید لیں اور باقی بچا کر رکھ لیں بعد میں کام آتا رہے گا، آپ نے فرمایا کہ ایک صورت اس سے بھی اچھی ہے، وہ یہ کہ اسے ہم ایک ایسے شخص کو دیدیں جو ہمارے لئے اس سے تجارت کرے، اس کا نفع ہمیں ملتا رہے اور مال کی ذمہ داری اسی پر رہے، اہلیہ نے کہا بہتر ہے۔

اب سنئے حضرت سعید بن عامر نے کیا کیا؟ انھوں نے اس رقم سے کچھ غلہ، کچھ سالن کا سامان، دو اونٹ اور دو غلام خرید لئے، اور باقی رقم مسکینوں اور ضرورتمندوں میں تقسیم کر دی، کچھ دنوں کے بعد اہلیہ نے تقاضا کیا کہ فلاں فلاں سامان ختم ہو گیا ہے، جس آدمی کو آپ نے تجارت کے لئے رقم دی ہے، اس کے پاس سے منافع کی رقم لاتے اور سامان خرید لیتے تو اچھا ہوتا، حضرت سعید بن عامر خاموش رہے، دوسرے وقت اس نے پھر تقاضا کیا، وہ خاموش رہے، اس نے تکلیف دہ حد تک تقاضا کیا، حضرت عامر کچھ نہ بولے۔ ان کے گھرانے کے ایک صاحب جو سارے حال سے واقف تھے، انھوں نے ان کی بیوی سے ایک روز کہا کہ تم کیا کر رہی ہو؟ انھیں تکلیف پہو نچا رہی ہو، وہ تو سارا مال صدقہ کر چکے ہیں، وہ خاتون رونے لگیں، انھیں افسوس ہو رہا تھا کہ اتنا مال آیا اور اس طرح ہاتھ سے چلا گیا۔ جب یہ بات حضرت سعید بن عامر کو معلوم ہوئی تو ایک روز انھوں نے

اہلیہ سے فرمایا کہ سنو میرے کچھ احباب تھے، ابھی جلد ہی وہ مجھ سے جدا ہوئے ہیں (یعنی ان کا انتقال ہوا ہے) میں نہیں چاہتا کہ ان کے پاس پہونچنے سے مجھے روک دیا جائے، اگر چہ میرے پاس دنیا اور دنیا کا سب سامان موجود ہو، اور اگر جنت کی ایک حور آسمان سے طلوع ہو تو ساری زمین روشن ہو جائے، اور سورج اور چاند کی روشنی اس کے سامنے پھیکی پڑ جائے، اس کے سر کا دوپٹہ ساری دنیا سے بڑھ کر ہے تو میرے لئے اس حورِ جنت کے مقابلے میں تم کو چھوڑ دینا آسان ہے، یعنی مال صدقہ کر دینے کی وجہ سے جنت کی وہ حور مجھے مل جائے گی، اور تم اس کے صدمہ کی وجہ سے مجھے چھوڑ دو گی، تو یہ بات زیادہ آسان اور مناسب ہے، بہ نسبت اس کے کہ مال صدقہ نہ کرتا اور تم باقی رہتی اور وہ حورِ جنت مجھے نہ ملتی۔ پس میں نے صدقہ کر کے حورِ جنت حاصل کر لی ہے، اہلیہ نے جب یہ سنا تو راضی ہوگئی۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۹۰)

حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

> ”اللہ تعالیٰ لوگوں کو حساب کے لئے اکٹھا کریں گے، اہل ایمان میں جو لوگ غریب و مسکین رہے ہوں گے، وہ حاضر ہوں گے، اور کبوتر کی طرح اڑے جا رہے ہوں گے، ان سے کہا جائے گا کہ حساب و کتاب کے واسطے ٹھہرو، وہ کہیں گے کہ ہمارا کوئی حساب نہیں ہے، آپ لوگوں نے ہم کو کچھ نہیں دیا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میرے بندوں نے سچ کہا، پھر ان کیلئے جنت کے دروازے کھول دئے جائیں گے، اور وہ لوگوں سے ستر سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء، ج:۱، ص:۱۹۳)

سبحان اللہ! غربت اور فقر وفاقہ ہو، اور اس کے ساتھ مستحکم ایمان ہو، تو کیا مبارک شے ہے، ابھی اور مومنین حساب و کتاب میں محبوس ہوں گے، اور یہ فقراء مساکین ان سے ستر سال پہلے منزل پر پہونچ کر کمر کھول رہے ہوں گے۔ حضرت سعید بن عامر کی پوری زندگی، اسی کا نمونہ تھی۔

حضرت سعید بن عامر کا انتقال ۲۰ھ میں ہوا۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه

☆☆☆☆☆

حضرت شداد بن اَوس انصاری رضی اللہ عنہ

ابویعلیٰ شداد بن اَوس بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور شاعر صحابی حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے، ان کے والد اَوس بن ثابت صحابی تھے، غزوۂ بدر میں شریک تھے، اور غزوۂ احد میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ (الاصابہ، ج:۳، ص:۲۵۸)

حضرت شداد بن اوسؓ نہایت بزرگ صحابی تھے، اہل علم اور اہل عقل حضرات میں ممتاز تھے، حکیم الامت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: **إن من الناس من یوتی علماً ولا یوتی حلماً ، وإن أبا یعلیٰ قد اوتی علماً و حلماً** ، کچھ لوگوں کو صرف علم دیا جاتا ہے، حلم اور عقل کی وہ مقدار انھیں حاصل نہیں ہوتی، لیکن ابویعلیٰ وہ ہیں جو علم کے بھی سرمایہ دار ہیں اور حلم وعقل کے بھی۔ (حلیۃ الاولیاء ج:۱، ص:۲۰۳)

صاحب حلیۃ الاولیاء نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے، جو مشکوٰۃِ نبوت سے ماخوذ ہے، اس سے ان کے علم وصلاح کا اندازہ ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ:

> ”اے لوگو! تم نے ابھی خیر کو نہیں دیکھا ہے، صرف اس کے اسباب کو دیکھا ہے، اور اے لوگو! تم نے شر کو بھی نہیں دیکھا ہے، صرف اس کے اسباب کو دیکھا ہے، خیر تمام تر جنت میں ہے، اور شر سارا جہنم میں ہے، اور دنیا تو ایک ”متاع حاضر“ ہے، جس سے ہر نیک وبد کھاتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، البتہ آخرت یقینی اور سچا وعدہ ہے، جس میں خدائے قہار کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ ہر ایک چیز کی اولادیں ہوتی ہیں (یعنی اس کے پیچھے چلنے والے ہوتے ہیں) تو تم لوگ دنیا کی اولاد نہ بنو۔

ایک مرتبہ حضرت شداد بن اَوس کی زبان سے ایک ایسا کلمہ صادر ہوا، جو ان کے شان اور مرتبہ سے مناسبت نہیں رکھتا تھا، اس کی تلافی انھوں نے ایک ایسے کلام اور ایسی

دعا سے فرمائی، جو نہایت بیش قیمت اور حرزِ جان بنانے کے لائق ہے۔

حضرت سلیمان بن موسیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شداد نے فرمایا، دسترخوان بچھاؤ، ذرا اس پر مستی کریں، (نعبث بها) لوگوں کو ان کی یہ بات قابل گرفت معلوم ہوئی کہ دیکھو تو سہی، ابو یعلیٰ کی زبان سے یہ کیا نکل رہا ہے، انھوں نے معذرت کی اور فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، جب بھی کوئی بات کی ہے، نپی تلی کی ہے، نکیل لگی ہوئی، لگام بندھی ہوئی، بس آج یہ غلطی ہوگئی ہے، اسے بھول جاؤ، اس سے بہتر بات مجھ سے حاصل کرو، آؤ ایک بات بتاتا ہوں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے کہ لوگ جب سونا چاندی کو اپنا خزانہ بنائیں تو تم لوگ اس دعا کو اپنا خزانہ بناؤ۔

اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْأَلُکَ التَّثَبُّتَ فِی الْاَمْرِ وَنَسْأَلُکَ عَزِیْمَةَ الرُّشْدِ وَنَسْأَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَحُسْنَ عِبَادَتِکَ وَ نَسْأَلُکَ قَلْباً سَلِیْماً صَادِقاً وَ نَسْأَلُکَ خَیْرَ مَا تَعْلَمُ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَاتَعْلَمُ ۔ اسے یاد کرلو، اور اُس بات کو چھوڑ دو۔ (حلیۃ الاولیاء ج:۱،ص:۲۰۳)

حضرت شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ کی تہجد گزاری کا عالم یہ تھا کہ بستر پر لیٹتے تو نیند نہ آتی، کروٹ پر کروٹ بدلتے، پھر بیقراری سے اُٹھ جاتے، اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے کہ اے اللہ! جہنم کے خوف نے میری نیند کو اُڑا رکھا ہے، یہ کہہ کر نماز میں مشغول ہو جاتے، اور صبح تک مشغول رہتے، یہ روزمرہ کا معمول تھا۔ (ج:۱،ص:۲۰۳)

حضرت شداد بن اَوس رضی اللہ عنہ نے ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔

☆☆☆☆☆

حضرت ابو ریحانہ ازدی رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ریحانہ ازدی کا نام شمعون تھا، اپنی کنیت سے مشہور ہیں، امام بخاریؒ نے لکھا ہے کہ شمعون ابو ریحانہ انصاری ہیں، بعض لوگوں نے انھیں قریشی کہا ہے، شام میں اقامت اختیار کرلی تھی، انھیں شرف صحابیت حاصل تھا۔ (الاصابہ، ج:۳، ص:۲۹۰)

حافظ ابن حجر علیہ الرحمیہ نے امام عبدالغافر بن سلامہ حمصی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ریحانہ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا، میں نے شکایت کی کہ قرآن کریم کے یاد کرنے میں مجھے بڑی مشقت پڑتی ہے، اور جلدی ہی میرے حافظہ سے نکل جاتا ہے، یاد نہیں رہ پاتا۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے اوپر وہ بوجھ نہ لادو جو تمہاری طاقت سے باہر ہو، تم بکثرت سجدے کیا کرو، یعنی نماز پڑھو، اس روایت کے ناقل عمیرہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت ابو ریحانہ عسقلان میں تشریف لائے تھے، وہ بکثرت سجدے کرتے تھے۔ (الاصابہ، ج:۳، ص:۲۹۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ’’کتاب الزہد والرقائق‘‘ میں حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ کے ایک آزاد کردہ غلام کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے، شام کا کھانا کھایا، پھر وضو کیا اور مسجد چلے گئے، اور نماز شروع کردی، اس میں تلاوت کرتے رہے، یہاں تک کہ رات گزر گئی، اور اذان ہونے لگی، فجر کی نماز پڑھ کر جب گھر پہونچے، تو ان کی اہلیہ نے کہا کہ آپ جہاد میں رہے، اس میں خوب تھکے وہاں سے واپس آئے تو کیا ہمارے لئے آپ کے اندر کوئی حصہ نہیں ہے، فرمایا کیوں نہیں! ضرور ہے، لیکن جب تم مجھے یاد رہتی جب نہ تمہارا حق مجھ پر ہوتا اہلیہ نے کہا، وہ کیا بات ہوئی جس کی وجہ سے آپ مجھے بھی بھول گئے، فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے جو اوصاف ولذات بیان کیۓ ہیں، میں ان میں غور کرتا رہا، اوراس میں اتنا منہمک ہوا کہ مجھے کچھ خیال ہی نہ رہا، یہاں تک کہ میں نے مؤذن کی اذان سنی۔ (حوالہ بالا)

اللہ اکبر! اللہ کی عبادت اور فکر آخرت میں وہ انہماک واستغراق طاری ہوا کہ عرصہ کے بعد دنیا کی محبوب ترین شئے یعنی اپنے اہل وعیال میں لوٹ کر آئے ہیں، مگر ساری محبتیں ایک محبت کے سامنے فنا ہیں، یہی وہ چیز ہے جس نے صحابۂ کرام کو دوسرے تمام لوگوں سے ممتاز کرر کھا ہے، آپ اندازہ کیجئے کہ جب صحابہ کا یہ حال تھا، تو جن کی صحبت کے فیض سے یہ صحابہ ہوئے تھے، ان کا قلبی حال اور مقام کیا رہا ہوگا۔

یہ حال تو ان کی عبادت کا تھا، بندوں کے ساتھ معاملات میں ان کے احتیاط کی کیا کیفیت تھی، صاحب اصابہ نے اس کا بھی ایک واقعہ نقل کیا ہے، ضمرہ بن حبیب کہتے ہیں کہ حضرت ابو ریحانہ ایک مقام ''میّا فارقین'' میں سرحدی چوکی پر تعینات تھے، انھوں نے ایک قبطی کے گھر سے رسی خریدی، قیمت اس کی چند پیسے تھی، وہ وہاں سے سفر کر کے لمبی مسافت طے کر کے حمص کے قریب پہونچ گئے، وہاں انھوں نے اپنے غلام سے پوچھ دیا کہ رسی کی قیمت تم نے دیدی تھی، اس نے کہا نہیں، وہ فوراً سواری سے اتر پڑے اور اخراجات نکال کر غلام کو دیئے کہ تم قافلہ کے ساتھ گھر چلے جاؤ، اور رفقاء سفر سے فرمایا کہ گھر پہونچنے تک اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا، اور خود میا فارقین لوٹ گئے، اور پیسے دیئے، اس کے بعد واپس آئے۔

یہ تھی ان حضرات کی خدا ترسی اور احتیاط کہ غلام کے سپرد نہیں کیا کہ وہ جا کر دے آئے، اس سے دھوکہ ہو چکا تھا، خود دوبارہ سفر کیا اور رقم لے کر گئے۔

اس عبادت وامانت کا ثمرہ کیا تھا، اللہ کے نزدیک حسن قبول اور محبوبیت! اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ ابراہیم بن جنید نے کتاب الاولیاء میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ریحانہ ایک دریا کے سفر پر تھے، وہ ایک مرتبہ کپڑا سی رہے تھے، اتفاقاً ان کے ہاتھ سے

سوئی چھوٹ کر دریا میں گر گئی، انھوں نے بے ساختہ کہا کہ پروردگار! آپ کو قسم ہے کہ میری سوئی واپس فرما دیجئے، اتنا کہنا تھا کہ سوئی پانی کی سطح پر آ گئی، انھوں نے اٹھا لی۔

(الاصابہ، ج:۳، ص:۲۹۱)

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ بھی اپنے عبادت گزار اور امانت دار بندوں پر کتنے مہربان ہیں۔ **کثر اللہ أمثالھم**

☆☆☆☆☆

حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ

یہ ایک جلیل القدر صحابی تھے، ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''الاولیاء'' میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم عبداللہ ذوالبجادین ہو، تم ہمیشہ ہمارے ساتھ رہا کرو۔ انھوں نے اپنا نام عبدالعزیٰ بتایا تھا، اسپر آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم عبدالعزیٰ نہیں عبداللہ ہو، اور بڑا اشرف یہ بخشا کہ انھیں اپنی رفاقت کا حکم دیا، اس کے بعد وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارکہ میں رہا کرتے تھے، تہجد کی نماز کے لئے پابندی سے اٹھتے اور بلند آواز سے دعا کرتے، استغفار کرتے، اللہ کی بڑائی اور عظمت بیان کرتے، ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! کیا یہ شخص ریاکار ہے؟ فرمایا نہیں! اسے رہنے دو، یہ بکثرت گریہ وزاری کرنے والوں میں ہے۔

غزوۂ تبوک میں یہ بزرگ صحابی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، وہیں ان کا انتقال ہوا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رات میں لشکر کے ایک گوشے میں آگ نظر آئی، میں نے سوچا کہ یہ کیا ہے، میں ادھر گیا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں، اور ابوبکر وعمر ہیں، اور کوئی چوتھا نہیں ہے، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں اترے ہوئے ہیں اور عبداللہ ذوالبجادین کا جنازہ رکھا ہوا ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ اپنے بھائی کو قبر میں میرے ہاتھ میں دو، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں میں لے کر انھیں قبر میں رکھا، پھر فرمایا کہ اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں، آپ بھی اس سے راضی ہو جایئے، یہ دعا تین مرتبہ فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ کاش کہ اس کے بجائے میں قبر میں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ روح وریحان سے ان بزرگ اصحاب کو نوازے، انھوں نے عبادت الٰہی اور شوق ومحبت کی ایک ایسی مثال قائم فرمائی ہے، جو آئندہ نسلوں کے لئے ہمیشہ رہنما ثابت ہوتی رہے گی۔

حضرت علبہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت علبہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ ان حضراتِ صحابہ میں ہیں، جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے، ارشاد ہے: لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ إِذَا مَا أَتَوْکَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُکُمْ عَلَیْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْیُنُهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا یَجِدُوْا مَا یُنْفِقُوْنَ (سورۂ توبہ: ۹۱، ۹۲)

کمزوروں پر، مریضوں پر اور ان لوگوں پر جو خرچ سے مجبور ہیں کوئی تنگی نہیں، بشرطیکہ وہ اللہ و رسول کے تئیں مخلص ہوں، صاحب اخلاص پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اور اللہ مغفرت فرمانے والے ہیں، اور نہ ان لوگوں پر کوئی مواخذہ ہے جو تمہارے پاس اسلئے آتے ہیں کہ ان کے لئے سواری کا انتظام کردو، تو تم نے ان سے کہا کہ میرے پاس سواری کا انتظام نہیں ہے، یہ سن کر وہ روتے ہوئے لوٹے، انھیں یہ دکھ ہوا کہ ان کے پاس اخراجاتِ سفر نہیں ہیں، ورنہ وہ بھی شریک جہاد ہوتے۔

یہ حضرات مخلص اہل ایمان تھے، غزوۂ تبوک میں دل و جان سے شرکت چاہتے تھے، مگر سواری کا انتظام نہیں ہوسکا، اخراجات سفر کا انتظام نہیں ہوسکا۔ آخری درجہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے کہ سرکاری طور پر کچھ انتظام ہوجائے، تو یہ حضرات اس سعادت سے محروم نہ ہوں، مگر وہاں بھی کچھ انتظام نہ ہوسکا، تو صدمہ کی وجہ سے ان کی آنکھیں بھر آئیں، اور بے ساختہ یہ لوگ رونے لگے، اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ رونا بہت پسند آیا،

انکی تعریف قرآن کریم میں نازل ہوئی۔

انھیں مخلص اور مقدس اصحاب میں حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ان کے ساتھ ایک خاص واقعہ پیش آیا، جسے حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے الاصابہ میں نقل کیا ہے۔ حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ شرکت جہاد کا کوئی انتظام نہیں ہوسکا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ کی تیاری میں لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دی تھی، حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ اتنے غریب تھے کہ صدقے کے لئے بھی کوئی چیز پیش نہ کرسکے، ایک عجیب یاس کا عالم طاری تھا، آنکھوں سے آنسو تھمتے نہ تھے، بیقراری میں نیند نہیں آرہی تھی، بار بار سوچ رہے تھے کہ میں کیا چیز صدقہ کروں، بارگاہِ نبوت میں کون سا مال پیش کروں، ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں تو ایک عجیب بات سوجھی، اور مخلص کی رہبری اللہ تعالیٰ اسی طرح فرماتے ہیں، بستر سے اُٹھے، تہجد کی نماز میں کھڑے ہوگئے، اور خوب روئے، اور آخر میں نہایت عجز وانکساری کے ساتھ یہ دعا کی کہ:

> بارِالٰہا! آپ نے جہاد کا حکم دیا، اس کی ترغیب دی، لیکن میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کی مدد سے میں آپ کے رسول کے ساتھ جاسکوں، اور نہ ایسی کوئی چیز ہے، جس کو صدقہ میں پیش کرسکوں، تو اے پروردگار! میں عزت وآبرو کو صدقہ میں پیش کرتا ہوں کہ جس کسی نے میری بے عزتی کی ہو، مجھ پر ظلم کیا ہو، خواہ جسم پر یا آبرو پر، وہ سب میں صدقہ کرتا ہوں، (یعنی معاف کرتا ہوں)
>
> صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرائی کہ وہ کون ہے جس نے رات کو اپنی عزت وآبرو کو صدقہ میں پیش کیا ہے؟ حضرت علبہ بن زید رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے، آپ نے ارشاد فرمایا تمہارا صدقہ قبول ہوگیا۔ (الاصابہ ج:۴، ص:۴۵۰)

سبحان اللہ! ایک غریب ومسکین صحابی نے رات کی تاریکی میں تہجد پڑھنے کے بعد صدقہ کیا، جس کی پروردگار کے علاوہ کسی کو خبر نہ ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ نے علی الصباح اپنی مہربانی سے اسے لوگوں میں پیغمبر کی زبانی عام کردیا، اور قبولیت کی بشارت بھی سنادی۔

کثر اللہ أمثالھم

یہ چند نمونے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تہجد گزاری اور شب زندہ داری کے اہتمام کے ہیں، اس سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عبادت وریاضت میں ان بزرگوں کا ذوق کیا تھا، اس ذوق کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور یہ ذوق وعمل بعد میں آنے والی امت کے لئے معیار ہے، جو جتنا اس معیار کے قریب ہوگا، خدا کا مقبول وپسندیدہ ہوگا، اور جو جتنا دور ہوگا، اتنا ہی ناکام اور نامقبول ہوگا۔ انھیں بزرگوں کے نقش قدم پر ان کے بعد کے حضرات یعنی تابعین کرام چلے، وہ بھی ذوق عبادت اور شب زندہ داری کے اعلیٰ معیار پر فائز ہوئے۔

ان کے چند نمونے آئندہ صفحات میں پیش کئے جائیں گے۔ انشاء اللہ

☆☆☆☆☆

تابعین کرام

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ راوی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا **خیر أمتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم** (بخاری ومسلم) میری امت میں بہترین وہ لوگ ہیں، جو میرے دور میں ہیں، ان کے بعد وہ ہیں جو میرے دور سے متصل ہیں، ان کے بعد وہ ہیں جو دوسرے دور سے متصل ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ اچھے لوگ کون لوگ ہیں؟ فرمایا کہ اس دور کے لوگ جس میں، میں ہوں، پھر دوسرا دور، پھر تیسرا دور (مسلم شریف)

پہلے دور کے حضرات، رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، جن کے خیر ہونے کی گواہی کائناتِ انسانی کے سب سے سچی برگزیدہ ہستی نے دی ہے (ﷺ) اور ساری امت کا ان کے خیر ہونے پر اجماع ہے، دنیا میں کتنے دور آئے، اور گئے۔ تحقیق وتلاش کی کتنی وادیاں طے ہوئیں، نقد ونظر کے ہتھیاروں نے شہرت ورفعت کی کتنی ملمع کاریوں کو اُدھیڑ کر رکھ دیا، مگر صحابۂ کرام کا تابناک دور جیسے پہلے روشن اور بے غبار تھا، آج بھی روشن اور بے غبار ہے، ٹٹول کر دیکھا گیا، کھرچ کھرچ کر پرکھا گیا، تنقید وتنقیص کا ہر ہتھیار آزمایا گیا، مگر دورِ صحابہ کی تابانی اوران حضرات کے جمال وکمال پر کوئی حرف نہیں رکھا گیا، اگر کسی نے حرف رکھا تو اس کے دل کی گندگی کھل کر رہی، کسی نے تہمت لگائی تو وہ تہمت خود اسی تہمت لگانے والے پر سچی ثابت ہوئی، ان حضرات کی عبادت وریاضت اور قیام لیل کے حالات نمونے کے

طور پر پچھلے اوراق میں ذکر کئے گئے۔ **رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ**

اب ہم دوسرے دور میں داخل ہو رہے ہیں، اس دوسرے دور کا سرنامہ ''تابعین کرام'' ہیں، تابعین نے صحابۂ کرام کے جمال وکمال کا مشاہدہ کیا تھا، انھوں نے علم کی پختگی، ایمان کا رُسوخ، طاعات کی حلاوت، عبادات کی لذت، نظر کی بلندی اور دل کی پاکیزگی، حضرات صحابہ سے حاصل کی تھی، یہ بزرگ صحابۂ کرام کے نقش قدم پر تھے، اور ہو بہو ان کی عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ کے نمونے تھے، ان میں سے چند حضرات کے حالات اور ان کی تہجد گزاری کی کیفیات کو قلم بند کیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

سید التابعین حضرت اُویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ

القدوۃ الزاهد، سید العباد، علم الأصفياء من الزهاد، سید التابعین فی زمانہ، پیشوائے امت، زاہد بزرگ، عمدہ ترین زاہدوں کے امام، اپنے زمانے کے سید التابعین اویس قرنی المرادی الیمانی۔

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب **الصحیح الجامع** میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **خیر التابعین رجل یقال: أویس وله والدة وكان به بياض فمروه فليستغفر لكم۔** تابعین میں سب سے بہتر ایک شخص ہے جس کو اویس کہا جاتا ہے، اس کی ایک ماں ہے، اس کے بدن میں سفید داغ ہے، اس سے کہو کہ وہ تم لوگوں کے لئے استغفار کرے۔

اس حدیث سے صراحۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام تابعین میں سب سے بہتر ہیں، بعض ائمہ نے حضرت سعید بن مسیّب کو سید التابعین قرار دیا ہے، تو درحقیقت وہ ان کے علم وفضل اور سیادت وکرامات کے لحاظ سے ہے، اور حضرت اویس قرنیؒ اللہ کے نزدیک سب سے بہتر ہیں۔

مسلم شریف ہی کی ایک روایت میں ہے، حضرت اُسید بن جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یمن کے قافلے آتے، تو ان سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا تم میں کوئی اویس بن عامر ہے؟ پھر ایک مرتبہ ان سے ملاقات ہوگئی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم اویس بن عامر ہو؟ کہا جی ہاں، فرمایا کہ تمہارا تعلق مراد سے اور پھر اس کی شاخ قرن سے ہے؟ کہا جی ہاں، فرمایا کیا تمہاری والدہ ہیں، عرض کیا جی! فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تمہارے پاس یمن کے قافلوں کے ساتھ

اویس بن عامر مراد قرنی آئے گا، اسے سفید داغ رہا ہوگا پھر اس سے شفا حاصل ہوگئی ہوگی، البتہ ایک انڈے کے برابر سفیدی ہوگی۔ اس کی والدہ ہوں گی، جن کے ساتھ وہ وفادار اور حسن سلوک کرنے والا ہوگا، اس کی شان یہ ہوگی کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالے، تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کردیں گے تو اگر تم سے ہوسکے کہ وہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کرے تو کرالینا، یہ کہہ کر حضرت عمر نے فرمایا کہ میرے لئے دعائے مغفرت کرو، انھوں نے دعائے مغفرت کی، حضرت عمر نے پوچھا کہ اب کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا کوفہ کا، فرمایا کہ اس کے گورنر کو تمہارے متعلق خط لکھ دوں؟ کہنے لگے کہ میں گمنام لوگوں میں رہوں، یہ مجھے زیادہ پسند ہے، پھر اگلے سال وہاں کے اشراف میں سے ایک صاحب حج کے لئے آئے، حضرت عمر سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عمر نے ان سے اُویس کے متعلق پوچھا، انھوں نے کہا کہ میں نے انھیں پراگندہ حال اور غربت زدہ چھوڑا ہے، حضرت عمر نے اس شخص کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا، جو ابھی اوپر گزرا ہے، وہ اس سے بہت متاثر ہوا، اور حج سے فارغ ہوکر سیدھا حضرت اویس سے ملنے پہونچا، اور عرض کیا کہ میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے، حضرت اویس نے فرمایا کہ ابھی آپ ایک نیک سفر سے واپس آئے ہیں، آپ میرے لئے دعائے مغفرت کریں، پوچھا کہ کیا آپ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تھی؟ کہا ہاں ہوئی تھی، تو انھوں نے دعائے مغفرت کی، یہ بات لوگوں میں پھیل گئی، اور لوگ جان گئے، تو وہ وہاں سے کہیں چلے گئے۔ (مسلم شریف، فضائل صحابہ)

دوسری روایات سے ثابت ہے کہ یہ شخص جس کی حضرت عمر سے ملاقات ہوئی تھی، حضرت اویس قرنی کے گھرانے کا تھا، اور حضرت اویس کی شان میں گستاخیاں کیا کرتا، اس نے جب حضرت عمر کی زبانی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنا، تو نادم ہوا اور گستاخیوں سے توبہ کی، اور حضرت سے جا کر ملا۔

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں تحریر فرمایا کہ حضرت اویس زیادہ تر مسجد میں رہا کرتے تھے، ان کا ایک چچازاد بھائی تھا، جو حکومت میں رسوخ رکھتا تھا، اور حضرت اویس

کے پیچھے پڑا رہتا تھا، ان کو کبھی مالداروں کے ساتھ دیکھتا تو کہتا کہ مال کھانے کے لالچ میں ہے، اور اگر فقراء کے ساتھ دیکھتا تو کہتا کہ انھیں فریب میں مبتلا کئے ہوئے ہے، اور خود حضرت اویس اس کے بارے میں ہمیشہ کلمۂ خیر کہتے تھے، البتہ یہ ضرور کرتے کہ اس کا سامنا ہونے کو ہوتا تو چھپ جاتے، تا کہ وہ زبانِ طعن دراز کر کے گناہ میں مبتلا نہ ہو، اس شخص کی جب حضرت عمر ؓ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ تم اویس قرنی کو جانتے ہو؟ اس نے کہا وہ میرا چچازاد بھائی ہے، اور وہ ایک گھٹیا آدمی ہے، اس کی اتنی حیثیت تو نہیں ہے کہ آپ اسے پہچانیں؟ فرمایا! تیرا ناس ہو، تو برباد ہو گیا، تیرا ناس ہو، تو ہلاکت میں پڑ گیا، جب تم اس کے پاس پہونچو تو میرا اسلام کہو، اور اس سے کہو کہ میرے پاس آئے۔

حضرت علقمہ بن مرثد فرماتے ہیں کہ تابعین میں آٹھ حضرات ہیں جن پر زہد گویا کہ ختم ہو گیا ہے، عامر بن عبد اللہ، اویس قرنی، ہرم بن حیان، ربیع بن خثیم، مسروق بن اجدع، اسود بن یزید، ابو مسلم خولانی اور حسن بصری۔ (ان سب حضرات کا تذکرہ آگے آ رہا ہے)

مشہور تابعی حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ جنگ صفین میں ایک شامی شخص جو حضرت امیر معاویہ ؓ کے لشکر میں تھا، حضرت علی ؓ کے لشکر میں آیا، اس نے پکارا کہ کیا تمہارے درمیان اویس قرنی ہیں؟ ہم نے کہا ہاں ہیں، تم کیا چاہتے ہو، اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرما رہے تھے کہ اویس تابعین باحسان میں سب سے بہتر ہیں، یہ کہا اور انھوں نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑی، اور حضرت علی ؓ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔

”تابعین باحسان“ سے قرآن کریم کی ایک آیت کی جانب اشارہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (سورہ توبہ: ۱۰۰)

وہ لوگ جو ابتداءً سبقت کرنے والے ہیں، یعنی مہاجرین وانصار اور وہ لوگ جنھوں نے اچھے طریقے پر ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا، اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہوئے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی یعلیٰ فرماتے ہیں کہ اویس قرنی جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اویس قرنی کی سفارش سے قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ نصر کے بقدر لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اس مضمون کی روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے قبیلہ نصر اور قبیلہ تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ وہ کون ہے؟ فرمایا: اویس قرنی!

حضرت سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت اویس قرنیؒ عہد فاروقی میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وجہ سے متعارف ہوئے تھے، پھر انھیں کے دور میں وہ غائب ہوگئے، اور عرصے تک ان کا کوئی پتہ نشان نہ تھا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ظاہر ہوئے اور جنگ صفین میں ان کی فوج میں شامل ہوکر شہادت سے سرفراز ہوئے۔

حضرت اویس رحمۃ اللہ علیہ سراپا عبادت وطاعت اور زہد وریاضت تھے، ان کی تہجد گزاری کا حال کیا تھا؟ اضبع بن زید کہتے ہیں کہ جب شام ہوتی تو کبھی فرماتے یہ رکوع کی رات ہے، پھر وہ رات رکوع میں گزارتے، کبھی فرماتے یہ سجدے کی رات ہے، پھر صبح تک سجدے میں رہتے اور ان کا یہ بھی عمل تھا کہ شام کے وقت گھر کا سب بچا ہوا کھانا پانی صدقہ کردیتے، پھر دعا کرتے کہ اے اللہ اگر کوئی بھوکا مرے تو اس کی وجہ سے میری گرفت نہ فرمائیے، اور جو ننگا مرجائے تو اس کی وجہ سے میرا مواخذہ نہ فرمائیے۔

ربیع بن خثیم فرماتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ

فجر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے، میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا کہ ان کے ذکر و تسبیح میں خلل نہ ڈالوں گا، جب نماز کا وقت ہو گیا تو نماز پڑھنی شروع کر دی، جب ظہر کا وقت ہوا، تو ظہر پڑھ کر عصر تک نوافل میں مشغول رہے، جب عصر پڑھ چکے تو مغرب تک تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے، مغرب کے بعد عشاء تک، عشاء کے بعد صبح تک نماز میں مصروف رہے، فجر کی نماز پڑھ کر بیٹھے تو انھیں اونگھ آ گئی، اس سے افاقہ ہوا تو فرما رہے تھے اے اللہ! میں آپ کی پناہ چاہتا ہوں اس آنکھ سے جو بہت سوتی ہو اور اس پیٹ سے جو آسودہ نہ ہوتا ہو۔

(رہبان اللیل، ج:۱، ص:۳۵۱)

مشہور بزرگ خواجہ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت اویس قرنی سے نصیحت کی فرمائش کی، انھوں نے کہا کہ آپ اللہ کو جانتے ہیں؟ فرمایا ہاں ضرور، عرض کیا تب آپ اللہ کے علاوہ کسی کو نہ جانیں تو بہتر ہے، پھر دریافت کیا کہ اللہ آپ کو جانتے ہیں؟ فرمایا کیوں نہیں ضرور، کہا کہ تب آپ کو اللہ کے علاوہ کوئی نہ جانے تو بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے طفیل ہم گناہگاروں کو بھی معاف فرما دیں۔

(یہ سارے حالات امام ذہبیؒ کی مشہور کتاب ''سیر اعلام النبلاء، ج ۵ سے ماخوذ ہیں، بجز آخر کے دو حوالوں کے)

☆☆☆☆☆

حضرت عامر بن عبد قیس البصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عامر بن عبد قیس ان آٹھ تابعین میں ایک ممتاز فرد ہیں جو زُہد وعبادت کی روشن علامت سمجھے جاتے ہیں، پچھلے مضمون میں ان کا ذکر آچکا ہے۔ (۱) یہ حضرت عمر اور سلمان فارسی **رضی اللہ عنہما** کے شاگرد ہیں، اوران سے حسن بصری اور محمد بن سیرین نے روایت کی ہے۔ (**سیر اعلام النبلاء** ، ج:۵، ص:۶۵) اور عبادات وریاضت کی تربیت بطورِ خاص حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پائی ہے، اورانھیں سے قرآن پڑھا، اور انھیں سے طریقت سیکھی، (**أخذ عنه الطريقة**) (تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۳۰۴)

حضرت حسن بصری ان کا روزانہ کا معمول ذکر کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت عامر فرماتے کہ کوئی قرآن پڑھنے والا ہے؟ تو کچھ لوگ اس کے لئے حاضر ہوتے، انھیں قرآن پڑھاتے، اس سے فارغ ہوتے تو نماز وعبادت میں ظہر تک مشغول رہتے، پھر ظہر کی نماز (جماعت سے) ادا کرکے نوافل میں عصر تک مصروف رہتے، عصر سے مغرب تک پھر قرآن پڑھاتے، پھر مغرب سے عشاء تک نماز میں لگے رہتے، پھر گھر جاتے اور ایک روٹی کھاتے، اور بہت ہلکی نیند سوتے، پھر سحری کے وقت نماز پڑھتے تھے، ایک روٹی سحری کھاتے، پھر فجر کی نماز کے لئے باہر نکلتے۔ (**سیر اعلام النبلاء**، ج:۵، ص:۶۶)

بعض معاندین نے حضرت عامر بن عبد قیس کے سلسلے میں بصرہ کے گورنر کے پاس چغلی کھائی، اوران پر بہتان رکھا کہ ان سے کہا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ سے

---

(۱) وہ آٹھ یہ ہیں، اویس قرنی، عامر بن عبد اللہ،، ہرم بن حیان، ربیع بن خثیم، مسروق بن اجدع، اسود بن یزید، ابومسلم خولانی اور حسن بصری

بہتر نہ تھے، اس پر وہ خاموش رہے، ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں تو اس بات پر حیرت زدہ ہوکر چپ رہ گیا تھا، میرے لئے بڑی سعادت کی بات ہے کہ میں ان کے قدموں کا غبار ہوتا، لیکن زیاد نے یہ بات امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہونچائی، اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کس طرح پہونچائی، حضرت نے حکم بھیجا کہ انھیں ملک شام بھیج دو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جو اس وقت شام کے حاکم تھے، انھوں نے اپنے پاس ٹھہرایا، اور ایک باندی کو ان کی خدمت میں بھیجا کہ ان کا حال بتاتی رہے، ان کا حال یہ تھا کہ وہ صبح کے وقت گھر سے نکلتے، پھر عشاء کے بعد ہی آتے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس کھانا بھیجتے، وہ اس کی طرف التفات بھی نہ کرتے، اپنے ساتھ وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑے لاتے، انھیں پانی میں بھگوکر کھالیتے، پھر فجر کی اذان تک عبادت میں منہمک رہتے، اذان سن کر باہر چلے جاتے، یہ حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لکھ کر بھیجا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ شخص آنے والوں میں پہلا ہو، اور جانے والوں میں آخری ہو، یعنی جتنے لوگ تمہارے پاس آتے ہیں ان میں پہلا اسی کو متعین کرو، جب لوگ جانے لگیں تو اس کو سب کے آخر میں رُخصت کرو، مطلب یہ ہے کہ بہت مبارک اور سعید بندہ ہے اور یہ بھی حکم بھیجا کہ اسے دس غلام اور دس سواریاں عطا کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل میں یہ سب چیزیں حاضر کیں اور انھیں امیر المومنین کا حکم بتایا، انھوں نے فرمایا: میرے اوپر تو ایک شیطان غالب رہتا ہے، میں اپنے اوپر دس کو کیسے جمع کروں؟ شیطان سے مراد ان کا خچر ہے، جو وہ سواری کیلئے رکھتے تھے۔ (حوالہ سابق)

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ عامر بن قیس نے پروردگار سے دعا کی تھی کہ عورتوں کی خواہش ان کے دل سے نکال دیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان کے سامنے مرد گزرے یا عورت ان پر مطلق اثر نہ ہوتا تھا، انھوں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ نماز میں شیطان کو ان کے قلب سے روک دیں، لیکن اس پر انھیں قدرت حاصل نہ ہوسکی، لیکن کہا گیا ہے کہ بعد میں یہ بات بھی حاصل ہوگئی تھی۔

چنانچہ ابوالحسین مجاشعی فرماتے ہیں کہ عامر بن قیس سے کہا گیا کہ نماز میں آپ اپنے آپ سے گفتگو کرتے ہیں، یعنی حدیث نفس میں مبتلا ہوتے ہیں؟ فرمایا میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ کل کو خدا کے سامنے کس طرح کھڑا ہوں گا، اور کدھر میرا جانا ہوگا۔ (حوالہ بالا)

حضرت عامر طلوعِ شمس کے بعد عصر تک نماز وعبادت میں مشغول رہتے، عصر کے وقت فارغ ہوتے، تو بسا اوقات ان کی پنڈلیوں پر ورم ہوتا، تو اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرماتے، اے برائی کا حکم کرنے والے! تم صرف عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہو، حضرت ابوقلابہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عامر بن عبدقیس سے کہا کہ یہ کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد نہیں ہے، **ولقد أرسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا له أزواجاً وذرية** (سورہ رعد: ۳۸) بے شک ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو بھیجا، اور ان کے لئے ازواج واولاد بھی بخشے، فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن کیا اللہ تعالیٰ ہی نے یہ نہیں فرمایا ہے: **وما خلقت الجن والانس إلا يعبدون** (سورہ ذاریات: ۵۶)

اور میں نے انسان اور جنات کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

آج کی غیر مقلدانہ ذہنیت تو اس جواب پر خفا ہو جائے گی اور صرف خفا نہ ہوگی بلکہ شاید بدعتی ہونے کا فتویٰ بھی لگا دے گی، لیکن یہ بزرگ تابعی اس وقت یہ بات کہہ رہے ہیں، جب حضرات صحابۂ کرام کثیر تعداد میں موجود تھے، اور وہ ان کی بزرگی وخدا رسیدگی کے قائل تھے، بات یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں تو عبادت ہی کے لئے ہے، مگر اس کے ساتھ ضروریات، مجبوریاں اور بہت سی معذوریاں لگی ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آسانی اور رُخصت کی راہ کھولی ہے، اور انبیاء کرام چونکہ ساری انسانیت کے لئے نمونہ ہیں، اس لئے ان پر وہ سارے حالات گزارے گئے جو ضرورت ومجبوری کے باعث انسانوں کو پیش آتے رہتے ہیں، کھانا پینا، نکاح، مکان، اولاد سب اسی ضرورت اور رخصت کے تحت ہیں، یہ سب مقصد تخلیق نہیں ضروریاتِ انسانی ہیں، انھیں پورا کرنے کی اجازت ہے، کوئی شخص اگر ان میں سے کسی ضرورت کے تحت مجبور نہ ہو اور وہ کارِ عبادت میں لگا رہے

تو وہ مذموم نہیں مستحسن ہے، چنانچہ کم سہی مگر انبیاء کرام میں بھی اس کے نمونے موجود ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ** (سورہ آل عمران: ۳۹) اور وہ سردار ہوں گے اور عورتوں سے احتراز کرنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین میں۔ ''**حصور**'' اسی شخص کو کہتے ہیں، جو باوجود قدرت کے شہوت کے تقاضوں سے اجتناب کرتا ہو، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دنیوی زندگی کی پہلی قسط میں نکاح نہیں کیا تھا، تو چونکہ انسانیت کا بہت بڑا حصہ ان ضروریات میں گھرا ہوا ہے، اس لئے انبیاء کرام کو بھی ان حالات سے گزارا گیا، بلکہ ان میں سے اکثر امور کو سنت قرار دیا گیا، لیکن اگر کوئی شخص اس رخصت سے اوپر اٹھ کر عزیمت کی راہ اختیار کرے تو وہ مستحق ملامت نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے بھی نمونہ موجود ہے۔

حضرت عامر بن عبد قیس کا حال یہ تھا کہ وہ ایک پہاڑی کی وادی میں کچھ دنوں مقیم رہے، وہ ایک گوشہ میں مصروف عبادت ہوتے، دوسرے گوشے میں ایک حبشی عابد مشغول تھا، چالیس روز تک دونوں ایک ہی جگہ رہے، لیکن علاوہ فرض نماز کی جماعت کے دونوں کبھی اکٹھے نہیں ہوئے۔ (حوالہ بالا)

یہ تھا ذوقِ عبادت کہ تنہائی ہے، اور ایک شخص اپنا ہم جنس ہے، جس سے اُنس حاصل ہوسکتا ہے، مگر عبادت کا انہماک اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے وہ اُنس ہے کہ کبھی ملاقات کی بھی نوبت نہیں آئی۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عامر بن عبد قیس نے فرمایا کہ میں نے لوگوں کی زندگی اور عیش کو چار چیزوں میں پایا، عورتوں میں، کھانے میں، لباس میں، سونے میں، میرا حال یہ ہے کہ لباس مجھے اتنا مل جائے کہ میں اپنے پوشیدہ اعضاء کو چھپا سکوں تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں، اور عورتوں کے سلسلے میں میرا حال یہ ہے کہ میں عورت کو دیکھوں یا دیوار کو دیکھوں، کوئی فرق نہیں پڑتا، اور نیند اور کھانا میرے اوپر غلبہ پانے والی چیزیں ہیں، تو میں اپنی کوشش و محنت سے ان دونوں کو دبا لوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، انھوں نے اپنی کوشش

ومحنت کو ان دونوں کے ساتھ ملا کر انھیں دبا دیا، وہ راتوں کو بہت کم سوتے تھے، تا آنکہ ان کا وصال ہو گیا۔ (رہبان اللیل بحوالہ الزاہد)

حضرت عامر بن عبد قیس زیادہ تر روزہ رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے، اس سلسلے میں ان سے بعض لوگوں نے گفتگو کی، تو فرمایا، یہ بات نہیں ہے، میں نے دن کے کھانے کو رات کے حصے میں ڈال دیا ہے، اور رات کے سونے کو دن کے حصے میں رکھ دیا ہے، اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ (رہبان اللیل بحوالہ تنبیہ المغترین)

جب رات آتی تو فرماتے کہ جہنم کی گرمی نے نیند اُڑا دی ہے، پھر صبح تک نہیں سوتے، اور جب دن آتا تو فرماتے کہ جہنم کی گرمی نے نیند اُڑا دی ہے، پھر شام تک نہ سوتے۔

ان کی کثرت عبادت کو دیکھ کر حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ عامر بن عبد قیس ''اس امت کے راہب ہیں'' (سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:)

حلیۃ الاولیاء میں حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ان کی دعا نقل کی ہے، پروردگار کے حضور میں انھوں نے عرض کی:

> ''دنیا میں رنج وغم بہت ہیں اور آخرت میں جہنم اور حساب کا مسئلہ ہے، تو راحت وخوشی کہاں ہے؟ اے میرے معبود! آپ نے مجھے پیدا کیا، اور میرے مشورے کے بغیر پیدا کیا، اور دنیا کی بلاؤں میں مجھے ٹھہرایا ہے، پھر آپ کا یہ بھی حکم ہے کہ جمے رہو، میں کیسے جم سکتا ہوں، اگر آپ مجھے نہ تھامیں؟ میرے معبود! آپ جانتے ہیں کہ اگر ساری دنیا اپنے تمام ساز وسامان کے ساتھ میرے پاس ہوتی اور پھر اسے مجھ سے مانگتے، تو میں سب دے دیتا، تو آپ میرے لئے میرے نفس کو عطا فرما دیجئے (مطلب یہ ہے کہ تاکہ میں عبادت میں اسے حسب دلخواہ استعمال کروں)

حضرت عامر بن عبد قیس علیہ الرحمہ کا وصال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ امارت میں ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:)

☆☆☆☆☆

حضرت ہرم بن حیان ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ہرم بن حیان ان آٹھ کبار تابعین میں سے ایک ہیں، جو زُہد وعبادت میں ممتاز ہیں، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے شاگرد اور حسن بصریؒ کے شیخ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں کسی مقام کا حاکم بھی مقرر کیا تھا، امام ابوالقاسم بن عساکر نے لکھا ہے کہ حضرت اویس قرنی کی تلاش میں دمشق تشریف لائے تھے۔

بہت ہی معتبر اور ثقہ تھے، عبادت وریاضت میں معروف تھے۔ حضرت معلیٰ بن زیاد فرماتے ہیں کہ حضرت ہرم رات گئے گھر سے باہر نکلتے، اور بلند آواز سے پکارتے، مجھے حیرت ہے کہ جنت کا طلبگار سوتا کیونکر ہے؟ مجھے حیرت ہے جہنم سے بھاگنے والا سوتا کیونکر ہے؟ پھر آپ یہ آیت تلاوت فرماتے: **أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَّاتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتاً وَّهُمْ نَائِمُوْنَ**، (سورۂ اعراف: ۹۷) کیا آبادیوں والے اس پر مطمئن ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب آپڑے جبکہ وہ سوئے ہوئے ہوں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ہرم بن حیان اور عامر بن کریز دونوں سفر میں نکلے، ان کی سواریاں ایک درخت کے پتے کھانے لگیں، حضرت نے فرمایا کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ تم یہی درخت ہوتے؟ حضرت عامر نے کہا نہیں، اللہ نے مجھے اسلام کی توفیق بخشی ہے، اور مجھے امیدیں ہیں۔ حضرت ہرم نے فرمایا کہ مجھے تو یہی پسند ہے کہ میں درخت ہوتا، اور یہ اونٹنی مجھے کھا جاتی، پھر مینگنی کی صورت میں باہر ڈال دیتی، اور مجھے جلاون بنا دیا جاتا، اور میں حساب کی زحمت سے بچ جاتا، اے ابن ابی عامر! تم پر افسوس! میں تو اس مصیبت عظمیٰ سے ڈرتا ہوں۔

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہرم بن حیان فرمایا کرتے تھے کہ جب بندہ اپنے دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے قلوب اس کی طرف متوجہ فرما دیتے ہیں اور اسے ان کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

ابو عمران جونی کہتے ہیں کہ حضرت ہرم بن حیان نے فرمایا کہ عالم فاسق سے بہت بچو، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہونچی، تو انھوں نے لکھا کہ عالم فاسق کون ہے؟ جواب میں انھوں نے لکھا کہ حضرت! میں نے بجز خیر کے اور کوئی ارادہ نہیں کیا ہے؟ وہ ایسا امام ہے جو علم کی باتیں تو کرتا ہے، مگر عمل فسق والا کرتا ہے، اور لوگوں پر باتوں کو مشتبہ کر دیتا ہے اور لوگ اسے دیکھ کر بہک جاتے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس دن حضرت ہرم کا انتقال ہوا، شدید گرمی تھی، جب لوگ تدفین سے فارغ ہوئے تو آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا آیا، وہ ٹھیک قبر کے اوپر ٹھہر گیا، وہ ٹکڑا قبر کے بالکل برابر تھا، نہ اس سے زیادہ نہ اس سے کم، وہ قبر پر برسا، پھر چلا گیا۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت ہرم کی قبر پر اسی روز بارش ہوئی اور اسی روز گھاس اُگ آئی۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

یہ شعر حضرت ہرم کے حق میں بالکل حقیقت ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مسروق بن اجدع ہمدانی کوفی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۶۳ھ

آٹھ وہ کبار تابعین جو زُہد و عبادت میں ممتاز تھے، ان میں ایک حضرت مسروق بن اجدع ہیں۔ حضرت ان تابعین میں ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں پیدا ہو چکے تھے، مگر خدمت اقدس میں حاضری کا موقع نہ مل سکا تھا۔

ابو بکر بن خطیب نے لکھا ہے کہ بچپن میں چور انھیں اُٹھا لے گئے تھے، پھر واپس ملے تو ان کا نام ''مسروق'' (چرایا ہوا) پڑ گیا۔ ان کے والد ماجد اجدع بھی مسلمان ہوئے تھے، خلفائے راشدین اور متعدد صحابہ سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے روایت کرنے والے اکابر تابعین ہیں۔

حضرت مسروق علم و فضل میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے خاص تلامذہ میں تھے، ام المومنین انھیں بالکل بیٹے کی طرح مانتی تھیں، مشہور تابعی حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا کے کسی خطے میں حضرت مسروق سے زیادہ علم کی جستجو کرنے والا کوئی ہوگا۔

حضرت مسروق کی نماز اور عبادت کا حال ان کے ایک شاگرد ابو اسحٰق بیان کرتے ہیں، حضرت مسروق حج میں گئے تو پورے سفر نماز اور عبادت میں مشغول رہے، اور مطلقاً نہیں سوئے، اگر کبھی انھیں نیند آئی تو سجدے کی حالت میں کچھ دیر سو رہے۔

حضرت مسروق کی اہلیہ محترمہ فرماتی ہیں کہ مسروق نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ پاؤں ورم کر جاتے تھے، ان کی محنت اور مجاہدہ دیکھ کر مجھے رونا آ جاتا تھا، میں بیٹھی روتی رہتی۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ شدید گرمی کے دن میں حضرت مسروق روزے سے تھے، شدت گرما کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے، ان کی ایک صاحبزادی تھیں، جن کا نام انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ کے نام پر عائشہ رکھا تھا، اور اس نام کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان صاحبزادی کی بات کبھی نہ ٹالتے تھے، حضرت مسروق کو ام المومنین نے بیٹا بنالیا تھا، اس لئے اس نام کا وہ بہت احترام کرتے تھے۔ بیٹی نے جب باپ کو بے ہوش پایا تو آئیں، انھیں افاقہ ہوا تو عرض کی کہ ابا! افطار کر لیجئے، پانی پی لیجئے، فرمایا بیٹی تم کس نیت سے یہ بات کہہ رہی ہو، عرض کی رِفق اور سہولت کے لئے، فرمایا بیٹی میں نے اپنے لئے اس دن کی سہولت کا ارادہ کیا ہے، جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔

حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ آدمی کے عالم ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس کے اندر اللہ کی خشیت ہو، اور آدمی کے جاہل ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اسے اپنے عمل پر عجب اور ناز ہو۔

حضرت مسروق کا انتقال ایک قول کے مطابق ۶۲ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۶۳ھ میں ہوا۔

(یہ سارے حالات امام ذہبیؒ کی مشہور کتاب ''سیر اعلام النبلاء، ج ۵ سے ماخوذ ہیں)

☆☆☆☆☆

حضرت ربیع بن خُثیم ابو یزید ثوری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۶۵ھ

یہ بھی ان آٹھ جلیل القدر تابعین میں ہیں، جو زُہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں اللہ کی ایک نشانی تھے۔ حضرت ربیع نے رسول اللہ ﷺ کا عہد مبارک پایا، مگر خدمت میں حاضری نہ ہوسکی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص تلامذہ میں ہیں، ان کا شمار عاقل ترین آدمیوں میں تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے یہاں ان کی کیا قدر ومنزلت تھی، اس کا اندازہ ان کے صاحبزادے حضرت ابوعبیدہ کے بیان سے ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ جب وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ان کو آخر تک وہاں سے جانے کی اجازت نہ ہوتی، جب سب سے فراغت ہوجاتی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے کہ اے ابو یزید! اگر تم کو رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو ضرور تم سے محبت فرماتے، جب بھی تم کو میں دیکھتا ہوں، اللہ کے برگزیدہ بندے جو اللہ کے حضور خاشع ہوتے ہیں، یاد آجاتے ہیں۔

حضرت ربیع کے لئے یہ بہت بڑی منقبت ہے، اسے امام ذہبیؒ نے اپنی مسلسل سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت ربیع کے احتیاط وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابراہیم نخعی ایک صاحب کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں بیس سال سے حضرت ربیع کی زبان سے سوائے اس کلمہ کے کچھ اور نہیں سنا ہے، جو اللہ کی طرف بلند ہوتا ہے، یعنی کلمہ لاالٰہ الا اللہ، **إلیہ یصعد الکلم الطیب**، اور بعض لوگوں سے منقول ہے کہ میں ربیع کی صحبت میں بیس سال رہا ہوں، میں

نے ان سے کوئی ایسی بات نہیں سنی جو قابل گرفت ہو۔

حضرت ربیع سے اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت آپ نے صبح کس حال میں کی؟ تو فرماتے کہ کمزور گنہگار! اپنی روزی کھا رہے ہیں اور اپنی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔

حضرت ربیع کی صاحبزادی نے ان کی شب بیداری اور عبادت گزاری دیکھ کر ایک روز کہا، ابا! کیا آپ سوتے نہیں؟ فرمایا کہ وہ آدمی کیسے سو سکتا ہے جو رات میں عذاب آ جانے کا خوف رکھتا ہو۔

اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی جانب أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرىٰ أَنْ يَّاتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتاً وَّهُمْ نَائِمُوْنَ، حضرت ربیع پر فالج کا اثر ہو گیا تھا، تب بھی وہ لوگوں کے سہارے گھسٹتے ہوئے مسجد جاتے تھے، ان سے عرض کیا گیا کہ آپ کے لئے تو رُخصت ہے، فرمایا کہ میں حی علی الصلوٰۃ سنتا ہوں، اگر ہاتھ پاؤں کے بل چل کر جا سکتے ہو، تو جاؤ۔

حضرت ربیع نفل نمازیں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے، گھر میں پڑھا کرتے تھے، صرف ایک بار مسجد میں نفل پڑھتے ہوئے دیکھے گئے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سب سے متقی اور محتاط حضرت ربیع تھے۔

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو نہیں دیکھا کہ وہ علم، حلم اور ترک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ سے بڑھ کر ہو، اگر صحابۂ کرام ان سے سابق نہ ہوتے، تو ہم تلامذۂ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر کسی کو فوقیت نہ دیتے۔ حضرت ربیع کا انتقال ۶۵ھ سے پہلے ہوا۔

(یہ سارے حالات امام ذہبیؒ کی مشہور کتاب ''سیر اعلام النبلاء''، ج ۵ سے ماخوذ ہیں)

☆☆☆☆☆

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۶۲ھ

حضرت ابو مسلم خولانی علیہ الرحمہ ان جلیل القدر تابعین میں ہیں، جو اسلام کی حقانیت کی دلیل ہیں، جن کی بزرگی اور خدا رسیدگی کے قائل امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام اصح قول کے مطابق عبداللہ بن ثوب ہے، عہد رسالت ہی میں سعادت اسلام حاصل کر لی تھی، یمن کے رہنے والے تھے، مسلمان ہونے کے بعد دربارِ رسالت میں حاضری کے ارادے سے چلے، مدینہ پہونچے تو معلوم ہوا کہ حضرت ﷺ کا وصال ہو چکا ہے، اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی بعض بدبختوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، یمن میں اسود عنسی کاذب تھا، اس نے حضرت ابو مسلم خولانی کو بلایا اور ان سے پوچھا کیا تم محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ فرمایا ہاں، کہا اچھا کیا میرے اللہ کا رسول ہونے کی بھی گواہی دیتے ہو؟ فرمایا کہ میں نہیں سن رہا ہوں، اس نے زبردست آگ جلوائی اور اس میں ابو مسلم کو ڈال دیا، آگ نے انھیں چھوا تک نہیں، اس پر اس کے لوگوں نے کہا کہ اگر یہ تمہارے علاقے میں رہا تو لوگوں کو تمہارے خلاف بھڑکا دے گا، اس نے انھیں جلاوطن کر دیا، وہ مدینہ تشریف لائے، حضور اکرم ﷺ کا وصال ہو چکا تھا، انھوں نے مسجد کے دروازے پر اپنی سواری کو باندھا اور مسجد کے اندر جا کر ایک ستون کے قریب نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھا تو ان کے پاس تشریف لائے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد ان سے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا یمن سے، فرمایا اللہ کے دشمن نے ہمارے اس دوست کے ساتھ کیا معاملہ جس کو اس نے آگ میں جلانا چاہا تھا، مگر آگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکی، عرض

کیا وہ عبداللہ بن ثوب ہے، فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں وہ آدمی تمہیں ہو؟ عرض کیا جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بے ساختہ ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور انھیں لے کر بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور فرمایا کہ الحمدللہ کہ میں نے اپنی موت سے پہلے امت محمدیہ میں ایک ایسے شخص کو دیکھ لیا، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وہی معاملہ کیا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۱ص:۳۱۷، سیر اعلام النبلاء، ج:۵ص:۶۱)

حضرت ابومسلم خولانی علیہ الرحمہ عبادت وریاضت میں بہت محنت ومشقت برداشت کرتے تھے، انھوں نے مسجد میں ایک کوڑا لٹکا رکھا تھا، فرماتے تھے کہ چوپایوں کے مقابلے میں کوڑوں کا زیادہ مستحق ہوں، جب عبادت اور نماز میں سستی ہوتی تو اپنی پنڈلی پر اسی کوڑے سے ایک دو ضربیں لگاتے اور فرماتے کہ اگر میں جنت یا جہنم کو کھلی آنکھوں دیکھ بھی لوں تو بھی میرے یقین میں اضافہ نہ ہوگا، یعنی جنت اور جہنم کا اس درجہ یقین ہے کہ مشاہدہ سے اس میں اضافہ نہیں ہوگا۔

ایک بار دو آدمی ابومسلم سے ملنے آئے، انھیں گھر پر نہیں پایا تو مسجد میں آئے، وہاں انھیں نماز پڑھتے پایا، وہ دونوں ان کا انتظار کرنے لگے، ایک آدمی ان کی رکعتیں گنتا رہا، انھوں نے مسلسل تین سو رکعتیں پڑھیں۔

حضرت ابومسلم خولانی بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے، ان کی کرامتیں مشہور ہیں، وہ جب بھی کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے، اور کسی دریا سے گزرنا ہوتا، تو فرماتے کہ اللہ کے نام سے پار ہوجاؤ، وہ ان کے سامنے رہتے اور لوگ پار کرتے جاتے، گھرے سے گھرے دریا میں گھٹنے تک پانی ہوتا، اگر کسی کا سامان دریا میں گرجاتا تو اسے نکال کر دیدیتے۔

کبھی بچے ان سے کہتے کہ اللہ سے دعا کردیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے کسی ہرنی کو روک دیں، وہ دعا کرتے اور ہرنی بچوں کو مل جاتی ۶۲ھ میں ان کا وصال ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت علقمہ بن قیس نخعی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۶۱ھ

حضرت علقمہ بن قیس، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مخصوص تلامذہ میں تھے، علم وعمل اور سیرت وخصلت میں اپنے استاذ کے سب سے زیادہ مشابہ، مشہور فقیہ و مجتہد اور قاری قرآن تھے۔ حضرت اسود بن یزید کے چچا، فقیہ عراق حضرت ابراہیم نخعی کے ماموں، عہد رسالت میں ہی پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحبت میں مسلسل رہے، یہاں تک کہ علم وعمل میں مرتبۂ ریاست پر فائز ہوئے۔

دورِ صحابہ ہی میں حضرت علقمہ کی استاذی کا شہرہ ہوگیا تھا، طلبہ علم حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے۔ حضرت مرہ ہمدانی نے فرمایا کہ علقمہ علماء ربانیین میں تھے۔

حضرت علقمہ پانچ دن میں قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرأتِ قرآن میں اچھی آواز اور اچھا لہجہ عطا فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مجھے بلوا کر قرآن سنا کرتے تھے، جب فارغ ہوجاتا تو فرماتے کہ اور پڑھو میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اچھی آواز قرآن کی زینت ہے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ اگر کسی گھر والے جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہوں تو وہ یہی گھر والے ہیں، یعنی علقمہ اور اسود۔

حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت علقمہ نے وصیت کی تھی کہ جب میرا

وقت آجائے تو میرے پاس کلمہ **لا الہ الا اللہ** کی تلقین کرنے والے کو بیٹھاؤ، اور جب میں مرجاؤں تو جلدی دفن کرو، اور لوگوں کو میری موت کی خبر نہ دو، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ جاہلیت والی خبر نہ ہو۔

حضرت علقمہ کی وفات ۶۱ھ میں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ

المتوفیٰ ۷۵ھ

حضرت اسود بن یزید بھی ان آٹھ تابعین میں ہیں، جو زُہد و عبادت میں خاص امتیاز کے مالک ہیں، حضرت علقمہ کے بھتیجے ہیں۔ حضرت اسود بھی عہد رسالت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص تلامذہ میں ہیں، حضرت اسود جلالت علمی، ثقاہت اور عمر میں حضرت مسروق کے ہم پایہ تھے۔ ان دونوں کی عبادت و ریاضت ضرب المثل تھی۔

حضرت اسود بن یزید نے اسّی حج و عمرہ کئے ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اسود رمضان میں دو رات میں قرآن ختم کیا کرتے تھے، اور صرف مغرب اور عشاء کے درمیان سوتے تھے، اور رمضان کے علاوہ مہینوں میں ہر چھ دن میں ختم کیا کرتے تھے۔ حضرت شعبی سے حضرت اسود کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھنے والے، شب زندہ داری کرنے والے، بہت کثرت سے حج کرنے والے تھے۔

علقمہ بن مرثد نے فرمایا کہ اسود عبادت میں بہت زیادہ محنت کرتے تھے اور روزہ تو اتنا رکھتے تھے کہ سبز اور زرد پڑ جاتے تھے، جب وفات کا وقت قریب آیا تو رو رہے تھے، ان سے عرض کیا گیا یہ گھبراہٹ کیسی ہے؟ فرمایا کہ مجھے گھبرانا ہی چاہیئے، قسم بخدا! اگر اللہ کی جناب سے میری مغفرت ہو جائے تو مجھے اپنے گناہوں پر سخت شرمساری ہوگی، دیکھ آدمی اور آدمی کے درمیان معمولی سی غلطی ہوتی ہے اور اسے صاحب معاملہ معاف کر دیتا ہے، تو دوسرا شرمسار رہتا ہے۔

حضرت اسود کی وفات ۷۵ھ میں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

ابوالصہباء حضرت صلہ بن اشیم الزاہد العابد رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۶۲ھ

بصرہ کے مشہور عابد وزاہد تابعی ہیں، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ’’کتاب الزھد ‘‘ میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک شخص ہوگا، جس کا نام صلہ ہوگا اس کی شفاعت سے جنت میں اتنے اتنے لوگ جائیں گے۔

حضرت صلہ کی عبادت گزاری کا حال یہ تھا کہ ان کی اہلیہ حضرت معاذہ جو مشہور عالم ومحدث ہیں، بخاری ومسلم کے رُواۃ میں ہیں، فرماتی ہیں کہ ابوالصہباء رات میں اتنی کثرت سے نماز پڑھتے تھے کہ بستر پر چل کر آنے کی طاقت نہ ہوتی تھی، گھسٹ کر آتے تھے۔

جعفر بن زید حضرت صلہ کا ایک واقعہ سناتے ہیں جس سے ان کی تہجد گزاری کا حال بھی معلوم ہوتا ہے، اوران کی شجاعت وتوکل علی اللہ کا حال بھی کھلتا ہے، فرماتے ہیں کہ ہم کابل کی طرف ایک جنگ میں گئے، لشکر میں صلہ بھی تھے، ایک جگہ لشکر نے پڑاؤ ڈالا، میں نے جی میں کہا کہ صلہ رات میں کیا کرتے ہیں دیکھوں گا۔ انھوں نے نماز پڑھی اور لیٹ گئے، وہ لوگوں کے بے خبر ہوجانے کے انتظار میں تھے، پھر وہ تیزی سے اُٹھے اورایک جھاڑی میں گھس گئے، میں بھی وہاں پہونچا، انھوں نے وضو کرکے نماز شروع کردی، پھر ایک شیر آیا، وہ ان کے قریب گیا، میں تو خوف کی وجہ سے ایک درخت پر چڑھ گیا، فرماتے ہیں کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوا ہوگا؟ نہیں، یہاں تک کہ انھوں نے سجدہ کیا،

میں نے سوچا کہ اب یہ انھیں پھاڑے گا، لیکن اس نے کچھ نہیں کیا، پھر بیٹھے اور سلام پھیرا، سلام پھیرنے کے بعد کہا کہ اے شیر تم جاؤ دوسری جگہ روزی تلاش کرو، وہ چلا گیا اور اتنے زور سے وہ دہاڑ رہا تھا جیسے پہاڑ پھٹ جائے گا، پھر جب صبح ہوگئی تو وہ بیٹھے اور اللہ کی ایسی ایسی حمدیں بیان کیں جو میں نے کبھی نہیں سنی تھیں، پھر فرمایا: اے اللہ! میں آپ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ جہنم سے مجھے نجات دیجئے، کیا میرے جیسا آپ سے جنت مانگنے کی جرأت کرسکتا ہے۔

۶۲ھ میں انھوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔

☆☆☆☆☆

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

المتوفیٰ ۱۱۰ھ

حضرت حسن بصری مشہور تابعی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے، ان کی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ باندی اور ان کی خدمت گزار تھیں، کبھی کبھی حضرت ام المومنین انھیں کسی کام سے کہیں بھیج دیتیں اور حسن بصری رونے لگتے تو ام المومنین انھیں چھاتی سے لگا لیتیں اور ان کے لئے دودھ نکل آتا تھا۔ حضرت ام اسلمہ انھیں صحابۂ کرام کی خدمت میں پہونچایا کرتی تھیں، وہ حضرات ان کے لئے دعا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اخیر دورِ خلافت تھا، دو سال کے قریب ان کی عمر ہوئی تھی، ایک بار امیر المومنین کی گود میں انھیں دیا گیا، تو انھوں نے دعا کی: **اللّٰهم فقهه فی الدین وحببه إلی الناس**، اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما، اور لوگوں میں اسے محبوب بنا۔

حضرت حسن بصری علم و عمل کے لحاظ سے اپنے زمانے کے سردار تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۵)

حضرت یونس بن عبیدہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کوئی ایسا آدمی دیکھا جو حسن بصری جیسا عمل کرتا ہو، انھوں نے فرمایا میں نے تو کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو ان کے جیسا کلام کرتا ہو، ان کے جیسا عمل کرنا تو دور کی بات ہے، ان کا وعظ قلوب کو رُلا دیتا تھا اور دوسروں کا وعظ تو آنکھوں کو بھی نہیں رُلا پاتا۔ (تنبیہ المغترین، ص:۹)

ان کا حال یہ تھا کہ جب آتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ اپنے کسی بہت ہی جگری دوست کو دفن کرکے آرہے ہیں، یعنی خوف خدا کی وجہ سے چہرہ پر ہمیشہ حزن وملال کی

کیفیت رہا کرتی، اور جب رونا شروع کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ جہنم صرف انھیں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ میں نے کوئی عبادت اتنی بھاری اور مشکل نہیں پائی جتنی تہجد کی نماز پائی۔ (الزهد لابن حنبل، ص: ۲۵۹) انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُوراً ، کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص رات میں عبادت سے رہ جائے تو دن میں اس کے لئے گنجائش ہے، اور جو شخص دن میں عاجز ہوجائے تو رات میں اس کے لئے گنجائش ہے۔ (الزہد لابن حنبل، ص: ۱۷۲)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ بندہ اگر سجدہ کی حالت میں سوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ پر فخر فرماتے ہیں کہ میرے بندے کو دیکھو تو سہی، وہ میری عبادت کررہا ہے اور اس کی روح میرے پاس ہے، اور وہ سجدے میں ہے۔ (الزہد لابن حنبل، ص: ۲۵۹) اور فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ کے بعد کوئی عمل تہجد کی نماز سے بہتر نہیں ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ لوگ جو بھی عمل کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی تہجد کی نماز سے بہتر نہیں ہے اور زمین پر کوئی بھی چیز اتنی مشکل نہیں ہے جتنی تہجد کی نماز اور صدقہ مشکل ہے، خود ان کا حال یہ تھا کہ کھڑے ہوکر تہجد پڑھتے، تھک جاتے تو بیٹھ کر پڑھتے اور تھک جاتے تو لیٹ کر پڑھنے لگتے۔ (مختصر قیام اللیل، ص: ۲۶) (۱)

فرماتے ہیں کہ واللہ میں نے ایسے لوگوں کو پایا ہے اور ان میں سے ایک جماعت کی صف میں رہا ہوں، دنیا کی کوئی چیز انھیں مل جائے، وہ اس سے خوش نہیں ہوتے تھے، اور نہ کسی چیز کے فوت ہونے پر افسوس کرتے تھے، دنیا ان کی نگاہوں میں مٹی سے زیادہ ہلکی تھی، وہ لوگ پچاس پچاس سال اس حال میں گزار دیتے تھے کہ ان کے لئے کوئی کپڑا تہ

---

(۱) تنبیہ المغترین کے حوالے سے لے کر یہاں تک سب اقتباسات رہبان اللیل ج۱، میں حسن بصری کے تذکرے سے نقل کئے گئے۔

نہیں کیا جاتا تھا، اور نہ ان کے لئے ہانڈی چولہے پر رکھی جاتی، اور نہ وہ اپنے درمیان اور زمین کے درمیان کوئی بستر اور بچھونا ڈالتے تھے، اور نہ انھوں نے اپنے گھروں میں کسی خاص چیز پکانے کا حکم دیا، جب رات ہوتی تو اپنے قدموں پر کھڑے ہوتے، اور چہروں کو فرشِ زمین پر ڈال دیتے، ان کے آنسوان کے رُخساروں پر بہتے رہتے، وہ اپنے رب سے اپنی گردنوں کو چھڑانے کے سلسلے میں مناجات کرتے، جب ان سے کوئی اچھا عمل صادر ہوتا تو مسلسل شکر ادا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے کہ اسے قبول کرلیا جائے، اور جب ان سے کوئی برا عمل صادر ہوجاتا تو وہ رنجیدہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کرتے، وہ برابر اسی حال پر رہتے۔ پس خدا کی قسم وہ جو گناہوں سے بچے اور عذاب سے نجات پائی تو وہ اس لئے ہے کہ ان کی مغفرت کردی گئی، اور تم لوگ ایک گھٹتی رہنے والی مدت میں ہو، اور عمل محفوظ ہے اور موت واللہ تمہاری گردنوں میں ہے، اور جہنم تمہارے سامنے ہے، تو اللہ کے فیصلے کے منتظر رہو، دن میں بھی اور رات میں بھی۔

(الزہد لابن حنبل، ص: ۲۸۵، رہبان اللیل، ج: ۱، ص: ۳۵۹)

☆☆☆☆☆

مدینہ شریف کے مشہور فقہاء

حضرات اکابر تابعین سبھی عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، خشیت الٰہی اور ورع واحتیاط میں ممتاز تھے، کیونکہ یہ حضرات براہ راست اجلۂ صحابہ کے صحبت یافتہ تھے۔ ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شب زندہ داری کا وہ اہتمام کیا تھا کہ بعد والوں کے لئے ان کا تصور بھی مشکل ہے، ان میں سے چند بزرگوں کا تذکرہ کیا گیا، جو عبادت وریاضت میں بھی ممتاز تھے، مدینہ شریف میں تابعین کا ایک طبقہ وہ تھا جو علم وفضل، علم وتفقہ میں معروف تھا، یہ لوگ تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری کئے ہوئے تھے، ان کے پاس طلبہ وعلماء کا ہجوم رہا کرتا تھا، شائقین علم دور دراز سے سفر کر کے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔ ان کی اصل مشغولیت علم کی نشر واشاعت اور مسائل ومعاملات میں لوگوں کی رہنمائی کرنے کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کو وفات پائے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، جن لوگوں کو آپ کی زیارت کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، وہ بے چین ہو ہو کر آپ کی حدیثوں کی تلاش میں پھرتے تھے، مدینہ میں علماء کی ایک جماعت ایسی تھی جو حدیث میں اور تفقہ میں با کمال تھی، ان کی زیادہ تر مشغولی علم ہی کی تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ حضرات بڑے عابد وزاہد بھی تھے۔ صاحب حلیۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ **وكان لهم الحظ الوافر من التعبد والنسک ولم يظهروه بل أخفوه وكتموه**۔ انھیں عبادت گزاری اور اعمال بندگی کا وافر حصہ نصیب ہوا تھا، وہ اپنی عبادت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، اسے چھپاتے اور پوشیدہ رکھتے تھے۔ ان فقہاء مدینہ میں سات بہت مشہور وممتاز ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) سعید بن المسیّب

(۲) عروہ بن زبیر

(۳) قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق

(۴) ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث

(۵) خارجہ بن زید بن ثابت

(۶) عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ

(۷) سلیمان بن یسار

صاحب حلیۃ الاولیاء فرماتے ہیں: **ھٰؤلاء ھم الفقھاء السبعة كان نسكھم وتعبدھم فوق نسل كثير من المشتھرين بالتعبد**، یہی فقہاء سبعہ ہیں، ان کی عبادت گزاری بہت سے مشہور عبادت گزاروں سے بڑھ کر تھی۔

☆☆☆☆☆

حضرت سعید بن مسیّبؒ

المتوفی ۸۴۱ھ

حضرت سعید بن مسیّب اکابر تابعین میں اونچے مقام کے مالک ہیں، امیر المومنین حضرت عمرؓ کو ہوش کی عمر میں پایا ہے، خود فرماتے ہیں کہ میری پیدائش اس وقت ہوئی جبکہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت کو ابھی دو سال پورے ہوئے تھے، اور معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ کی مدت خلافت دس سال چار ماہ تھی، گویا ان کی شہادت کے وقت ان کی عمر ۸؍سال سے زائد ہو چکی تھی، انھوں نے حضرت عمرؓ کی زبان مبارک سے خطبہ بھی سنا تھا، جسے انھوں نے یاد رکھا تھا۔

حضرات صحابہ میں حضرت زید بن ثابت، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے علم حاصل کیا تھا۔ حضرات امہات المومنین حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ **رضی اللہ عنہما** کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت صہیب اور حضرت محمد بن مسلمہؓ سے حدیثیں سماعت فرمائی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے تو خاص شاگرد تھے اور ان کے داماد بھی تھے، انھیں **فقیه الفقهاء** کہا جاتا تھا، حضرت مکحول نے فرمایا کہ سعید بن المسیّب **عالم العلماء** تھے، میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ میں مدینہ شریف حاضر ہوا تو میں نے تحقیق کی کہ یہاں سب سے بڑے عالم اور فقیہ کون ہیں؟ تو مجھے حضرت سعید بن مسیّب کی خدمت میں پہونچایا گیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ کے گورنر تھے، تو کوئی بھی فیصلہ کرنا ہوتا تھا تو حضرت سعید بن مسیّب سے دریافت فرماتے تھے، ان کے دل میں ان کے علم وفضل کا اتنا

احترام تھا کہ ایک روز قاصد کو ان کی خدمت میں ایک سوال دے کر بھیجا کہ ان سے پوچھ کر آؤ، قاصد نے ان سے سوال کرنے کے بجائے یہ کہا کہ امیر مدینہ آپ کو بلا رہے ہیں۔ حضرت سعید بن مسیّب تشریف لائے، تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے معذرت کی اور فرمایا کہ قاصد سے غلطی ہوئی، میں نے ایک سوال دے کر بھیجا تھا کہ آپ کی مجلس میں آپ سے پوچھ کر آئے۔

اس علم وفضل اور استفادہ وافادہ کے ساتھ عبادت وریاضت اور نماز کے اہتمام کا حال یہ تھا کہ عثمان بن حکیم کے حوالے سے مشہور محدث وفقیہ حضرت سفیان ثوریؒ نے خود حضرت سعید بن مسیّبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ تیس سال سے کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ مؤذن نے اذان کہی ہو اور میں مسجد میں پہلے سے موجود نہ رہا ہوں۔

اور اس کے ساتھ مسلسل روزے رکھا کرتے تھے، اور حج کا حال یہ تھا کہ فرماتے ہیں کہ میں چالیس حج کئے ہیں، تعلیم وتعلم کی اس مشغولیت کے باوجود عبادت گزاری کا اس درجہ اہتمام خاص توفیق الٰہی کا مظہر ہے۔

(یہاں تک مضمون ''سیر اعلام النبلاء'' سے ماخوذ ہے)

عبد اللہ بن ادریس، اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن مسیّب نے پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے، اور وہ مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے۔ (رہبان اللیل بحوالہ صفۃ الصلوٰۃ، ج:۲، ص:۸۰)

گویا پورا دن روزے کی عبادت میں بسر ہوتا تھا، پوری رات نماز کی مشغولی رہتی تھی۔ اللہ اکبر کتنا زبردست مجاہدہ تھا۔

☆☆☆☆☆

حضرت عروہ بن زبیرؒ

المتوفی ۹۴ھ

رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی، حواریٔ رسول حضرت زبیر بن العوام ﵁ کے صاحبزادے ہیں، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان ﵁ کے عہد خلافت میں ۲۶ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے ہیں اور مسلسل ان کی صحبت میں رہے اور ان کے اخص تلامذہ میں شمار ہوئے، ان کے علاوہ بکثرت صحابہ سے علمی استفادہ کیا، مدینہ کے سات فقہاء کے ایک اہم رکن تھے۔

حضرت ابوالزناد فرماتے ہیں کہ حطیم میں حضرت زبیر بن العوام ﵁ کے تین صاحبزادے حضرت عبد اللہ، حضرت عروہ اور مصعب نیز مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عمر ﵁ اکٹھا ہوئے، باہم گفتگو ہوئی کہ ہر ایک اپنی اپنی تمنا بیان کرے، حضرت عروہ نے اپنی تمنا بیان کی، کہ میں ایسا ہو جاؤں کہ مجھ سے علم حاصل کیا جائے۔

(تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ص:۳۴۹)

پھر واقعی ایسا ہی ہوا، وہ علماء وطلبہ کے مرجع بنے، مشہور محدث حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہونچے تو انھوں نے فرمایا کہ آؤ اور مجھ سے علم حاصل کرو۔ (حوالہ بالا) وہ بڑی بشاشت اور شفقت کے ساتھ طالبان علوم کو تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت عروہ اپنی عبادات ومعمولات کے بہت پابند تھے۔ ابن شوذب کہتے ہیں کہ عروہ بن زبیر ہر روز قرآن مجید چوتھائی حصہ کی تلاوت دیکھ کر کیا کرتے تھے، پھر اسی حصے کو تہجد میں پڑھتے تھے۔ (حوالہ بالا، ص:۳۵۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساڑھے سات پارے کی تلاوت ناظرہ کے طور پر کرتے پھر انھیں پاروں کی تلاوت تہجد میں حفظ سے کرتے، اس طرح روزانہ پندرہ پارے کی تلاوت پابندی سے کیا کرتے اور پابندی کا عالم یہ تھا کہ انھوں نے اپنا یہ معمول کبھی ترک نہیں کیا، سوائے اس روز کے جب ان کا پیر کاٹا گیا، بس اسی ایک روز اس میں ناغہ ہوا تھا، ورنہ کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے۔

ان کے پیر کاٹے جانے کا قصہ صبر وضبط کا ایک نادر واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو صبر وضبط کا کیسا ظرف عطا فرماتے ہیں۔ قدرت الٰہی اور رحمت خداوندی کا ایک انوکھا نمونہ ہے۔

صاحب حلیۃ الاولیاء نے مسلمہ بن محارب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عروہ بن زبیر بنی امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس آئے، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے محمد بن عروہ بھی تھے، محمد ایک بار اصطبل میں گئے، وہاں ایک گھوڑے نے انھیں لتّی ماردی، انھیں ایسی چوٹ لگی کہ وہ وہیں انتقال کر گئے، اور اسی سفر میں یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ ان کے پاؤں میں ایک پھوڑا نکلا، اس نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ ولید نے کہا کہ پاؤں کا کاٹنا ضروری ہے ورنہ پورے جسم میں اس کا زہر پھیل جائے گا۔ حضرت عروہ اس کے لئے تیار ہو گئے، جراحوں نے اس پاؤں کو کاٹ دیا، حضرت عروہ اس وقت بوڑھے ہو چکے تھے مگر صبر کی کیفیت یہ تھی کہ انھیں پکڑنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ ان کے صاحبزادے ہشام فرماتے ہیں کہ اس وقت جب پاؤں کاٹا گیا وہ روزہ سے تھے، لیکن ان کا چہرہ تک متغیر نہیں ہوا۔

پاؤں جب کاٹ دیا گیا اور ان کے سامنے ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ میں تمہارے ذریعہ کبھی کسی گناہ کی طرف جان بوجھ کر نہیں چلا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:۳۶۴)

اس وقت انھوں نے معن بن اوس کے یہ اشعار پڑھے:

لعمرک ماأهویت کفی لریبة ولا حملتنی نحو فاحشة رجلی
ولا قادنی سمعی ولا بصری لها ولا دلنی رابی علیها ولا عقلی
وأعلم انی لم تصبنی مصیبة من الدهر إلا قد أصابت فتی قبلی

تیری زندگی کی قسم! میں نے اپنا ہاتھ کبھی کسی گناہ کی جانب نہیں بڑھایا، اور نہ میرے پاؤں کسی بے حیائی کی جانب لے کر چلے، اور میں جانتا ہوں کہ میں جس کسی مصیبت میں گرفتار ہوا، مجھ سے پہلے اور بھی جواں مرداس کے شکار ہو چکے ہیں۔

(تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ص:۳۵۰)

بس یہی رات تھی جس میں حضرت عروہ کا معمول تہجد کا چھوٹا تھا، مگر اگلی رات اسے بھی پورا کرلیا تھا۔ ولید بن عبدالملک نے ان کے صبر وضبط کو دیکھ کر کہا کہ ان سے زیادہ صبر کرنے والا میں نے کسی بوڑھے کو نہیں دیکھا۔

ولید کے پاس سے لوٹ کر جب وہ مدینہ شریف آئے، اور لوگ ان سے ملنے کے لئے پہونچے، تو کوئی لفظ تکلیف اور شکایت کا ان کی زبان سے نہیں سنا گیا۔ ان کے صاحبزادے ہشام کا بیان ہے کہ صرف اتنا فرماتے ہیں:

اے اللہ! میرے چار ہاتھ پاؤں تھے، آپ نے ایک لے لیا اور تین کو باقی رکھا، آپ کے لئے حمد وشکر ہے، اور میرے چار بیٹے تھے، ایک کو آپ نے لے لیا اور تین کو میرے لئے باقی رکھا، اس پر بھی آپ کے لئے حمد وشکر ہے۔ خدا کی قسم! اگر آپ نے لیا ہے تو باقی بھی رکھا ہے، اور آپ نے مصیبت میں مبتلا کیا ہے، تو عرصۂ دراز تک عافیت میں بھی رکھا ہے۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ص:۳۵۱)

ابن خلکان نے **وفیات الاعیان** میں لکھا ہے کہ ان کی سب سے عمدہ تعزیت ابراہیم بن طلحہ نے کی، انھوں نے ان سے عرض کیا کہ:

> ”خدا کی قسم آپ کو نہ چلنے کی حاجت ہے، نہ دوڑنے کی کوئی مجبوری ہے، آپ کے اعضاء بدن میں ایک عضو، اور آپ کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا آپ سے پہلے جنت میں

پہونچ گیا اور ان شاء اللہ باقی بھی سب اسی کے تابع ہوں گے اور اللہ نے آپ کی وہ چیز ہمارے لئے باقی رکھی ہے، جس کی ہمیں ضرورت ہے، یعنی آپ کا علم اور آپ کی عقل وفہم، اور اللہ ہی آپ کے ثواب کے ذمہ دار اور آپ کے حساب کے ضامن ہیں‘‘

(ج:۳، ص:۲۵٦ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ج:۵ ص:۳٦٦)

حضرت عروہ کا وصال ٦۷؍ سال کی عمر میں ۹۴ھ میں ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت ثابت بن اسلم بنانیؒ

(المتوفیٰ ۱۲۳ھ)

حضرت ثابت بن اسلم بنانی علیہ الرحمہ مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد، ان کے خاص تربیت یافتہ ہیں، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی صحبت میں چالیس سال رہا ہوں (سیر اعلام النبلاء ج:۶ ص:۵۴)

نہایت عابد وزاہد اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے تھے۔ حضرت بکر بن عبداللہ مزنی فرماتے ہیں کہ جو اس زمانے کے سب سے بڑے عابد کو دیکھنا چاہے وہ ثابت بنانی کو دیکھے۔ ہم نے ان سے بڑا عبادت گزار کسی اور کو نہیں پایا۔

(تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۴۰۳)

سلیمان بن مغیرہ نے ثابت بنانی کا قول نقل کیا ہے کہ کسی عبادت گزار کو اس وقت تک عابد نہیں کہا جا سکتا خواہ اس کے اندر صلاح کی تمام خصلتیں موجود ہوں جب تک کہ اس کے اندر یہ دو باتیں نہ پائی جائیں، روزہ اور نماز، ان دونوں کا تعلق اس کے خون اور گوشت سے ہے۔

حضرت ثابت کو نماز سے عشق تھا، وہ ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر اپنی مخلوق میں کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کی گنجائش عطا فرماتے ہوں تو مجھے ضرور عطا فرمایئے گا۔ چنانچہ تاریخ کی شہادت ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ شیبان بن جسر اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ میں نے حضرت ثابت بنانی کو ان کی لحد

میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل تھے یا کوئی اور تھا، جب ہم نے ان کے اوپر کچی اینٹ برابر کردی، تو اچانک ایک اینٹ گر گئی، میں نے دیکھا کہ ثابت اپنی قبر میں محو نماز ہیں، میں نے کہا ذرا دیکھو تو سہی! میرے ساتھ والے نے کہا کہ خاموش رہو، جب ہم دفن سے فارغ ہوئے تو ان کی صاحبزادی کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کے والد کا خاص عمل کیا تھا؟ انھوں نے پوچھا آپ لوگوں نے کیا دیکھا ہے؟ ہم نے انہیں صورت حال بتائی، فرمایا کہ میرے والد پچاس سال تک رات بھر نماز ادا کرتے رہے، اور ہر شب جب صبح ہوتی تو دعا کرتے کہ اے اللہ اگر آپ اپنی مخلوق میں کسی کو بھی قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہوں تو مجھے بھی ضرور اجازت دیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ دعا رد نہیں فرمائیں گے۔

خود حضرت ثابت اپنی نماز کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ بیس سال تک تو مجھے نماز پڑھنے میں مجاہدہ، مشقت رہی مگر پھر وہ میرے لئے بیس سال سے راحت جان اور خوشی کا سامان ہے۔

ابن شوذب کہتے ہیں کہ میرا بسا اوقات حضرت ثابت بنانی کے ساتھ چلنا ہوا ہے، وہ جب کسی مسجد کے پاس سے گزرتے تو ضرور اس میں داخل ہو کر نماز پڑھتے۔

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ حضرت ثابت عبادات میں اور اللہ کی یاد میں بہت روتے تھے۔ اور اس سے ان کی بینائی بہت کمزور ہو گئی تھی۔ لوگ ایک معالج کو لے آئے اس نے کہا کہ میں آپ کا علاج کروں گا بشرطیکہ آپ میری بات مانیں فرمایا کہ وہ کیا؟ کہنے لگا آپ روئیں گے نہیں، فرمایا ایسی آنکھوں کا کیا فائدہ جو نہ روئیں، مجھے علاج کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھلائی کیلئے کچھ کنجیاں ہوتی ہیں۔ اور یقیناً ثابت بھی خیر کی ایک کنجی ہیں۔ سلام بن مسکین کہتے ہیں کہ حضرت ثابت بنانی نے فرمایا کہ جب کوئی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت

برآری کی ذمہ داری حضرت جبرئیل کو سونپ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس میں جلدی نہ کرنا، میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے بندۂ مومن کی آواز سنوں اور جب کوئی فاسق وفاجر دعا کرتا ہے تو اس کی حاجت برآری بھی اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل کے سپرد کر دیتے ہیں اور فرما دیتے ہیں کہ اس کی حاجت جلد پوری کر دو، میں چاہتا ہوں کہ اس کی آواز نہ سنوں۔

حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ ابلیس حضرت یحییٰ علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوا۔ اس کے پاس بہت سے آنکڑے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ یہ آنکڑے کیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ شہوات وخواہشات ہیں، جن سے آدم کے بیٹوں کو شکار کرتا ہوں، پوچھا کہ میرے لئے بھی اس میں کچھ ہے؟ کہا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آپ کھانا شکم سیر ہو کر کھا لیتے ہیں۔ تب ہم آپ کو نماز سے اور ذکر سے سستی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اور کچھ؟ کہا نہیں فرمایا کہ اللہ کیلئے میرے ذمے نذر ہے کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا، ابلیس نے کہا کہ اچھا تو خدا کی قسم میں بھی کسی مسلمان کی خیر خواہی کبھی نہ کروں گا۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ص:۴۰۴)

حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ ثابت بنانی چوبیس گھنٹے میں ایک ختم قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت ثابت نے تہجد کی نماز میں یہ آیت پڑھی: اَکَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَکَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰکَ رَجُلاً (سورۃ الکہف:۳۷) (کیا تم نے اس ذات کے ساتھ کفر کیا، جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک بوند سے، پھر تم کو صحیح وسالم بنایا) اس کو پڑھا اور پڑھتے رہے اور مسلسل روتے رہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۶ص:۵۵)

حضرت ثابت فرماتے تھے کہ میں اپنے قلب میں رات کی نماز سے بڑھ کر اور کوئی لذیذ چیز نہیں پائی وہ پوری رات نماز پڑھتے تھے، جب صبح ہوتی تو اپنے پاؤں کو اپنے ہاتھ سے دباتے اور فرماتے ہائے افسوس! عبادت گزار تو چلے گئے میں راستے میں رہ گیا۔ (رھبان اللیل ج:۱ص:۳۶۸ بحوالہ صفۃ الصفوۃ)

مبارک بن فضالہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بنانی کی خدمت میں ان کے مرض وفات میں پہونچا، ہم کئی لوگ تھے، جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ بھائیو! کل رات میں اس طرح نماز نہیں پڑھ سکا جیسی پڑھا کرتا تھا اور جس طرح روزہ رکھتا تھا، ویسا روزہ نہیں رکھ سکا اور میں اپنے دوستوں کے پاس رہ کر جس طرح ذکر الٰہی کیا کرتا تھا، نہ کر سکا، پھر انھوں نے فرمایا کہ اے اللہ! جب آپ نے مجھے ان تینوں باتوں سے روک دیا تو مجھے تھوڑی دیر کیلئے بھی دنیا میں نہ رہنے دیجئے۔ (سیر اعلام النبلاء)

حضرت ثابت بنانی کا انتقال ایک قول کے مطابق ۱۲۳ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۱۲۷ھ میں ہوا (حوالہ سابق)

☆☆☆☆☆

حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمۃ

اعلم العلماء الابرار معدود فی ثقات التابعین، نیک اور برگزیدہ علماء میں بزرگ ترین عالم، معتبر تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ علامہ ذہبیؒ نے سیر أعلام النبلاء میں حضرت مالک بن دینارؒ کے لئے استعمال کئے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حیات میں پیدا ہوئے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، زہد وعبادت میں معروف ہیں، صاحب حلیۃ الاولیاء نے ان کا طویل تذکرہ لکھا ہے، حق تعالیٰ کی معرفت وعبادت میں بڑا مقام رکھتے تھے۔

فرماتے تھے کہ دنیا والے دنیا سے چل بسے، مگر انھوں نے دنیا کی لذیذ ترین چیز نہیں چکھی، پوچھا گیا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت۔

(سیر أعلام النبلاء: ج٦، ص۱۶۳)

یہ واقعہ ہے کہ دنیا والوں نے دنیا کی چیزوں کو حاصل کرنے کی بہت کوششیں کی ہیں، لذیذ کھانے، عمدہ لباس، شاندار مکان، زیب وزینت کے سامان، فخر ونمائش کے مظاہر وغیرہ، جو اصل شے ہے، جس کی لذت بے مثل بھی ہے اور غیر فانی بھی، یعنی اللہ کی معرفت، جس کے حصول کے بعد آدمی دولت اطمینان وسکون کا سرمایہ دار ہوتا ہے، اسی سے لوگوں کو غفلت رہی۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ میں نے توریت میں پڑھا کہ اے جماعت صدیقین! تم دنیا میں اللہ کی یاد کی نعمت حاصل کرو، یہ تمہارے لئے دنیا میں بڑی نعمت ہے اور آخرت میں جزاءِ عظیم ہے۔ (تهذيب حلية الاولياء ج:۱، ص:۴۱۷)

مغیرہ بن حبیب، حضرت مالک بن دینار کے داماد ہیں، وہ ایک دن کہنے لگے کہ میں انھیں کے گھر میں رہتا ہوں، اوران کا انتقال بھی ہو جائے گا اور مجھے پتہ بھی نہیں کہ وہ رات میں کیا عمل کرتے ہیں، مجھے جب یہ خیال آیا تو میں نے عشاء کی نماز ان کے ساتھ پڑھی، میں نے چادر اوڑھی اور انکے گھر آ گیا، وہ رات جاڑے کی لمبی رات تھی، پھر مالک بن دینار بھی آئے، انھوں نے ایک روٹی لی اور اسے کھایا، اس کے بعد انھوں نے نماز شروع کی، ثناء پڑھ کر انھوں نے ایک ہاتھ سے اپنی داڑھی پکڑی اور اس طرح دعا شروع کی: **اذا جمعت الاولین والا خرین فحرم شیبة مالک بن دینار علی النار،** (جب آپ اولین وآخرین کو جمع فرمائیں گے تو مالک بن دینار کے بالوں کی سفیدی یعنی بڑھاپے کو جہنم پر حرام کر دیجئے) یہ دعا وہ دہراتے رہے، اتنی دیر تک دہراتے رہے کہ میری آنکھ لگ گئی، پھر جب میں بیدار ہوا تو، اس وقت بھی یہی منظر قائم تھا۔ وہ مضطرب ہو کر پاؤں کو آگے پیچھے کر رہے تھے، اور کہتے جا رہے تھے کہ یارب! **اذا جمعت الاولین والا خرین فحرم شیبة مالک بن دینار علی النار،** صبح تک وہ یہی دہراتے رہے۔ (**تهذیب حلیة الاولیاء** ج:۱،ص:۴۲۰)

حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے کہ اگر مجھے ہمیشہ پر قدرت ہوتی، تو اس اندیشہ کی وجہ سے کبھی نہ سوتا کہ سونے کی حالت میں کہیں عذاب نہ نازل ہو جائے، اور اگر میرے پاس ایسے لوگ ہوتے جو میرے کاموں میں مددگار ہوتے تو، میں انھیں تمام دنیا میں پھیلا دیتا کہ وہ آواز لگائیں کہ اے لوگو! جہنم سے بچو، اے لوگو! جہنم سے بچو۔

فرمایا کہ میں نے توریت میں پڑھا کہ: اے ابن آدم! میرے حضور نماز میں روتے ہوئے کھڑے ہو، اور اس سے عاجز مت ہو، میں ہی اللہ ہوں، جو تمہارے قلب کے قریب ہوں اور عالم غیب سے میں اپنے نور کو (جو تمہارے سینے میں ہے) دیکھ لیتا ہوں، یعنی تمہارے رقتِ قلب کو اور اس انشراح کو جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں۔

فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: اے اصحابِ تقویٰ! آؤ میں

تمہیں اللہ کی خشیت سکھاؤں، تم میں سے جو بندہ یہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں اعمال صالحہ دیکھے، تو وہ برائیوں کے دیکھنے سے اپنی نظر کی حفاظت کرے، اور جھوٹ بولنے سے اپنی زبان کو بچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ صدیقین پر رہتی ہے، وہ ان کی دعائیں سنتے ہیں۔

(تهذيب حلية الاولياء ج:١ص:٤١٨)

فرمایا کہ ایک صاحب علم نے فرمایا کہ میں نے غور کیا کہ ہر گناہ کی اصل بنیاد کیا ہے؟ تو میں نے بجز مال کے اور کچھ نہیں پایا، جس نے اپنے دل سے حبِ مال کو نکال پھینکا، وہ راحت پا گیا،

فرمایا: بعض آسمانی کتابوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عالم جب دنیا کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے، تو اسکی سب سے ہلکی سزا یہ دیتا ہوں کہ اس کے دل سے اپنے ذکر کی حلاوت نکال دیتا ہوں، (تهذيب حلية الاولياء ج:١ص:٤١٩)

واقعی جب دنیا کی اور مال کی محبت دل میں گھستی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور مناجات ودعا میں حلاوت ولذت باقی نہیں رہتی، ذکر ودعا سے اس کی طبیعت اچاٹ ہوجاتی ہے، محبت دنیا میں جتنا جتنا انہاک بڑھتا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے دربار سے دوری ہوتی جاتی ہے، اور آدمی کا دل مردہ ہوجاتا ہے۔ جب بھی دل پر ایسی مردنی چھائی ہوئی ہو تو فوراً متنبہ ہو کر حبِ دنیا کا علاج کرنا چاہئے،

فرمایا کہ بدن جب بیمار ہوتا ہے، تو نہ کھانے سے اسے نفع ہوتا ہے، نہ پینے سے، نہ سونے اور آرام کرنے سے، اسی طرح دل میں جب محبت دنیا کی بیماری لپٹ جاتی ہے، تو کوئی نصیحت اس میں اثر نہیں کرتی،

فرمایا کہ جادوگرنی سے بچو، وہ علماء کے قلوب پر بھی جادو کردیتی ہے، یہ جادوگرنی محبت دنیا ہے،

حضرت مالک بن دینارؒ کے حکیمانہ اقوال بہت ہیں، صاحب حلیۃ الاولیاء نے انھیں تفصیل سے نقل کیا ہے، یہ حکیمانہ ارشادات دلوں کے لئے بمنزلۂ آب حیات کے

ہیں، ان سے قلوب میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

علماء ربانیین کی صحبت ومعیت اوران کے اقوال وارشادات، دلوں کی سوکھی کھیتی کو سرسبز وشاداب رکھتے ہیں، یہ کھیتی ذرا نم ہوجائے تو بہت زرخیز ہوتی ہے۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرانم ہوتو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

☆☆☆☆☆

سیدنا علی بن حسین (زین العابدین سجاد) رحمۃ اللہ

المتوفّی[۱] ۹۴ھ

خاندان نبوت کے چشم و چراغ، عابدوں اور زاہدوں کے امام، علم وعمل کے بلند ترین نمونہ، کثرت سے نمازیں پڑھنے والے، اس کثرت سے نماز پڑھتے کہ ان کے گھٹنوں پر بڑے بڑے گھٹّے پڑ گئے تھے، انھیں سال میں دو بار کاٹنا پڑتا تھا۔

خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ وضو کر کے جب نماز کا ارادہ فرماتے تو ان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا، اور بے اختیار کانپنے لگتے، ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا، افسوس تم کو پتہ نہیں کہ میں کس ذات کے سامنے کھڑا ہونا، اور کس ذات سے مناجات کرنا چاہتا ہوں۔

کثرت عبادت کی وجہ سے ان کا لقب ''زین العابدین'' (عبادت گزاروں کی زینت) پڑ گیا تھا، حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ وہ شب وروز میں ایک ہزار رکعت معمولاً پڑھا کرتے تھے، اور اسکی پابندی موت کے وقت تک رہی۔

(تہذیب التہذیب: ج:۷ ص:۳۰۶)

حضرت زین العابدین، نواسۂ رسول سیدنا حسینؓ کے صاحبزادے تھے، ان کی والدہ ماجدہ بادشاہ ایران یزدگرد کی بیٹی تھیں، جو حضرت حسینؓ کی باندی تھیں، ان کی پیدائش ۳۸ھ میں ہوئی تھی، میدان کربلا میں جب ان کے والد گرامی شہید ہوئے تھے، تو وہ بھی وہاں موجود تھے، مگر بہت بیمار تھے، وہ لڑائی میں شریک نہیں ہوئے، اور نہ دشمنوں نے ان سے تعرض کیا، انہیں گرفتار کر کے دمشق بھیجدیا گیا تھا، پھر یزید نے رہا کر کے مدینہ واپس کر

دیا، اس وقت ان کی عمر ۲۳ سال تھی۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ حضرت حسین کے دو صاحبزادوں کا نام علی تھا، یہ علی اصغر تھے، علی اکبر اپنے والد کے ساتھ کربلا میں شہید ہو گئے، حضرت زین العابدین ثقہ اور مامون تھے، کثیر الحدیث، بلند پایہ، عظیم المرتبہ اور متقی انسان تھے۔

اتنے بلند پایہ، عابد وزاہد اور عظیم المرتبہ عالم ہونے کے باوجود نہایت متواضع اور خاکسار تھے، ہشام بن عروہ فرماتے ہیں کہ وہ حضرت علیؓ کے آزاد کردہ غلام اسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے، بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ قریشیوں کے پاس تو جاتے نہیں اور بنی عدی کے غلام کے پاس بیٹھتے ہیں، فرمایا کہ آدمی وہیں بیٹھتا ہے جہاں اس کا فائدہ ہوتا ہے،

اور یہی نہیں کہ وہ حضرت اسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، بلکہ ان کے بیٹے زید بن اسلم کی خدمت میں بھی حاضری دیا کرتے تھے، حضرت زین العابدین کے ماں شریک بھائی عبدالرحمن بن حبیب بن اردک فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن حسین مسجد میں داخل ہوتے اور لوگوں سے گذرتے ہوئے زید بن اسلم کے حلقۂ درس میں جا بیٹھتے تھے، ان سے نافع بن جبیر نے کہا، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائیں، آپ سب کے سردار ہیں، اور لوگوں کو چیرتے پھاڑتے، اس غلام کے پاس جا بیٹھتے ہیں، فرمایا کہ علم ایسی ہی چیز ہے وہ جہاں بھی ہو، اسے تلاش کیا جائے اور اس کے پاس حاضر ہوا جائے، حضرت زہری فرماتے ہیں کہ میں نے علی بن حسین سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں پایا، اور زہری ہی فرماتے ہیں کہ اہل بیت میں علی بن حسین سے بڑھ کر افضل کوئی اور نہ تھا،

ایک آدمی نے حضرت سعید بن مسیّب سے کہا کہ میں نے فلاں شخص سے زیادہ کسی کو متقی اور محتاط نہیں پایا، فرمایا کہ کیا تم نے علی بن حسین کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا کہ میں نے ان سے بڑھکر کسی کو متقی اور پرہیزگار نہیں دیکھا،

نماز میں ان کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ ایک شب دوران نماز ان کے گھر میں

آگ لگ گئی، وہ سجدے میں تھے، لوگ شور کرنے لگے، مگر انھوں نے سر نہیں اٹھایا، جب آگ بجھائی جا چکی گئی اور وہ نماز سے فارغ ہو گئے، تو لوگ ان سے اس کا تذکرہ کرنے لگے، فرمایا کہ ایک دوسری آگ نے مجھے اس آگ سے بے خبر کر دیا تھا۔

نماز میں ان کا حال یہ تھا۔ اور حج میں ایک بار ان کا یہ حال ہوا کہ انہوں نے احرام باندھا، تو ان کا رنگ زرد ہو گیا، اور تھر تھر کانپنے لگے، لبیک پکارنے کی قدرت نہ رہی، خاموش تھے، لوگوں نے کہا کہ لبیک کیوں نہیں کہتے؟ فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میں تو لبیک کہوں کہ میں حاضر ہوں، اور ادھر سے جواب آئے کہ " **لالبیک** " یعنی تمہاری حاضری معتبر نہیں، پھر کچھ دیر کے بعد لبیک بولے، تو بیہوش ہو گئے اور سواری سے گر گئے، پھر اس کیفیت کے اثرات ان پر حج کے مکمل کرنے تک رہے۔

مشہور تابعی حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں، کہ میں نے حضرت علی بن حسین کو حطیم میں دیکھا کہ سجدے میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح گڑگڑا رہے ہیں۔ "**عبیدک بفنائک، مسکینک بفنائک، سائلک بفنائک، فقیرک بفنائک**" آپ کا حقیر غلام آپ کے صحن میں ہے، آپ کا مسکین آپ کے صحن میں ہے، آپ کا سائل آپ کے صحن میں ہے، آپ کا فقیر آپ کے صحن میں ہے، حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ میں نے ان کلمات کو یاد کر لیا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی تکلیف میں، میں نے ان کلمات سے اللہ کو پکارا ہو، اور وہ تکلیف دور نہ ہوئی ہو۔

اور غریب پروری کا یہ عالم تھا کہ رات میں روٹیاں اپنے تھیلے میں بھر لیتے تھے، اور پیٹھ پر لاد کر اندھیرے میں غریبوں کو تلاش کرتے، فرمایا کرتے کہ رات کی تاریکی میں صدقہ کرنے سے رب تعالیٰ کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے۔

محمد بن اسحاق فرماتے ہیں مدینہ میں کئی ایک گھرانے ایسے تھے، جن کو یہ خبر نہ تھی کہ ان کی روزی کہاں سے آتی ہے، حضرت زین العابدین کا انتقال ہوا تو ان کی راتوں کی آمدنی بند ہو گئی۔ (تب معلوم ہوا کہ ان کا ذریعۂ معاش یہ بزرگ تھے)

ان کے انتقال کے بعد دیکھا گیا تو ان کی پشت پر تھیلوں کے لادنے اور ڈھونے کے نشان تھے، شیبہ بن نعامہ کہتے ہیں کہ ایسے گھرانے جن کی معاش کا انحصار حضرت زین العابدین کی شبانہ مدد پر تھا، سو تھے۔

علامہ ذھبی فرماتے ہیں کہ لوگ انھیں بخل کا الزام دیتے تھے، کیونکہ وہ بہت چھپ کر خرچ کرتے تھے، لوگ سمجھتے تھے کہ یہ مال جمع کر کے رکھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہ تھا، حقیقت حال وہ تھی جو اوپر مذکور ہوئی۔

ان کی ہمدردی اور سخاوت کے حال کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے، جسے مشہور محدث حضرت عمرو بن دینار نے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت اسامہ بن زید کے صاحبزادے محمد بیمار تھے، حضرت زین العابدین ان کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے، محمد انھیں دیکھ کر رونے لگے، پوچھا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا میرے اوپر قرض ہے، فرمایا کتنا؟ انھوں نے کہا دس ہزار اشرفیوں سے زیادہ، فرمایا کہ وہ میرے ذمہ ہے!

دس ہزار سونے کی اشرفیاں بلکہ اس سے زیادہ کو اپنے ذمہ لے لینا جس غیر معمولی سخاوت اور حوصلہ کا پتا دیتا ہے، وہ مخفی نہیں ہے۔

خاندان نبوت کے اس فردِ فرید کا ہر عمل نمونہ اور اسوہ ہے، کیا عبادت، کیا سخاوت، کیا خوف خدا اور کیا صبر و تحمل! امام ذھبیؒ نے ابو یعقوب مدنی سے نقل کیا ہے کہ ان کے چچازاد بھائی حضرت حسن بن حسن کو ان سے کچھ ناراضگی ہوئی، انھوں نے حضرت زین العابدین کو بہت کچھ کہا، لیکن وہ خاموش سنتے رہے کچھ نہیں بولے، حسن برا بھلا کہہ کر چلے گئے، جب رات ہوئی، تو ان کے پاس حضرت زین العابدین تشریف لے گئے، انھیں آواز دی وہ باہر نکلے تو فرمایا کہ اے بھائی! جو کچھ آپ نے کہا تھا، اگر آپ اس میں سچے ہیں، تو اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمائیں، اور اگر آپ نے غلط کہا تو اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائیں، السلام علیکم، یہ کہہ کر واپس ہونے لگے، حضرت حسن بے ساختہ ان سے لپٹ گئے اور رونے لگے، اتنا روئے کہ حضرت زین العابدین کو ان پر ترس آنے لگا۔

ان کے پوتے حسین بن زید بیان کرتے ہیں کہ وہ جاڑوں میں گرم کپڑا پچاس دینار میں خریدتے، جب جاڑا گزر جاتا، تو اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دیتے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی جلالت شان عجیب تھی، اور واللہ وہ اس کے حقدار تھے، وہ تو امامت کبریٰ کے اہل تھے، ان کی شرافت ونجابت، ان کے علم وعشق اور ان کے کمال عقل میں کس کو کلام ہوسکتا ہے، ان کے بارے میں مشہور شاعر فَرَزْدَقؔ کا قصیدہ مشہور ہے۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ بنی امیہ کے نامور خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے زمانۂ خلافت سے کچھ پہلے حج کیا، اس نے حجر اسود کا بوسہ لینا چاہا، مگر ہجوم کی وجہ سے وہاں تک نہ پہونچ سکا، اتنے میں حضرت زین العابدین علی بن حسین وہاں پہونچ گئے انھیں دیکھتے ہی لوگ ان کی عظمت واحترام میں کائی کی طرح پھٹ گئے، ہشام کو یہ بات گراں گزری، اس نے پوچھا یہ کون ہیں؟ میں انھیں نہیں پہچانتا، فَرَزْدَقؔ وہاں موجود تھا، اس نے برجستہ کہنا شروع کیا،

هٰذا الذی تعرف البطحاءُ وطأتهُ والبيت يعرفهُ والحلُ والحرمُ
هٰذا ابن خير عباد الله كلهم هذا النقيُّ التقيُّ الطاهرُ العلمُ
إذا رأته قريشٌ قال قائلها إلىٰ مكارم هٰذا ينتهى الكرمُ
يكاد يمسكهُ عرفان راحتهِ ركن الحطيم إذا ما جاء يستلمُ
يغضى حياءً ويغضى من مهابتهِ فما يكلَّمُ إلا حين يتبسمُ
هٰذا ابن فاطمة إن كنت جاهلهٗ بجدهِ الأنبياء قد ختموهُ

(**ترجمہ**) ☆ یہ وہ شخص ہے، جس کے قدم کو بطحاء کی زمین پہچانتی ہے، اور جسے بیت اللہ پہچانتا ہے، حل پہچانتا ہے اور حرم بھی پہچانتا ہے۔

☆ یہ شخص اللہ کے سب سے بہتر بندے کی اولاد ہے، یہ متقی ہے، پاکیزہ ہے، پاکدامن ہے، سردار ہے۔

☆اس کو اہل قریش جب دیکھتے ہیں، تو کہنے والا بول پڑتا ہے کہ شرافت وکرم کا اس کے بلند اخلاق پر خاتمہ ہے۔

☆جب یہ شخص استلام کیلئے آتا ہے تو حطیم کا گوشہ بھی اس کے ہاتھوں کے لمس کو پہچانتا ہے، اور اسے اپنے پاس روک لینا چاہتا ہے۔

☆حیا کی وجہ سے یہ اپنی نگاہیں پست رکھتا ہے، اور حال یہ ہے کہ اس کی ہیبت کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں جھکی رہتی ہیں، اس سے اسی وقت بات کی جا سکتی ہے، جب اس کے ہونٹوں پر تبسم ہو۔

☆اگر تم اسے نہیں پہچانتے ہو تو سنو! یہ حضرت فاطمہ کی اولاد ہیں، ان کے جد مکرم پر انبیاء کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے۔ (یعنی یہ خاتم النبین ﷺ کے نواسے ہیں)

یہ ایک طویل قصیدہ ہے، ہشام نے سنا، تو اس نے فَرَزْدَق کو مقام عسفان میں قید کر دیا، حضرت زین العابدین کو معلوم ہوا، تو انھوں نے اس کے پاس بارہ ہزار درہم بطور ہدیہ بھیجے، اور معذرت کی، فَرَزْدَق نے ہدیہ واپس کر دیا اور کہلایا کہ میں نے خالص اللہ اور رسولؐ کیلئے غصہ ہو کر وہ اشعار کہے تھے، حضرت نے پھر بھیجا کہ میرا حق جو تم پر ہے، اس کے واسطے سے قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے جذبے کو اور تمہارے مقام کو جانتے ہیں، اس پر اس نے قبول کر لیا۔ حضرت زین العابدینؒ کا وصال ۹۴ھ میں ہوا۔

(ماخوذ از: سیر أعلام النبلاء ج:۵ ص:۳۳۲)

☆☆☆☆☆

حضرت امام ابوجعفر محمد بن علی باقر رحمہٗ اللہ

المتوفّٰی ۱۱۴ھ

سیدنا امام ابوجعفر محمد باقر رحمہ اللہ سیدنا زین العابدین کے فرزند، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے، اور حضرت علی کرم اللہ وجھہ اور صاحبزادیٔ رسول ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پڑپوتے ہیں۔

امام ذھبیؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ، ابوجعفر امام تھے، مجتہد تھے، کتاب اللہ کی بکثرت تلاوت کرنے والے تھے، بڑی شان کے مالک تھے، اور بھی ان کے اندر بہت سے اوصاف کمال تھے، ہم ان سے محبت رکھتے ہیں، ۵۶ھ میں پیدا ہوئے۔

حضرت امام ابوجعفر محمد باقر اور ان کے آباء واجداد اور انکی اولاد کے حق میں شیعوں کو بہت غلو ہے، وہ انھیں معصوم اور بے خطا قرار دیتے ہیں، اور انھیں حضرات شیخین سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا دشمن قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، امام ذھبیؒ نے سیر اعلام النبلاء ج:۵ ص:۳۴۳ پر ایک روایت سالم بن ابی حفصہ سے نقل کی ہے، جو کہ خود شیعہ تھا، سالم نے کہا کہ میں نے حضرت امام ابوجعفر محمد باقر اور ان کے صاحبزادے جعفر سے ابوبکر وعمر کے متعلق دریافت کیا، تو انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ اے سالم! ان دونوں بزرگوں سے قلبی محبت رکھو، اور ان کے دشمنوں سے بیزاری کا اظہار کرو، یہ دونوں بزرگ حق وہدایت کے امام تھے۔

حضرت امام ابوجعفر محمد باقر کی مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مجھے اپنی گود میں بیٹھایا اور

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں سلام کہتے ہیں۔

اور فرماتے ہیں کہ میں مکتب میں تھا کہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے، اور مجھ سے فرمایا کہ اپنا پیٹ کھولو، میں نے کھول دیا، تو آپ نے اپنے پیٹ کو میرے پیٹ سے ملا دیا، اور فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تمہیں آپ کا سلام پہنچاؤں۔

اس بزرگی اور عظمت کے باوجود اللہ سے نہایت ڈرنے والے اور دنیا سے بہت بے رغبت تھے، لیث بن سلیم کہتے ہین کہ میں ایک روز حضرت ابو جعفر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ کو دیکھا کہ اپنے گناہوں کو اور شیعوں نے ان کے بارے میں جو غلو کر رکھا تھا اسے یاد کر کے رو رہے تھے۔

فرماتے تھے کہ جس شخص کے دل میں خالص دین کی تعلیمات جاگزیں ہوں گی، وہ اسے دوسری تمام چیزوں سے بے نیاز کر دیں گی، دنیا کیا چیز ہے؟ اور اس کا کیا حشر ہوگا؟ وہ تو محض ایک سواری ہے، جس پر تم سوار ہو، ایک کپڑا ہے جسے تم پہن لو، یا ایک عورت ہے، جسے تم برت لو۔

اور فرماتے تھے کہ اللہ کی عظمت کا جتنا چاہو ذکر کرو، اللہ کی عظمت اس سے بڑھ کر ہے، جہنم کی ہولناکی کا جتنا بھی تذکرہ کرو جہنم اس سے زیادہ ہولناک ہے، اور جنت کی خوبیاں جس قدر بھی بیان کرو، جنت اس سے بہت بڑھ کر ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد باقر کے ایک صاحبزادے بیمار ہوئے، تو ان پر گھبراہٹ طاری ہوگئی، پھر انہیں بتایا گیا کہ ان کا انتقال ہوگیا، تو پرسکون ہو گئے، ان سے ان دونوں کیفیتوں کے بارے پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہمیں جو چیز محبوب ہوتی ہے، اس کی حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ لیکن جب ناگوار اور تکلیف دہ واقعہ ہوجاتا ہے، تو خدا کی مرضی اور مشیت کی ہم مخالفت نہیں کرتے۔

یعنی جب تک کوئی ناگوار حادثہ ہوا نہیں ہے، اس وقت تک ہم گھبرا کر اللہ تعالیٰ

سے فریاد کرتے ہیں کہ ایسا نہ ہو، لیکن جب حادثہ ہو جاتا ہے، تو اللہ کے فیصلے پر ہم راضی ہوتے ہیں، اس کے خلاف نہیں سوچتے،

اپنے اکابر واسلاف کے طریقے پر حضرت ابو جعفرؒ بھی شب بیدار اور تہجد گذار تھے۔

حضرت عبداللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو جعفر دن اور رات میں فرائض سمیت پچاس رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے،

اور ایک دوسرے بزرگ عبداللہ بن محمد بن عقیل فرماتے ہیں، ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ ابو جعفر شب وروز میں ایک سو پچاس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

خاندان نبوت کا ہر فرد عبادت وریاضت میں ممتاز مقام رکھتا تھا اور ابو جعفر کا تو ایک خاص مقام تھا ان کا انتقال مدینہ طیبہ میں ۱۱۴ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء: ص: ۳۴۲ تا ۳۴۷ ج: ۵)

☆☆☆☆☆

حضرت علی بن عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم)

المتوفیٰ ۱۱۸ھ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، جس دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی ہے اسی دن یہ پیدا ہوئے یعنی رمضان ۴۰ھ میں اسی مناسبت سے والد گرامی نے ان کا نام علی رکھا۔

حضرت علی بن عبداللہ بن عباس عالم باعمل تھے، بڑے حسین وجمیل اور لحیم شحیم تھے، بارعب اور دراز قد تھے، قبیلہ قریش میں اتنا خوبصورت کوئی شخص نہ تھا، نہایت عبادت گزار تھے، امام اوزاعی نے فرمایا کہ ہر روز ایک ہزار سجدے کرتے تھے، یعنی پانچ سو رکعت، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے کہ ان کے پاس پانچ سو درخت تھے، ہر درخت کے نیچے دو رکعت پڑھتے تھے، اس طرح ایک ہزار رکعت پڑھتے تھے۔ ابو سنانؒ فرماتے ہیں کہ علی بن عبداللہؒ ہمارے ساتھ ملک شام میں تھے، وہ ہر روز ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۶ ص:۷۷) کثرت سجود کی وجہ سے ان کا لقب سجاد پڑ گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ج:۵ ص:۱۵۲)

حضرت علی بن عبداللہ بن عباس کی جسامت کا حال یہ تھا کہ ابوالمغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم ان کے لئے چمڑے کے موزے ڈھونڈتے، تو ان کے پاؤں کے ناپ کے موزے نہ ملتے، الگ سے بنوانا پڑتا۔ جوتے تلاش کرتے تو وہ بھی نہ ملتے، الگ سے بنوانا پڑتا (حوالہ سابق)

علم وفضل اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ حج یا عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو مسجد حرام میں لوگوں کے حلقے ختم ہوجاتے اور مجلسیں بند ہوجاتیں، تمام تر لوگ انھیں کی مجلس

اور انھیں کے حلقے میں آ بیٹھتے، یہ بیٹھتے تو لوگ بیٹھتے، یہ اٹھ جاتے تو لوگ بھی اٹھ جاتے، یہ چلتے تو لوگ بھی ان کے ساتھ حلقہ بنا کر چلتے، جب تک یہ مسجد حرام میں رہتے، کوئی مجلس کسی کی نہ ہوتی (تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ص:۵۱۰)۔

حضرت علی بن عبداللہ بن عباس کثیر الاولاد تھے، خلفاء بنو عباس جن کی خلافت کا سلسلہ صدیوں قائم رہا، انھیں حضرت علی کی اولاد میں تھے، ۱۱۸ھ میں ملک شام میں ان کا انتقال ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت علاء بن زیاد بصریؒ

المتوفیٰ ۹۴ھ

بصرہ کے رہنے والے عبادت گزار اور صاحب خشوع وخضوع تابعی ہیں، علامہ ذھبیؒ نے لکھا ہے کہ: وکان ربانیاً تقیاً قانتاً للہ بکاءً من خشیۃاللہ اللہ والے، متقی تھے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور عبادت گزار اور خوف خدا سے بہت رونے والے تھے، حضرت قتادہؒ فرماتے تھے کہ رونے کی کثرت کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی تھی، جب قرآن پڑھتے یا گفتگو کا ارادہ کرتے تو بے تحاشا ان پر گریہ طاری ہو جاتا۔

(سیر اعلام النبلاء ج:۵ص:۲۰۵)

حضرت علاء کے پاس مال بھی تھا، کچھ غلام بھی تھے، کچھ کو تو للہ فی اللہ انھوں نے آزاد کردیا، کچھ کو فروخت کردیا، اور بڑے اہتمام سے عبادت میں لگ گئے، شب وروز میں صرف دو روٹی کھاتے تھے، لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا انھوں نے ترک کردیا تھا، بس جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے، جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتے، جنازہ کی نماز میں موجود رہتے، مریض کی عیادت کرتے، باقی اوقات گھر پر رہ کر مصروفِ عبادت رہتے، اس مجاہدہٗ وریاضت نے ان کے جسم کو کمزور کردیا تھا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصریؒ ان کے پاس تشریف لے گئے، دوسرے لوگ بھی ساتھ تھے، ان حضرات نے فرمایا کہ تم پر اللہ کی رحمت ہو اپنے آپ کو کیوں ہلاکت میں ڈال رہے ہو۔ اس کی اجازت تو نہیں ہے، وہ لوگ انھیں دیر تک سمجھاتے رہے، اور یہ خاموشی سے سنتے رہے، جب ان کی بات ختم ہوئی، تو کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور پستی اور تذلل اس لئے اختیار کرتا ہوں کہ شاید وہ میرے اوپر رحم فرمائیں۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ص:۳۷۹)

ہشام بن حسان فرماتے ہیں: علاء بن زیاد کی غذا ہر روز ایک روٹی تھی، روزہ رکھتے رکھتے ان کا رنگ سبزی مائل ہوگیا تھا، نمازیں اتنی پڑھتے کہ گر گر جاتے، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت حسن بصریؒ نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مشقت کا حکم تو نہیں دیا ہے، کہنے لگے کہ میں ایک غلام ہوں، خدا کی ملکیت میں ہوں، سستی اور کاہلی کی وجہ سے میں کوئی عبادت نہیں چھوڑ سکتا۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء ج:۱ص:۳۷۹)

ایک شخص نے خواب دیکھا کہ کوئی صاحب فرمارہے ہیں کہ علاء کے پاس جاؤ ان سے پوچھو کہ وہ کیوں روتے ہیں؟ ان کی مغفرت تو کردی گئی ہے، یہ سن کر وہ اور رونے لگے، اسی طرح کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ اہل جنت میں سے ہیں، تو تین دن تک ان کے آنسو تھمے ہی نہیں، اللہ والوں کا بھی عجیب حال ہوتا ہے، نہ جانے کیسے کیسے احوال ان پر طاری ہوتے ہیں، جب تک بشارت نہیں ملتی، تو خوفِ خدا میں روتے رہتے ہیں کہ اللہ جانے کیا حال ہو، اور جب بشارت مل جاتی ہے جب بھی روتے ہیں، کون جانے کہ ان کے قلب کا حال بشارت سن کر کیا ہوتا ہے؟ بخاری شریف میں ابن ابی ملیکہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ میں نے ستر بدری صحابہ سے ملاقات کی ہے، سب کو دیکھا کہ اپنے اوپر نفاق سے خائف اور لرزاں ہیں۔

حالانکہ اہل بدر کو بخشش کا پروانہ مل چکا تھا، مگر پھر بھی خوف زدہ ہیں کہ کہیں دل میں منافقت نہ ہو، حضرت علاء کے متعلق جنت کی بشارت کا واقعہ علامہ ذھبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں میں قدرے تفصیل سے نقل کیا ہے،

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم (حکایت بہت لذیذ تھی، اس لئے میں نے لمبی گفتگو کی) کے مطابق اسے نقل کرتا ہوں۔

مشہور بزرگ حضرت مالک بن دینارؒ نے علاء کے بھائی ہشام سے اس واقعہ کو پوچھا تھا، انھوں نے بتایا کہ ملک شام کا ایک آدمی حج کی تیاری کررہا تھا، خواب میں اسے حکم دیا گیا کہ بصرہ جاؤ، اور علاء بن زیاد کی خدمت میں حاضر ہو، وہ متوسط بدن کے

آدمی ہیں، سامنے کے دانت کچھ ٹوٹے ہوئے ہیں، چہرہ پر مسکراہٹ رہتی ہے، انھیں جنت کی بشارت دو، بیداری کے بعد خواب وخیال سمجھ کر اس نے ٹال دیا، دوسری رات پھر اس نے یہی خواب دیکھا، پھر ٹال دیا، تیسری رات اس نے پھر وہی خواب دیکھا، اور اب کی خواب میں آنے والے نے دھمکی بھی دی، اب وہ تیاری کر کے بصرہ کی طرف چلا، جب اپنی آبادی سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ خواب میں دکھائی دینے والا آدمی آگے آگے چل رہا ہے، جب یہ بصرہ پہونچ گیا تو وہ آدمی غائب ہوگیا۔ یہ حضرت علاء کے دروازہ پر پہونچا، میں (علاء کے بھائی ہشام) باہر نکلا تو مجھ سے پوچھا کہ آپ علاء ہیں؟ میں نے کہا نہیں، اللہ کی رحمت آپ پر ہو، سواری سے اتریئے اور سامان رکھ دیجئے، اس نے کہا نہیں، بتاؤ علاء کہاں ہیں؟ میں کہا مسجد میں ہیں، اتنے میں حضرت علاء آگئے، انھوں نے جب اس مسافر کو دیکھا تو مسکرائے، اور ان کے سامنے کے دانت کھل گئے، وہ آدمی بول پڑا ہاں خدا کی قسم یہی ہیں، مجھ سے فرمایا کہ تم نے ان کا سامان کیوں نہیں اتارا، انھیں کیوں نہیں اتارا۔ میں نے عرض کیا کہ کہا تو تھا میں نے، مگر یہ نہیں مانے، حضرت علاء نے فرمایا کہ تشریف رکھئے، اس شخص نے کہا کہ مجھے تنہائی چاہئے، حضرت علاء گھر میں داخل ہوئے، اور اہلیہ سے کہا کہ تم ایک طرف ہوجاؤ، اس شخص نے خواب والی خوش خبری سنائی، اور سنا کر چلا گیا، حضرت علاء نے گھر کا دروازہ بند کرلیا اور تین دن یا سات دن کہا...... وہ روتے رہے، اس دوران کھانا پانی سب کچھ چھوٹ گیا، کبھی کبھی رونے کے دوران ان کی آواز سنائی دیتی، وہ فرماتے أنا۔ میں؟ میں؟ ہم مارے خوف کے دروازہ کھولنے کی ہمت نہیں کرتے تھے، میں ڈرا کہ وہ مرجائیں گے، میں حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں گیا، اور ان سے تمام ماجرا سنایا وہ تشریف لائے، اور دروازے پر دستک دی، انھوں نے دروازہ کھولا، اور جو ان کی حالت تھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے، حضرت حسنؒ نے پھر گفتگو کی اور فرمایا کہ ان شاء اللہ آپ اہل جنت میں ہیں، تو کیا اپنے آپ کو ختم ہی کردیں گے، انھوں نے اس خواب کا تذکرہ کیا، اور ہم دونوں سے فرمایا کہ جب تک میں زندہ ہوں، کسی سے اس خواب کا تذکرہ

نہ کیجئے گا۔ (ص: ۲۰۵ ج: ۵)

اللہ اکبر کیا شان تھی ان اکابر کی، جتنی جتنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بڑھتی تھیں، ان کے خوف میں اضافہ ہوتا تھا بے فکری نہیں، فکر مندی زیادہ ہوتی تھی، یہ لوگ اللہ کے سچے بندے تھے، سچائی کے ساتھ بندگی کرتے تھے، اور ڈرتے رہتے تھے عجب وخود پسندی اور ناز کا کہیں گزر نہ تھا۔

خود حضرت علاء بن زیاد نے ایک مرتبہ خواب دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک چیز کے پیچھے دوڑے جارہے ہیں، میں بھی پیچھے لگ لیا، میں نے دیکھا کہ ایک بہت بوڑھی عورت ہے، جس کے دانت ٹوٹے ہوئے ہیں اندھی ہے، لیکن زیورات سے لدی ہوئی ہے، میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں دنیا ہوں۔ میں نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے میرے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ بنادے، اس نے کہا ہاں، بشرطیکہ روپے پیسے سے بغض رکھو۔

ہشام بن زیاد فرماتے ہیں کہ میرے بھائی علاء بن زیاد شب جمعہ کو بالکل نہ سوتے تھے، پوری رات عبادت میں بسر کرتے تھے، ایک رات وہ سو گئے، انھوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے سامنے کے بال پکڑ کر مجھے اٹھایا۔ اور کہا ابن زیاد اٹھو، اللہ کو یاد کرو، اللہ تمہیں یاد کرے گا۔ وہ فوراً اٹھ گئے، لیکن جن بالوں کو اس شخص نے پکڑا تھا، وہ مرتے دم تک اسی طرح کھڑے کھڑے رہے، جیسے اس نے پکڑ کر کھینچا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ج: ۵ ص: ۲۰۵)

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کے درجات بلند فرمائیں، عبادت الٰہی کا بلند ترین نمونہ قائم کر گئے، بعد والوں کی لئے یہ حضرات شمع راہ ہیں، خضرِ منزل ہیں، اسوہ اور قدوہ ہیں، ان کا راستہ بے خطر ہے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے، انھیں کے راستے کی جستجو عین مقصود ہے، اور انھیں کی راہ پر چلنے کی سورۂ فاتحہ میں دعا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

حضرت علاء کا وصال ۹۴ھ میں ہوا۔

امیر المومنین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہٗ اللہ

المتوفی ۱۰۲ھ

علامہ ذہبیؒ علیہ الرحمہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

”امام، حافظ ، علامہ ، مجتهد ، زاهد ، عابد ، سيد ، امير المومنين حقاً......خليفه زاهد ، راشد ، اشج بنی امیه(۱)“

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ خلفائے بنی امیہ میں ایک انفرادی شان کے خلیفہ تھے، باپ کی طرف سے ان کا تعلق خاندان بنی امیہ سے تھا، اور ماں کی طرف سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خون ان میں دوڑتا تھا، ان کی والدہ مکرمہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی پوتی، اور حضرت عاصم بن عمر کی بیٹی ہیں، ان کی ولادت ۶۱ھ اور ایک قول کے مطابق ۶۳ھ میں ہوئی۔

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میری اولاد میں ایک شخص

---

(۱) ”اشج“ اس شخص کو کہتے ہیں، جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بنو عبد القیس کا ایک وفد آیا تھا۔ آپ ایک جگہ تشریف فرما تھے، سب لوگ جلدی جلدی اونٹوں سے کود کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرنے کے لئے حاضر ہوئے، ان میں ایک صاحب جن کے چہرے پر زخم کا نشان تھا، اطمینان سے اترے، آرام سے غسل کیا کپڑے بدلے، اپنی ہیئت درست کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں، ایک حلم، دوسرے انائۃ، یعنی اطمینان (عجلت کا نہ ہونا)۔ ان دونوں فضائل کے ساتھ وہ معروف ہوئے۔ وہ بھی ”اشج“ تھے، جنھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بشارت سنی۔ ”اشج بنی امیہ“ میں اسی کی تلمیح ہے۔ (مسلم شریف)

پیدا ہوگا، جس کے چہرے پر شگاف ہوگا، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا، پھر حضرت نافع علیہ الرحمہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، کاش مجھے علم ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں کون ایسا ہوگا، جو زمین کو عدل سے بھر دے گا؟ (سیر اعلام النبلاء ج:۵ ص:۵۷۸)

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ نہایت متبع سنت اور عالی مرتبہ تابعی تھے، جن دنوں یہ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے، اور خود نماز پڑھایا کرتے تھے، ایک بار حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: ما رأیت اشبه أحداً صلاۃ برسول اللہ ﷺ من هٰذا الفتیٰ (میں نے نماز میں کسی شخص کو اس جوان سے زیادہ رسول ﷺ کے مشابہ نہیں دیکھا) مدینہ کی گورنری کا زمانہ ۸۶ھ سے ۹۳ھ تک تھا۔

علامہ ذہبیؒ نے ان کے اوصاف وکمالات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ خوبصورت بھی تھے اور خوب سیرت بھی، کمال عقل کے بھی مالک تھے، اور جمال اخلاق کے بھی، بہترین سیاست داں تھے، عدل وانصاف کے ہر ممکن طریقے سے خواہاں تھے، بڑے صاحب علم، فقیہ النفس اور انتہائی ذکی وذہین تھے، اللہ کے حضور بہت رونے دھونے والے، ہمہ تن متوجہ رہنے والے، اللہ کے فرمانبردار، اس کے دربار میں یکسو اور زاہد تھے، اور یہ سب کچھ خلافت کے ساتھ تھا، ہمیشہ حق بات کہتے تھے، ان کے مددگار کم تھے، اور ظالم امراء بکثرت تھے، جنھوں نے ان کو الجھن میں ڈال رکھا تھا، اور وہ ظالم امراء بھی ان کا سامنا کرتے ہوئے ڈرتے تھے، انھوں نے ان کے عطیات کم کردئے تھے، اور لوگوں کے جو اموال انھوں نے ناحق اپنے قبضے میں کرلئے تھے ان کا بیش تر حصہ انھوں نے ان کے ہاتھوں سے چھڑا لیا تھا۔ بالآخر ان ظالموں نے سازش کرکے انھیں زہر دلوادیا اور انھوں نے شہادت کی سعادت پائی، اور اہل علم کے نزدیک خلفاء راشدین میں ان کا شمار ہوا، اور باعمل علماء کے گروہ میں انھوں نے جگہ

پائی۔" **فالحمد للہ** (حوالہ سابق)

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کی زوجۂ محترمہ حضرت فاطمہ بنت عبد الملک فرماتی ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص روزہ اور نماز میں حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ سے بڑھ کر ہو، لیکن خوف خدا میں ان سے بڑھا ہوا میں نے کسی کو نہیں دیکھا، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے، تو وہیں بیٹھے رہتے، پھر اپنے ہاتھوں کو اٹھاتے اور روتے رہتے، اور اتنی دیر تک گریہ وزاری میں مشغول رہتے کہ انھیں نیند آنے لگتی، پھر وہ بیدار ہوتے اور اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور روتے رہتے اور اسی حال میں رات گزر جاتی۔

حضرت مکحول علیہ الرحمہ مشہور تابعی فرماتے ہیں کہ اگر میں قسم کھالوں کہ میں نے حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ سے بڑھ کر زاہد اور ان سے بڑھ کر خوف خدا رکھنے والا نہیں دیکھا، تو میں اپنی قسم میں سچا ہوں گا۔ حضرت ابو حاتم کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ بیمار ہوئے تو ایک ماہر حکیم کو بلایا گیا، اس نے انھیں دیکھ کر کہا کہ انھیں ایسا مرض ہے، جس کی کوئی دوا نہیں ہے، ان کے دل پر خوف کا غلبہ ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج:۵ ص:۵۸۰)

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کے پاس بالوں کی بنی ہوئی ایک گدڑی تھی، اور لوہے کی ایک بیڑی تھی، اور ان کے واسطے گھر میں ایک کوٹھری تھی، جس میں داخل ہونے کی کسی کو اجازت نہ تھی، آخر رات میں وہ اس میں جاتے تھے، گٹھری کھولتے، اور وہ گدڑی پہن لیتے تھے، اور بیڑی کو گردن میں ڈال لیتے، اور صبح تک اپنے پروردگار سے مناجات کرتے اور روتے رہتے۔ (رہبان اللیل ج:۱ ص:۳۸۸ بحوالہ حلیۃ الاولیاء ج:۵ ص:۲۹۱)

کسی نے ان کی زوجۂ مکرمہ سے ان کی وفات کے بعد ان کے اوقات و معمولات کو پوچھا، تو انھوں نے بتایا کہ، جب وہ دن کی مصروفیات سے، جو خلقِ خدا سے متعلق رہا کرتی تھی، فارغ ہو جاتے، اور اس دن کے امور خلافت مکمل کر لیتے تو اپنا چراغ منگاتے جس میں ان کا ذاتی تیل جلتا تھا، پھر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھتے، پھر گردن

جھکا کرا کڑوں بیٹھ جاتے، ان کے آنسوان کے رخسار پر بہتے رہتے، کبھی کبھی ایسی چیخ نکلتی کہ مجھے اندیشہ ہوتا کہ ان کی روح نکل گئی، یا ان کا جگر پھٹ گیا، یہی حال صبح تک رہتا۔ پھر دن میں روزہ رکھتے۔ (حوالہ سابق)

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ بنت عبدالملک اتنا روئیں کہ ان کی بینائی کجلا گئی، یہ خبر سن کران کے بھائی مسلمہ اور ہشام ان کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ کیا شوہر کے مرنے کا صدمہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو واقعی وہ ایسے ہی تھے کہ ان کا صدمہ محسوس کیا جائے، یا کوئی چیز دنیا کی ضائع ہوگئی، تو ہم لوگ حاضر ہیں، حکم ہو، ہمارے اہل مال سب تمہارے ہیں، انھوں نے فرمایا یہ بات نہیں، اصل بات یہ ہے کہ ایک رات میں نے انکا وہ منظر دیکھا تھا کہ، جب وہ یاد آتا ہے، تو میرا یہی حال ہوتا ہے، میں نے ایک رات دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں، جب اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی ﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (جس دن لوگ منتشر پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے) تو وہ چیخ پڑے اور بولے (واسوء صباحاه) (ہائے کتنا سخت وقت ہوگا) پھر وہ اچھل پڑے اور اچھل کر گر گئے، اور ان کی حلق سے ایسی آواز نکلتی رہی، جیسے جان نکل رہی ہو، پھر تھوڑی دیر کے بعد انھیں سکون ہوگیا، میں نے سمجھا کہ ان کا انتقال ہوگیا، پھر کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا اور ہوش آیا، تو دوبارہ پکارا (یاسوء صباحاه) پھر اچھلے اور گھر کے چکر لگانے لگے، اور بار بار فرماتے ” وَيْلِيْ مِنْ ﴿يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ (ہائے میری بربادی اس دن جب لوگ منتشر پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوجائیں گے) صبح تک ان کا یہی حال رہا، پھر وہ اس طرح گر گئے، جیسے ایک بے جان لاش ہوں، اس کے بعد نماز فجر کی اذان ہوئی۔

جب اس رات اور اس منظر کا نقشہ میرے ذہن میں آتا ہے، تو مجھے اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رہتا، اور آنسو بے تحاشا برسنے لگتے ہیں۔ (رھبان اللیل ج: ۱ ص: ۳۸۸

بحوالہ سیرۃ ومناقب عمر بن عبد العزیز لابن الجوزی ص: ۲۲۳)

ایک رات وہ نماز میں سورۂ واللیل إذا یغشیٰ کی تلاوت کررہے تھے جب انھوں نے ﴿فأنذرتکم ناراً تلظیٰ﴾ (میں نے اس آگ سے ڈرایا ہے، جو بھڑک رہی ہے) کی تلاوت کی، تو دو تین مرتبہ اسے دہرایا، مگر آگے نہیں بڑھ سکے، پھر دوسری سورہ پڑھی۔

(حوالہ سابق بحوالہ التخویف من النار لابن رجب ص:۷۹)

حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام کے پاس ایک گٹھری بطور امانت کے رکھی ہے، خاندان کے لوگ اس کے پاس گئے کہ وہ گٹھری لاؤ، جو عمر کی امانت تمہارے پاس ہے، اس نے کہا اس میں تمہارا کوئی مال نہیں ہے، لوگ مصر ہوئے، اور اس معاملہ کو خلیفۂ وقت یزید بن عبد الملک کے پاس پیش کیا، اس نے وہ گٹھری منگوائی، اور بنی امیہ کو بھی طلب کیا، پھر کہا کہ تمہارے برگزیدہ عالم نے یہ گٹھری بطور امانت فلاں کے پاس رکھی ہے، اسے دیکھو، جب اسے کھول کر دیکھا گیا تو پھٹے پرانے کپڑوں کی گدڑیاں تھیں، جنھیں وہ رات کے وقت پہن کر پروردگار کی خدمت میں غلامانہ حاضری دیا کرتے تھے۔

(حوالہ سابق ج:۱ص:۳۸۹ بحوالہ سیرۃ ومناقب)

اللہ کی رحمتیں نازل ہوں، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز علیہ الرحمہ پر، دو ڈھائی سال خلافت کی، کئی سال مدینہ کے گورنر رہے، کل ۳۹/ سال عمر پائی، گویا جوانی میں ہی دنیا کو خیر باد کہا، مگر دنیا کی کوئی لذت نہیں برتی، دنیا سے کنارہ کش گزر گئے، علم وفضل ذہانت وذکاوت، عدل وانصاف، زہد وریاضت، خوف وخشیت، عبادت وطاعت کا ایک نمونہ بن کر رہے، اللہ ان سے راضی ہو، وہ اللہ سے راضی ہوں، بلاشبہ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

المتوفیٰ ۹۴ھ

حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص تلامذہ میں ہیں، قرآن کریم کے بہترین حافظ اور قاری تھے، تفسیر کے امام تھے، بلند پایہ محدث تھے۔

فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے فرمایا کہ کس قبیلہ سے تمہارا تعلق ہے؟ میں نے کہا بنی اسد سے، فرمایا کہ عرب ہو، یا ان کے موالی (۱) میں سے ہو، میں نے عرض کیا ان کے موالی میں ہوں، فرمایا کہ تب تم یہ کہو کہ میں بنی اسد کے ان لوگوں میں ہوں، جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے۔

(طبقات ابن سعد ص: ۴۸۵ ج: ۶)

حضرات تابعین میں حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ بہت بلند مرتبہ امام اور عالم تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان پر بہت اعتماد فرماتے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے حکم دیا کہ سعید! تم حدیث بیان کرو؟ انھوں نے عرض کیا آپ کے ہوتے ہوئے میں حدیث بیان کروں؟ فرمایا کیا تم اسے اللہ کا اپنے اوپر احسان نہیں سمجھتے کہ میرے سامنے تم حدیث بیان کرو۔ اگر تم اس میں درست رہے، تو بہتر ہے ورنہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ (حوالہ بالا)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے، ان

---

(۱) موالی: مولیٰ کی جمع ہے، اس کے معنیٰ آزاد کردہ غلام، اہل عرب میں دستور تھا کہ غلام کو جس خاندان کے لوگ آزاد کرتے تھے، وہ اسی خاندان کا ایک فرد شمار ہوتا تھا

سے کبھی کوفہ والے کچھ پوچھنے آتے تو فرماتے کہ تم مجھ سے پوچھتے ہو، حالانکہ تمہارے درمیان **ابن ام دھماء** موجود ہیں؟ **ابن ام دھماء** سے مراد حضرت سعید بن جبیرؒ ہیں۔ (حوالہ بالا)

علم وفضل کی اس جلالت شان کے ساتھ وہ نہایت عابد وزاہد اور شب بیدار بزرگ تھے، ہلال بن یسار فرماتے ہیں! سعید بن جبیرؒ کعبہ میں داخل ہوئے اور ایک رکعت میں پورے قرآن کی تلاوت کی۔ (سیر اعلام النبلاء ص:۲۸۹ ج:۵)

ان کی عبادت گزاری اور ان کے زہد وتقویٰ کی اثر سے ان کے وقت میں اتنی برکت ہوگئی تھی کہ تھوڑے وقت میں بہت سا کام انجام پاتا تھا۔ حق تعالیٰ نے ان کی تلاوت میں ایسی برکت عطا فرمائی تھی کہ علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن سعد نے وقاء بن ایاس کے حوالے سے لکھا ہے کہ رمضان کے مہینے میں وہ مغرب اور عشاء کے درمیان پورا قرآن ختم فرمالیتے تھے، اس وقت عشاء کی نماز قدرے تاخیر سے ادا کی جاتی تھی۔

(حوالہ بالا وطبقات ابن سعد ص:۴۸۷ ج:۶)

ویسے عام دنوں میں وہ دو راتوں میں قرآن پاک ختم فرماتے تھے، (حوالہ بالا)

وہ خود فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوئی ایسی دو رات نہیں گزری ہے کہ میں نے ان میں پورا قرآن نہ پڑھا ہو، سوائے اس کے کہ میں سفر میں ہوں، یا مریض ہوں، (حوالہ بالا)

ذی الحجہ کا جب چاند نظر آتا تو فرماتے کہ اپنے چراغوں کو ان دس راتوں میں نہ بجھاؤ، انھیں پسند تھا کہ یہ راتیں پوری عبادت میں گزاری جائیں، اور اپنے خادموں سے فرماتے کہ عرفہ کے روزے کیلئے سحری کھالیں۔ (سیر اعلام النبلاء ص:۲۹۱ ج:۵)

فرماتے تھے کہ اللہ پر توکل کرنا پورا ایمان ہے، ان کی یہ دعا ہوا کرتی تھی:

اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُکَ صِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْکَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِکَ

(حوالہ بالا ص:۲۹۰ ج:۵)

ترجمہ: اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں کہ مجھے آپ کی ذات عالی پر سچا توکل حاصل ہو، اور آپ کی جناب میں مجھے حسن ظن رہے۔

فرماتے تھے کہ خشیت یہ ہے کہ تم اللہ سے اس طرح ڈرو کہ تمہارا یہ ڈر، تمہارے درمیان اور معصیت کے درمیان آڑ بن جائے، یہی خشیت معتبر ہے، اور ذکر، درحقیقت اللہ کی طاعت ہے، جس نے اللہ کے حکم کو پورا کیا، اس نے اللہ کو یاد کیا، اور جس نے اس کی حکم عدولی کی، وہ ذاکر نہیں ہے۔ اگرچہ بہت تسبیح پڑھتا ہو، اور قرآن کی تلاوت کرتا ہو۔ (حوالہ بالا)

حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ کے اس ارشاد کا پہلا جز رسول اکرم ﷺ کی ایک دعا سے ماخوذ ہے۔ وہ دعا اس درجہ جامع اور نافع ہے کہ ہر امتی کو اسے حرز جان بنالینا چاہئے۔ دین اور دنیا کی حاجات کا احاطہ اس ایک دعا میں کر دینا پیغمبرانہ معجزہ ہے۔ اسے پڑھئے اور یاد کر لیجئے۔ یہ دعا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی مجلس سے اٹھتے تھے، تو ایسا بہت کم ہوتا کہ اپنے اصحاب کیلئے یہ دعا نہ کرتے ہوں۔ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَامِنْ خَشْيَتِكَ مَاتَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَاوَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّاوَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَاعَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلَاتَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَاتَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَامَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَاتُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں اپنی وہ خشیت نصیب فرمائیے، جس کی وجہ سے آپ ہمارے درمیان اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائیے، اور اپنی وہ طاعت نصیب فرمائیے، جس کی وجہ سے آپ ہمیں اپنی جنت میں پہونچا دیجئے، اور اتنا یقین بخشئے جس کی وجہ سے آپ دنیا کی مصیبتیں ہمارے اوپر سہل فرما دیجئے، اور ہم کو ہماری

> سماعت، ہماری بینائی اور ہماری طاقت سے اس وقت تک استفادہ کا موقع دیجئے، جب تک آپ ہم کو زندہ رکھیں، اور اس کے خیر کو ہمارے بعد باقی رکھئے، اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لیجئے، اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنائیے، نہ ہمارے علم کا منتہا بنائیے، اور ہم پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ فرمائیے جو ہم پر رحم نہ کرے۔

حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ رات میں اس قدر روتے تھے کہ ان کی بینائی میں فرق آ گیا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ص: ۲۹۵ ج: ۵)

ایک رات ایسا ہوا کہ حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ اخیر رات میں نہ اٹھ سکے، فجر کی نماز کے لئے بیدار ہوئے۔ اس وقت ان کے پاس ایک مرغ تھا وہ اخیر رات میں بانگ دیتا تھا۔ اسی وقت وہ اٹھتے تھے، اس رات اس نے بانگ نہیں دی، حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ کو بہت رنج ہوا۔ انھوں نے رنجیدہ ہو کر فرمایا: مــالهٗ قطع الله صوته اسے کیا ہوا؟ اللہ اس کی آواز بند کرے۔ یہ فرمایا اور اس کے بعد مرغ نے کبھی بانگ نہ دی۔ ان کی والدہ نے فرمایا کہ اب کسی پر بددعا نہ کرنا۔ (حلیۃ الاولیاء ص: ۱۰۳ ج: ۲)

حضرت سعید بن جبیر علیہ الرحمہ نے کل ۴۹؍ سال عمر پائی۔ حجاج بن یوسف نے بغاوت کا الزام لگا کر انھیں قتل کرا دیا تھا۔ ان کے قتل کا واقعہ بھی تاریخ کا ایک نرالا واقعہ ہے۔ اس وقت حجاج سے ان کی جو گفتگو ہوئی ہے، اس کا ہر ہر لفظ مضبوط ایمان، پُختہ توکل اور غیر اللہ سے کامل بے خوفی کا مظہر ہے۔

پھر حجاج نے نہایت بے دردی سے انھیں ذبح کرا دیا۔ جس وقت ان کا سر تن سے جدا ہوا ہے، تو اس کٹے ہوئے سر سے تین مرتبہ لا إلٰـه إلا الله کی صدا آئی، تیسری مرتبہ کی صدا ذرا نا تمام سی رہی۔ (حوالہ سابق ص: ۱۰۷)

انھوں نے شہادت سے پہلے دعا کی تھی کہ یا اللہ میرے بعد کسی پر حجاج کو قابو نہ دے کہ وہ اسے قتل کرے، چنانچہ یہی ہوا، وہ ان کے بعد کسی اور کو قتل نہ کر سکا۔ اور ۱۵؍ دن کے بعد خود بھی مر گیا۔ ۹۴ھ میں انھیں شہادت کی سعادت حاصل ہوئی۔

امام اعظم ابوحنیفہ (نعمان بن ثابت) قدس سرہٗ

المتوفی ۱۵۰ھ

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اپنے کمال علم وفضل اور جلالت ذکاوت وتفقہ کے ساتھ ذوق عبادت میں بھی بہت معروف ہیں۔ ان کے تمام سوانح نگار اس بات پر متفق ہیں، کہ جہاں ان کا حلقۂ درس زبردست علماء وفضلاء سے معمور رہتا تھا، وہیں ان کی محراب عبادت، تلاوت ومناجات، رکوع وسجود اور خشوع وخضوع کے نور وسرور سے جگمگاتی اور سرشار رہتی تھی۔

ابوعاصم نبیل کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اتنی کثرت سے نماز پڑھتے تھے کہ مسلسل کھڑے رہنے کی وجہ سے انھیں لوگ ''وتد'' (کھونٹا) کہتے تھے۔

مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے تھے کہ ہمارے وقت میں مکہ مکرمہ میں ابوحنیفہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا کوئی نہیں آیا۔

امام صاحبؒ راتوں کو اس کثرت سے روتے تھے کہ پڑوسی ترس کھانے لگتے تھے۔

کوفہ کا رہنے والا ایک شخص حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ کی خدمت میں آیا، اور امام ابوحنیفہؒ کی شان میں گستاخی کی باتیں کرنے لگا، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا: بڑے افسوس کی بات ہے، تم ایک ایسے بزرگ کی شان میں ہرزہ سرائی کررہے ہو، جنھوں نے ۴۵ سال تک ایک وضو سے پانچوں وقت کی نماز پڑھی ہے، اور وہ ایک رات میں دو رکعت کے اندر پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے اور فقہ کا علم جو میرے پاس ہے، وہ میں نے انھیں سے حاصل کیا ہے۔

امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے ساتھ چل رہا تھا، سنا کہ ایک آدمی دوسرے سے کہہ رہا تھا، یہ ابو حنیفہ ہیں، جو پوری رات نہیں سوتے، امام صاحب نے فرمایا کہ کہ میرے متعلق کوئی ایسی بات نہ ہو، جو میں نہ کرتا ہوں، چنانچہ وہ پوری رات نماز، دعا اور گریہ وزاری کے ساتھ بیدار رہتے تھے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ میں حضرت حماد بن ابی سلیمان کی خدمت میں رہا، محارب بن دثار کی صحبت میں رہا، علقمہ بن مرثد اور عون بن عبد اللہ کی خدمت میں وقت گزارا، اور امام ابو حنیفہ کی صحبت میں رہا، ان لوگوں میں سب سے اچھی رات ابو حنیفہ کی تھی۔ میں کئی ماہ تک ان کے پاس رہا، ان راتوں میں انھوں نے کسی رات زمین پر پہلو نہیں رکھا، اور جب وہ رات میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے، تو تزین اختیار کرتے، داڑھی میں کنگھی کرتے۔

حضرت مسعر بن کدام فرماتے ہیں کہ میں امام ابو حنیفہ کے پاس ان کی مسجد میں پہونچا، تو دیکھا کہ وہ صبح کی نماز پڑھ رہے ہیں، پھر لوگوں کے واسطے مجلس علم میں بیٹھ گئے، ظہر تک اس میں مشغول رہے، ظہر کی نماز پڑھ کر پھر بیٹھ گئے، اور عصر تک مصروف رہے، عصر کی نماز پڑھی اور مغرب تک بیٹھے رہے، مغرب پڑھ کر عشاء تک اسی مشغلہ میں رہے، میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ شخص دن بھر ایک ہی انہماک میں رہا، آخر عبادت کے لئے کب وقت نکالتا ہوگا، اچھا رات کو بھی دیکھوں گا، میں نے دیکھا کہ جب سب لوگ سو گئے اور سناٹا ہو گیا، تو وہ مسجد میں پہونچے، اور نماز میں کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ صبح صادق طلوع ہو گئی، ایسا تین رات متواتر دیکھا۔ مسعر نے جب یہ حال دیکھا تو کہنے لگے کہ میں انھیں کے ساتھ لگا لپٹا رہوں گا تا آنکہ ان کی وفات ہو جائے، یا میری موت آجائے۔

حضرت مسعر ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات میں مسجد میں داخل ہوا، تو دیکھا کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے اور بڑی شیریں اور دلکش آواز میں قرآن پڑھ رہا ہے، اس شخص نے قرآن کا ساتواں حصہ پڑھ لیا، تو میں نے سمجھا کہ اب رکوع کرے گا، مگر

وہ پڑھتا چلا گیا، پھر پڑھتا رہا اور آدھا قرآن پورا کرلیا، پھر پڑھتا ہی رہا، یہاں تک کہ ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیا، میں نے دیکھا تو یہ امام ابوحنیفہ تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ

خارجہ بن مصعب نے فرمایا کہ چار ائمہ نے کعبہ شریف کے اندر قرآن ختم کیا ہے، حضرت عثمان بن عفان، حضرت تمیم الداری **رضی اللہ عنہما**، سعید بن جبیر اور ابوحنیفہ **رحمہما اللہ**۔

ایک رات بعد نماز عشاء کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد **فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ**، (پس اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور لُو اور گرمی کے عذاب سے ہم کو بچا لیا،) صبح تک دہراتے رہے۔

قاسم بن معین نے فرمایا کہ ایک دن امام ابوحنیفہ پوری رات یہ آیت **بل الساعة موعدهم والساعة ادهىٰ وامر**، دہراتے رہے اور مسلسل گریہ وزاری کرتے رہے۔

یزید بن کمیت ایک نیک شخص تھے، انھوں نے کہا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ اللہ سے بہت ڈرنے والے تھے، ایک رات عشاء کی نماز میں علی بن حسین مؤذن نے سورۂ إذا زلزلت پڑھی، مقتدیوں میں امام ابوحنیفہ بھی تھے، نماز ختم ہوگئی، اور سب لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے، مگر امام صاحب صبح تک وہیں کھڑے رہے اور کہتے رہے:

> اے پروردگار! جو ذرہ بھر خیر کا بدلہ خیر سے اور ذرہ بھر شر کا بدلہ شر سے دے گا۔ اپنے بندے نعمان کو آگ سے بچا اور ہر اس برائی سے بھی بچا جو آگ کے قریب کرنے والی ہے، اور اس کو اپنی وسعت رحمت میں داخل فرما۔(۱)

☆☆☆☆☆☆☆

(۱) یہ مضمون بتمام وکمال ''رھبان اللیل'' ج:۱۔ص:۳۹۵،۳۹۶ سے منقول ہے۔

حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ

المتوفیٰ ۱۶۱ھ

شیخ الاسلام ، امام الحفاظ ، سید العلماء العالمین فی زمانہ ، ابوعبداللہ (سفیان بن سعید) **الثوری،** الکوفی **المجتہد،** مصنف کتاب الجامع۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۱۷۴)

حضرت سفیان بن سعید ثوری ۹۷ھ میں پیدا ہوئے، ان کے اجداد میں ایک صاحب ثور بن عبد مناۃ ہیں انھیں کی طرف منسوب ہوکر یہ ثوری کہلاتے ہیں، ان کے والد گرامی حضرت سعید بن مسروق بھی محدث تھے جو امام شعبی کے شاگرد ہیں، اور کوفہ کے ثقہ حضرات میں ان کا شمار ہے، صحاح ستہ کے راویوں میں ہیں۔

حضرت سفیان ثوریؒ والد گرامی کے التفات خاص کی وجہ سے بچپن ہی سے تحصیل علم میں منہمک ہوگئے، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے چھ سو اساتذہ سے علم کا فیض پایا ہے، نوعمری ہی میں انھوں نے اپنے علمی کمالات کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کرلی تھی۔

ابوالمثنیٰ کہتے ہیں کہ میں مَرو میں تھا وہاں شہرت ہوئی کہ ثوری آئے ہیں، ثوری آئے ہیں میں انھیں دیکھنے نکلا تو وہ سبزہ آغاز نوعمر تھے۔

ان کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ خود فرماتے تھے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے اپنے دل و دماغ کو کوئی امانت سونپی ہو اور اس نے کوئی خیانت کی ہو، (یعنی کبھی کوئی چیز بھولے نہیں)

حضرت مثنیٰ بن صباح فرماتے ہیں کہ سفیان اس امت کے عالم بھی ہیں اور عابد بھی، حضرت بشر حافی فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حضرت سفیان ثوریؒ لوگوں کے امام تھے۔

حضرت سفیان ثوریؒ قرآن کریم کے بتائے ہوئے معیار پر عالم تھے، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: **إنما يخشى الله من عباده العلماء** ، اللہ کے بندوں میں علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، حضرت سفیان ثوریؒ علم کے اس معیار پر کھرے اترتے تھے، اسی لئے مشہور محدث حضرت شعبہ بن حجاج فرماتے ہیں کہ سفیان اپنے تقویٰ واحتیاط اور علم کی وجہ سے تمام لوگوں کے سردار تھے

حضرت قبیصہ فرماتے ہیں کہ میں جب حضرت سفیان کی مجلس میں بیٹھا، موت کی یاد آئی، میں نے ان سے زیادہ موت کو یاد کرنے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔

حضرت یوسف بن اسباط فرماتے ہیں کہ ایک روز مجھ سے حضرت سفیان نے بعد نماز عشاء جبکہ وہ مسجد میں تھے وضو کا لوٹا طلب کیا کہ وضو کروں گا، میں نے انھیں دیدیا، انھوں نے دائیں ہاتھ میں لوٹا لیا، اور بایاں ہاتھ اپنے رخسار پر رکھ دیا، اور کسی فکر میں ڈوب گئے، اور میں سو گیا، صبح کو آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لوٹا ہاتھ میں ہے اور وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں، میں نے عرض کیا حضرت صبح صادق ہوگئی فرمایا جب سے تم نے لوٹا میرے ہاتھ میں دیا ہے، میں اس وقت سے اب تک آخرت کے بارے میں سوچ رہا ہوں، (تہذیب حلیۃ الاولیاء، ج:۲، ص:۳۹۹)

یوسف بن اسباط ہی کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوریؒ جب آخرت کا ذکر کرتے تو ان پر اتنی خشیت طاری ہوتی کہ خون کا پیشاب ہونے لگتا، ایک بار حضرت سفیان ثوریؒ بیمار ہوئے، ابواسامہ کہتے ہیں کہ میں ان کا قارورہ لے کر طبیب کے پاس گیا، اس نے دیکھ کر کہا کہ یہ کسی راہب کا پیشاب ہے، درد وغم نے اس کے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے، اس کی کوئی دوا نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۲۰۴)

اور خود حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی ایسا کام یا چیز دیکھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے بولنا ضروری ہے اور اس کے سلسلے میں نہیں بولتا، تو خوف جوابدہی میں خون کا پیشاب ہو جاتا ہے۔

اندازہ کیجئے کہ اللہ کا خوف دل میں کتنا جا گزیں تھا، کہ برائی پر نہیں ٹوکا تو یہ خوف کہ کل اللہ کو کیا جواب دوں گا اس درجہ مسلط ہوتا تھا کہ اندرونی حالت متغیر ہو جاتی

ان کے جذبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اندازہ کرنا ہو تو عبد الرحمٰن بن مصعب کا بیان کردہ یہ واقعہ ملاحظہ فرمایئے، کہتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضرت سفیان ثوریؒ کی مجلس میں آیا کرتا تھا، رمضان کے مہینہ میں باہر چلا جاتا اور لوگوں کو نماز پڑھاتا اسے لوگ کپڑے اور نقدی سے نوازتے، حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اہل قرآن کو قرآن پڑھنے کا ثواب عطا کیا جائے گا اور اس جیسے آدمی سے کہا جائے گا کہ تم کو دنیا میں ثواب مل چکا ہے اس نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! میں آپ کی خدمت میں رہتا ہوں اور مجھے آپ ایسا کہتے ہیں؟ فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے باز پرس کی جائے گی، کہ یہ شخص تمہارے پاس رہتا تھا تم نے اسے نصیحت کیوں نہ کی۔

(تہذیب حلیۃ الاولیاء، ص: ۳۷۹)

حضرت سفیان ثوریؒ کا علم حدیث اور علم فقہ میں خاص مقام تھا، حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث تین ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں، امام شعبی اپنے زمانے، اور حضرت سفیان ثوری اپنے زمانے میں، حضرت امام احمد بن حنبل کا ارشاد ہے کہ جانتے ہو کہ امام کون ہے؟ پھر فرمایا امام سفیان ثوری ہیں، میرے دل میں ان سے آگے کسی کا مرتبہ نہیں ہے، (سیر اعلام النبلاء، ج: ۷، ص:)

حضرت علی ابن مدینی امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبد اللہ بن مبارک کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سفیان ثوری اور ابو حنیفہ کسی بات پر متفق ہو جائیں تو وہ بہت پختہ بات ہے۔ (حوالہ بالا، ص: ۱۸۷)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ کہ سفیان ثوری زہد میں، والہیت میں اور خوف الٰہی میں یکتائے روزگار تھے، قوت حافظہ میں فرد تھے، آثار و سنن کی معرفت میں نادرۂ زمانہ تھے، تفقہ میں بے نظیر تھے، اللہ کے باب میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے، ائمہ

دین میں تھے، (حوالہ بالا، ص: ۱۸۷)

ان خصوصیات کے ساتھ ذوق عبادت کا یہ حال تھا کہ خود فرماتے ہیں اور نقل کرنے والے دو بزرگ ہیں، حضرت ابو نعیم اور حضرت زائدہ کہ جب رات آتی ہے، تو مجھے خوشی ہوتی ہے، اور جب دن آتا ہے تو رنج ہوتا ہے۔

(رہبان اللیل بحوالہ مقدمۃ الجرح والتعدیل، ج: ۱، ص: ۸۵)

رات کے آنے سے خوشی اور اسکے جانے سے رنج ذوق عبادت ہی کا اثر ہے۔

مشہور محدث عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت سفیان ثوری نے کھانا کھایا، گوشت کھایا اس کے بعد کھجور اور مکھن کھایا، پھر نماز کیلئے کھڑے ہو گئے اور فرمایا حبشی (یعنی غلام) کے ساتھ اچھا سلوک کرو، پھر اس سے خوب کام لو۔

(سیر اعلام النبلاء، ج: ۷، ص: ۱۸۴)

نیز فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ہمارے پاس تشریف لائے، میں نے ان کیلئے ایک خاص طریقے سے گوشت پکایا، انھوں نے کھایا پھر میں نے طائف کی کشمش حاضر کی، انھوں نے اسے بھی تناول فرمایا، پھر فرمایا اے عبد الرزاق! گدھے کو چارہ کھلاؤ، پھر اس سے محنت لو، یہ فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے اور صبح تک نماز میں مشغول رہے، (ص: ۲۰۹)

مطلب یہ ہے کہ نفس کو کھلا اور پلا لیا، اب اس کو محنت و مشقت کے کام پر لگاؤ یعنی اس سے خوب عبادت کراؤ۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان ثوری سے کسی نے پوچھا کہ رات کو آپ کا طریقۂ عمل کیا ہے؟ فرمایا ابتدائی رات میں جتنا چاہا ایک نیند سو لیا پھر جس وقت بھی آنکھ کھل جائے دوبارہ نہیں سوتا، اس وقت سے اخیر شب تک مصروف عبادت رہتے۔ (حوالہ بالا، ص: ۲۰۱)

علی بن فضیل فرماتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں حضرت سفیان کو سجدہ کی حالت میں دیکھا پھر سات چکر خانہ کعبہ کا طواف کیا، اور انھوں نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا۔

(حوالہ بالا، ص: ۲۰۹)

مومل بن اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری سال بھر مکہ میں مقیم رہے، اور تمام دن رات عبادت میں مشغول رہتے تھے، صرف عصر اور مغرب کے درمیان اصحاب حدیث کے حلقے میں بیٹھتے تھے، (حوالہ بالا، ص:۲۰۹)

حضرت سفیان اس قدر روتے تھے کہ ان کی قرأت صاف سنائی نہیں دیتی تھی۔ (ص:۲۰۹)

حضرت سفیان ثوری جس رتبہ کے عالم تھے، اسی لحاظ سے عبادت گذار تھے، اور اسی درجہ متقی اور پرہیزگار بھی تھے، ایک مرتبہ بادشاہ وقت ان کے درپئے آزار تھا وہ خاموشی سے بصرہ چلے آئے، یہاں انھوں نے خود کو پوشیدہ رکھنے کیلئے ایک باغ کی رکھوالی کی ملازمت اختیار کر لی، اس باغ میں حکومت کا ایک کارندہ پہونچا، اس نے پوچھا کہ او بڈھے! تم کون ہو؟ فرمایا کہ میں کوفہ کا ہوں، پوچھا کہ کوفہ کی کھجور میٹھی ہوتی یا بصرہ کی، فرمایا کہ میں نے بصرہ کی کھجور چکھی نہیں، بولا کہ تم کتنے بڑے جھوٹے ہو، ان دنوں کھجور سب کھاتے ہیں، نیک ہو یا بد، یہانتک کہ کتے بھی، پھر وہ کارندہ شہر کے حاکم کے پاس گیا، اس نے یہ حیرت ناک خبر حاکم کو سنائی، حاکم نے کہا ارے جلدی جاؤ اسے گرفتار کرو، اگر تم سچے ہو تو وہ سفیان ثوری ہیں، انھیں پکڑ لاؤ اور امیر المومنین کے یہاں قربت اور درجہ حاصل کرو، وہ تلاش میں نکلا مگر انھیں پکڑ نہ سکا۔ (حوالہ بالا، ص:۱۹۶)

وفات: ابن مہدی کہتے ہیں کہ حضرت سفیان کو اسہال کا مرض لاحق ہوا، اس رات میں انھوں نے ساٹھ مرتبہ وضو کیا، پھر جب انھیں موت کی آمد کا احساس ہو گیا تو بستر سے اتر کر زمین پر اپنا رخسار رکھ دیا اور فرمایا اے عبدالرحمٰن! موت کتنی سخت چیز ہے، پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے ان کی آنکھیں بند کیں، لوگوں کو جیسے رات ہی میں ان کی وفات کا علم ہو گیا اسی وقت لوگ کثرت سے آئے۔

مرتے وقت انھوں نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن مجھ پر سورہ یٰسین پڑھو، اس سے مریض کو سہولت ہوتی ہے، چنانچہ سورہ یٰسین کی تلاوت شروع کی اور ختم ہونے سے پہلے ان کی

زندگی کا چراغ گل ہوگیا، شعبان ۱۶۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (حوالہ بالا، ج: ۷ص: ۲۱۰)

ارشادات: حضرت سفیان ثوری کے بہت سے حکیمانہ اقوال وفرمودات منقول ہیں، ان میں چند ارشادات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

فرمایا: زہد کی دو قسمیں ہیں، زہد فرض اور زہد نفل، زہد فرض یہ ہے کہ فخر، تکبر، احساس برتری، ریا کاری اور جذبۂ شہرت اور لوگوں کیلئے بننے سنورنے کو ترک کردو، اور زہد نفل یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ حلال تمہیں عطا کیا ہے، اسے بھی ترک کرو، البتہ اگر حلال کو ترک کرنا ہو تو تم پر فرض ہے کہ محض اللہ کے واسطے اسے ترک کرو، کوئی اور نیت نہ ہو،

فرمایا: تین باتوں میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچو، ایک اس بات سے بچو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو حکم دیا ہے اس میں تم سے کوتاہی ہو، دوسرے اس بات سے بچو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تمہارے لئے مقدر کردیا ہے حق تعالیٰ دیکھیں کہ تم اس مقدر پر راضی نہیں ہو، مطلب یہ ہے کہ اللہ کی تقدیر پر جب تم راضی نہ ہوگے اور ظاہر ہے کہ یہ بات اللہ پر مخفی نہ ہوگی تو وہ تم سے ناراض ہوں گے، اس سے بچو، یعنی اللہ کی ہر تقدیر پر راضی رہو، تیسرے اس بات سے بچو کہ تم نے دنیا کی کوئی چیز طلب کی اور تمہیں نہ ملی تو اپنے پروردگار سے ناراض ہونے لگو۔

فرمایا: مال اس امت کی بیماری ہے، اور علماء اس امت کے طبیب ہیں، تو اگر علماء ہی بیماری کو اپنی طرف کھینچنے لگ جائیں تو لوگوں کو شفا کیونکر بخشیں گے۔

فرمایا: زہد یہ نہیں ہے کہ آدمی موٹا جھوٹا کھائے اور کھردرا لباس پہنے، بلکہ زہد یہ ہے کہ امیدیں مختصر کرے اور موت کو قریب سمجھے۔

فرمایا: رونے کے دس اجزاء ہیں، ایک جز اللہ کیلئے اور نو جز غیر اللہ کیلئے تو اگر سال میں ایک مرتبہ بھی اللہ کیلئے رونا آجائے تو بہت ہے۔ (ص: ۱۹۵)

فرمایا: سلامتی اس میں ہے کہ تمہیں اس کی خواہش نہ ہو کہ لوگ تمہیں پہچانیں۔

(ص: ۱۹۵)

فرمایا: میں انسان کے لئے اس سے بہتر اور کچھ نہیں سمجھتا کہ کسی سوراخ میں گھس کر رہے، یعنی تنہائی کو ترجیح دے۔ (ص: ۱۹۷)

فرمایا: اگر یقین دل میں جم جائے تو وہ خوشی یا غم میں اڑ جائے، جنت کے شوق میں یا جہنم کے خوف سے، (ص: ۱۹۷)

فرمایا: شہرت سے بہت بچو، میں جس عالم کے پاس گیا، مجھے شہرت سے منع کیا، (حوالہ بالا)

فرمایا: جو کوئی کسی بدعت کو سنے تو اس کا اپنے لوگوں سے تذکرہ نہ کرے، اور ان کے دلوں میں اسے نہ ڈالے۔ (حوالہ بالا)

مطلب یہ ہے کہ بدعت کی چیزوں کو بے ضرورت اپنے لوگوں کے درمیان نہ بیان کرے قلوب کمزور ہوتے ہیں، بعض اوقات غلط باتوں کا استحسان دل میں بیٹھ جاتا ہے اور سننے والا اس غلطی میں پڑ جاتا ہے۔

فرمایا: زہد سب سے کم میں نے منصب اور ریاست میں دیکھا، تم دیکھو گے کہ آدمی کھانے کپڑے اور مال میں زہد اختیار کر لیتا ہے، لیکن اگر منصب اور ریاست میں اس سے کشمکش کی جائے تو اس پر ڈٹ جاتا ہے، اور دوسرے سے عداوت اختیار کر لیتا ہے، (ص: ۱۹۸)

فرمایا: اگر تمہارے ساتھ ایسا کوئی آدمی ہو جو تمہاری ایک ایک بات بادشاہ تک پہونچاتا ہو تو تم اس کے سامنے بات کر سکتے ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں، فرمایا تو تمہارے ساتھ ایسے لوگ ہیں جو تمہاری باتیں پہونچاتے ہیں، (ص: ۲۰۶)

فرمایا: جو دنیا سے خوش ہوتا ہے، اس کے دل سے خوف آخرت نکال دیا جاتا ہے، (ص: ۲۰۳)

☆☆☆☆☆☆

حضرت داؤد طائی علیہ الرحمہ

المتوفی ۱۶۳ھ

حضرت داؤد طائی مشہور و معروف مشائخ اور اولیاء میں ہیں۔ علم فقہ میں ان کا خاص مرتبہ تھا، امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے، لیکن ان پر طاعت و عبادت کا ذوق غالب تھا۔ اس لئے گوشہ نشینی اختیار کرلی، اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع نہیں کیا، بلکہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہوگئے، کسی نے ان سے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا کہ چھوڑو، میں اپنی سانس بند ہونے سے پہلے کچھ کرلینا چاہتا ہوں۔

وہ زمانہ خیرالقرون کا تھا۔ ان کی گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت کی کثرت کو کسی نے اعتراض کا نشانہ نہیں بنایا، بلکہ ہر شخص کو خدا کے حضور پیشی کا استحضار تھا، وہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے محض اللہ کے واسطے اور اللہ کے خوف سے کیا ہے، اس لئے اکابر کی نگاہ میں ان کی وقعت مزید بڑھ گئی، چنانچہ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے، داؤد کو اپنے بارے میں بصیرت حاصل ہوگئی ہے۔ وہ ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ کام درحقیقت وہی ہے جو داؤد نے اختیار کیا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد طائی نے علم فقہ میں اور علم کلام میں خاصی مہارت حاصل کرلی تھی۔ ایک علمی مباحثہ کے درمیان کسی آدمی کو ماردیا، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اے ابوسلیمان تمہاری زبان اور تمہارے ہاتھ کی تیزی بڑھ گئی ہے، اس نصیحت سے وہ ایسا متاثر ہوئے کہ اس کے بعد وہ سال بھر تک امام صاحب کی مجلس میں

آتے جاتے رہے، لیکن نہ کوئی سوال کرتے تھے اور نہ کسی کو جواب دیتے تھے۔

ایک شخص نے ان سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور سنو، دنیا سے روزہ رکھو، اور موت سے افطار کرو۔ مطلب یہ ہے کہ لذائذ وشہوات دنیا سے احتراز کرو، ان کے حصول کی جگہ مرنے کے بعد ہے۔

ان کے زہد وقناعت کا حال یہ تھا کہ انھوں نے وراثت میں چار سو درہم پائے تھے، انھیں سے تیس سال تک اپنا خرچ چلاتے رہے، جب وہ ختم ہو گئے، تو گھر کی کڑیاں بیچ بیچ کر اپنا انتظام کرتے رہے۔

ایک خاتون ام سعید حضرت داؤد کی پڑوسی تھیں، دونوں گھروں میں صرف ایک چھوٹی سی دیوار کا فاصلہ تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ میں عام طور سے رات میں داؤد کے رونے کی آواز سنتی رہتی تھی، انھیں کسی وقت سکون نہیں ہوتا تھا، بسا اوقات صبح کے قریب نہایت خوش آوازی سے قرآن کی تلاوت کرتے، تو ایسا معلوم ہوتا کہ تمام نعمتیں ان کی خوش آوازی میں اکٹھا ہو گئی ہیں (سیر اعلام النبلاء ج: ۷، ص: ۴۲۰)

حضرت داؤد طائی پوری رات نماز میں مصروف رہتے، پھر قبلہ رُو بیٹھے ہوتے اور فرماتے اے تاریکیٔ شب! تو روشن نہ ہونا اور اے سفر کی دوری! تو ختم نہ ہونا (تاریخ بغداد)

وہ فرماتے تھے کہ رات اور دن سفر کی دو منزلیں ہیں، لوگ یکے بعد دیگرے ان میں اترتے ہیں، یہاں تک کہ ایک روز سفر پورا ہو جاتا ہے، تو اگر تم سے ہو سکے کہ ہر روز کی منزل میں اگلی منزل کے لئے زادِ راہ مہیا کر لو، تو ایسا ضرور کرو، کیونکہ سفر عنقریب ختم ہونے کو ہے، اور معاملہ جلد پیش آنے والا ہے، اس لئے سفر کے لئے توشہ لے لو، اور جتنا کام پورا کر سکتے ہو، پورا کر لو، گویا اچانک ہی معاملہ پیش آنے والا ہے۔

(رہبان اللیل ج: ۱، ص: ۴۰۲)

نیز فرماتے تھے کہ مجھے کسی شخص سے کسی بات پر حسد نہیں ہوتا، بجز اس آدمی کے جو رات بھر نماز میں مشغول رہتا ہو، میری بڑی تمنا ہے کہ مجھے بھی رات کی ساعات میں وقت

نصیب ہو (رہبان اللیل ج:ا ص:۴۰۲)

حضرت داؤد طائی کی وفات ۱۶۳ھ میں ہوئی، ان کے جنازے میں مسلمانوں کا اتنا ہجوم ہوا، اور اس کا اتنا اہتمام کیا گیا کہ کسی اور کے بارے میں نہیں سنا گیا۔ حال یہ تھا کہ جب آپ کی وفات کا اندازہ ہوا تو لوگ تین تین رات نہیں سوئے کہ کہیں ان کی نماز جنازہ میں حاضری سے نہ رہ جائیں۔

حضرت داؤد طائی کے مناقب وفضائل بہت ہیں، وہ علم وعمل دونوں کے امام تھے، تدفین کے بعد ایک بزرگ قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے داؤد! آپ راتوں کو جاگتے رہتے تھے، جبکہ لوگ سوئے ہوتے، تمام لوگوں نے کہا کہ سچ ہے۔

ایک شخص نے آپ سے وصیت کی درخواست کی، فرمایا کہ اللہ سے ڈرو، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور سنو! دنیا سے روزہ رکھو اور موت سے افطار کرو، اور لوگوں سے الگ رہو، البتہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ نہ ہونا۔

☆☆☆☆☆

حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمہ

المتوفی ١٦٢ھ

حضرت ابراہیم بن ادہم امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ان بلند پایہ اور اصحاب فضل وکمال شخصیات میں ہیں جو ابتداءً دنیاوی منصب وجاہ اور ملک ومال کے لحاظ سے بڑے عالی مقام رہے، پھر علم وبصیرت کے ساتھ دنیا کو اور دنیوی جاہ ومال کو محض اللہ کے لئے ترک کیا۔ اور عبادت وریاضت اور علم وعمل کے روشن نمونہ بنے۔

حضرت ابراہیم کی ولادت ۱۰۰ھ کے قریب ہوئی، ان کے والد گرامی خراسان کے بادشاہوں میں تھے، انھوں نے اپنے خادم وشاگرد ابراہیم بن بشار کی درخواست پر اپنا ابتدائی واقعہ خود ذکر فرمایا ہے، مشہور محدث ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں اور علامہ ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء'' میں اس کو نقل کیا ہے۔

ابراہیم بن بشار کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ اپنے ابتدائی حالات بیان فرماویں کہ کس طرح اس مقام تک پہونچے۔ فرمایا کہ اسے چھوڑو، کچھ اور پوچھو تو تمہیں زیادہ نفع ہو، میں نے عرض کیا ٹھیک ہے، مگر آپ تو یہی بتائیں ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کو کبھی اس کا نفع حاصل ہو۔ فرمایا کہ اللہ کی یاد میں لگو، لیکن میں نے اصرار کیا تو فرمایا:

میرے والد بلخ کے رہنے والے تھے، خراسان کے بادشاہوں میں تھے، اور بہت دولت مند تھے، مجھے شکار کا بہت شوق تھا، ایک روز میں گھوڑے پر سوار ہوکر شکار کیلئے جنگل کی طرف نکلا ساتھ میں شکاری کتے بھی تھے۔ میرے سامنے سے خرگوش بھاگا، یا لومڑی نکلی، میں نے اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا، اچانک پیچھے سے آواز آئی، تم اس کام کیلئے نہیں

پیدا کیئے گئے ہو، اور نہ تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے گھوڑے کو روکا، اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ کوئی دکھائی نہیں دیا۔ میں نے کہا ابلیس پر اللہ کی لعنت! یہ کہہ کر پھر گھوڑا دوڑایا، پھر میں نے وہی آواز سنی، اور اب کی مرتبہ آواز زیادہ زوردار تھی، پھر میں دائیں بائیں دیکھنے لگا، مگر کوئی نظر نہیں آیا۔ میں نے پھر ابلیس پر لعنت بھیجی اور آگے بڑھا، پھر سہ بارہ وہی آواز میری زین کے اندر سے آئی، میں ٹھہر گیا اور بولا۔ مجھے تنبیہ کی گئی ہے، میرے پاس رب العٰلمین کی جانب سے ڈراوا آ گیا۔ اب اس کے بعد میں حق تعالیٰ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائیں۔

پھر اپنے گھر لوٹا، گھوڑے کو چھوڑا، والد کے چرواہوں سے معمولی کپڑے لئے، اور اپنے لباس فاخرہ انھیں دئے۔ اور میں عراق چلا گیا، جہاں محنت مزدوری کرنے لگا، پھر بعض لوگوں کے مشورے سے ملک شام چلا گیا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمہ نے دولت وحکومت قربان کر کے رضائے الٰہی کا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس لئے عبادت وریاضت کا جو اہتمام ان کے یہاں تھا، وہ ایک فطری بات ہے، انھوں نے عبادت وخدمت دونوں کو جمع کیا تھا۔

وہ راتوں کو بیدار رہا کرتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، فکر ومراقبہ میں مشغول رہتے تھے، اور خلق خدا کی خدمت کرتے تھے۔ خدمت کا حال یہ تھا کہ ان کے ایک شاگرد سہیل بن بشر فرماتے ہیں کہ میں ایک روز لکڑیاں پھاڑ رہا تھا اور تھک کر چُور ہو گیا تھا۔ حضرت ابراہیم ادھر سے گزرے تو فرمایا تم تھک گئے ہو، لاؤ مجھے کلہاڑا دو میں پھاڑتا ہوں۔ انھوں نے میرے ہاتھ سے کلہاڑا لے لیا، اور لکڑیاں لے کر ایک طرف چلے گئے، اور میں اپنے گھر میں آرام کرنے لگا، ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ دروازہ کھلا، دیکھا کہ سب لکڑیاں پھاڑ کر انھوں نے گھر کے اندر ڈال دی ہیں، پھر کلہاڑا رکھا، اور روانہ ہو گئے۔

یہی سہیل بن بشر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم بن ادہم کا عام دستور تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد وہ گھروں کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور پکارتے کہ کوئی آٹا پسوانا چاہتا

ہے، لوگ انھیں غلہ دیتے، اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے چکی میں پیستے، اور گھر والوں کے حوالے کرتے اور کوئی اجرت قبول نہیں کرتے۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء ج: ۔ص: ۴۷۳)

علی بن بکار فرماتے ہیں کہ ابراہیم قبیلہ بنی عجل سے تعلق رکھتے تھے، کریم الحسب تھے، اجرت پر کھیتیاں کاٹتے تھے اور کاٹتے وقت پڑھا کرتے تھے

اتخذ اللہ صاحبا ودع الناس جانبا

اللہ کو اپنا ساتھی بناؤ۔ اور لوگوں ایک طرف چھوڑو

وہ راتوں کو سوتے نہیں تھے، تفکر اور مراقبہ میں مشغول رہتے، اپنی اجرت وہ خود نہیں لیتے اور نہ ہاتھ لگاتے، ان کے ساتھی لے لیا کرتے تھے، فرماتے کہ تم لوگ جو مرضی ہو کھاؤ پیو۔ (سیر اعلام النبلاء ج: ۷، ص: ۲۹۸)

یہ حال تو خدمت خلق کا تھا، اور عبادت کی کیفیت یہ تھی کہ ان کے اصحاب میں مخلد بن حسین فرماتے ہیں کہ رات کو میں جب بھی بیدار ہوتا، تو دیکھتا کہ ابراہیم ذکر الٰہی میں مشغول ہیں مجھے بڑا افسوس ہوا تا کہ میں محروم رہ جاتا ہوں۔ پھر اس آیت سے تسلی حاصل کرتا کہ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** ۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں، کہ اگر تین باتیں نہ ہوتیں، تو مجھے پرواہ نہ تھی کہ میں مکھی ہوتا، ۱۔ گرمی کے دوپہر کی (بحالت روزہ) پیاس، ۲۔ جاڑے کی لمبی رات، ۳۔ تہجد میں قرآن کریم کی تلاوت۔

ان کے اس ارشاد سے ذوق عبادت اور شوق تہجد کا اندازہ ہوتا ہے۔

کبھی کبھی فرماتے، اگر تم رات بھر سوتے رہے، اور دن بھر (تلاش معاش میں) سرگشتہ رہے، اور گناہوں میں ڈوبے رہے تو اس ذات کو کیونکر خوش کرسکو گے، جو تمہارے تمام کاموں کا ذمہ لئے ہوئے ہے۔ (رہبان اللیل ج: ۱، ص: ۴۰۳)

حضرت ابراہیم بن ادہم کی وفات ۱۶۲ھ میں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

حضرت منصور بن معتمر علیہ الرحمہ

المتوفیٰ ۱۳۲ھ

حضرت منصور بن معتمر علیہ الرحمہ کوفہ کے بلند پایہ محدثین میں ہیں، اور بڑے عابد وزاہد تھے، علامہ ذہبیؒ نے انھیں **الحافظ الثبت القدوۃ** (حافظ حدیث، نہایت پختہ اور معتبر اور امام وپیشوا) لکھا ہے، شیخ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں **حلیف الصیام والقیام، خفیف التطعم والمنام، المتفکر المعتبر** (روزہ ونماز کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے کھانے اور سونے میں بہت ہلکے، غور وفکر میں ڈوبے ہوئے، عبرت پذیری کے پیکر) لکھا ہے، کوفہ کے عالی رتبہ تابعی ہیں، کوفہ میں حضراتِ صحابہ وتابعین کی تعداد بہت تھی، انھیں علم حاصل کرنے کیلئے، کہیں باہر نکلنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ میں ان کے کسی علمی سفر سے واقف نہیں ہوں، اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ انھوں نے کسی صحابی سے براہ راست روایت کی ہے، لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ کوفہ میں ان کی جوانی تک متعدد صحابہ موجود تھے، مثلاً عبداللہ بن ابی اوفیٰ اور عمرو بن حریث **رضی اللہ عنہما**، تاہم وہ علم کے خزانہ اور صاحب اتقان وعبادت اور خیر وبرکت والے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۶، ص:۱۹۴)

علم حدیث میں ان کا درجہ وہ ہے، کہ محدثین کے نزدیک حدیث کی صحیح ترین چند سندیں ہیں، ان میں ایک سند میں حضرت منصور بن معتمر بھی ہیں، چنانچہ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

> **وقیل اصح الاسانید مطلقاً سفیان عن منصور عن ابراھیم عن علقمه عن ابن مسعود** (حوالہ سابق) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کے شاگرد خاص حضرت علقمہ نے، ان سے ان کے خاص تلمیذ حضرت ابراہیم نے، ان سے منصور بن معتمر نے، ان سے سفیان ثوری نے حدیث نقل کی ۔ یہ تمام سندوں اور روایت حدیث کے سلسلوں میں علی الاطلاق سب سے صحیح سند اور سلسلہ ہے۔

اس سے حضرت منصور بن معتمر کے علمی مقام اور ان کی ثقاہت اور رسوخ کا پتہ چلتا ہے، یہ تو ان کے علم کا حال تھا۔ اب ان کے عمل اور عبادت وریاضت کا حال ملاحظہ فرمایئے۔

مشہور محدث حضرت ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت حضرت منصور بن معتمر پر ہو، وہ صوّام (مسلسل روزہ دار) اور قوّام (مسلسل نماز میں کھڑے رہنے والے) تھے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۶، ص:۱۹۴)

حضرت منصور بن معتمر راتوں کو اس کثرت سے نماز پڑھتے تھے کہ ان کے ایک پڑوسی کی لڑکی انھیں چھت پر نماز میں کھڑا دیکھ کر سمجھتی تھی کہ یہ کوئی لکڑی ہے، جو گڑی ہوئی ہے، چنانچہ اس نے ان کے انتقال کے بعد ایک روز پوچھا کہ ابا! حضرت منصور کی چھت پر ایک لکڑی گڑی رہا کرتی تھی، اب وہ کیا ہوئی؟ اس نے بتایا کہ وہ منصور تھے، جو راتوں کو نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت منصور کی نماز بڑی خوبصورت ہوتی تھی۔ (حوالہ بالا)

زائدہ فرماتے ہیں کہ حضرت منصور نے چالیس سال روزہ رکھا، اور راتوں کو مسلسل عبادت کی، وہ بہت رویا کرتے تھے، ان کی ماں ان سے کہتیں کہ بیٹے! کیا تم نے کسی کو قتل کیا ہے؟ وہ فرماتے کہ جو کچھ میں نے کیا ہے، وہ میں جانتا ہوں، پھر جب صبح ہوتی، تو سر میں تیل لگاتے، آنکھوں میں سرمہ لگاتے، ہونٹوں کو تازگی بخشتے اور پھر نکلتے۔

(حوالہ بالا، ج:۶، ص:۱۹)

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ رونے کی وجہ سے ان کی بینائی متاثر ہوگئی تھی، (حوالہ بالا) نیز وہ فرماتے ہیں کہ کوفہ میں طویل ترین تہجد پڑھنے والے اپنے زمانے میں تین تھے طلحہ، زبیر اور عبدالجبار بن وائل، حضرت حمیدی نے پوچھا کہ اور منصور؟ فرمایا ہاں منصور کے یہاں رات ایک سواری تھی جب چاہتے، اس پر سوار ہوکر چل دیتے (مطلب یہ ہے کہ رات میں بکثرت عبادت کرتے تھے)

رهبان الليل ج:۱، ص:۳۸۴ بحوالہ صفوة الصفوة)

حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ اگر تم منصور کو نماز پڑھتے دیکھتے تو ان کی شدت گریہ وخشیت کی وجہ سے تمہیں گمان ہوتا کہ ابھی مرجائیں گے۔ (حوالہ بالا) لوگوں نے ایک مرتبہ ان کی والدہ سے پوچھا کہ رات میں حضرت منصور کا عمل کیا ہوتا ہے؟ کہنے لگیں کہ تہائی رات تلاوت قرآن کرتے ہیں، (نماز میں) تہائی رات روتے ہیں، اور تہائی رات دعا میں مشغول رہتے ہیں۔ (حوالہ بالا)

اللہ تعالیٰ ہمارے ان اکابر کی قبروں کو نور سے بھر دے، انھوں نے علم سیکھا، اور اس میں کامل ہوئے، عمل سیکھا اور اس میں باکمال ہوئے، خدا کی خشیت دل میں بسی تو نمونہ بن گئے۔ عبادت الٰہی کی اور بندگی کی معراج حاصل کی، دنیا سے اعراض کیا اور اسے بھول گئے، آخرت کی طرف رخ کیا، تو اس میں جذب ہوگئے۔

اسلاف کے نقش قدم پر اخلاف بھی بہت ہوئے۔ آج بھی ان کے نقوشِ قدم جگمگا رہے ہیں، چلنے والوں کو راستہ دکھا رہے ہیں، حوصلہ بڑھا رہے ہیں کہ اللہ تک پہونچنے کی راہیں اب بھی کھلی ہیں۔ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت منصور کا انتقال ۱۳۲ھ یا ۱۳۳ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً

☆☆☆☆☆

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ

المتوفی ۲۵۶ھ

امیر المومنین فی الحدیث سیدنا محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ الرحمہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں ہے، ان کی تصنیف کردہ ''الجامع الصحیح'' کا جو مقام و مرتبہ امت میں ہے، وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ اللہ کی کتاب قرآن کریم کے بعد سب سے صحیح اور معتبر کتاب یہی ہے۔ علم و فضل میں ان کو جو مقام اور مرتبہ حاصل ہے، اس کو اہل علم تو اہل علم، عام مسلمان بھی جانتے ہیں۔

اس علمی جلالت اور اس فضل و کمال کے ساتھ انھیں عبادت کا بھی بہت ذوق تھا، امام بخاری جس دور کے بزرگ تھے، اس دور میں یہ بات سوچی بھی نہ جاسکتی تھی کہ قرآن وحدیث کا کوئی عالم ہو، اور عبادت و عمل سے تہی دامن ہو۔

امام بخاری علیہ الرحمہ ۱۳ر شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے تھے، والد کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا۔ اس یتیمی کے ساتھ ایک ابتلاء میں اور پڑ گئے تھے، صغر سنی ہی میں ان کی بینائی جاتی رہی تھی۔ ان کی والدہ کو اس کا بڑا صدمہ تھا۔ وہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت رو رو کر بچے کی بینائی کیلئے دعائیں کرتی تھیں۔ ایک روز انھوں نے خواب میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت کی، وہ فرمارہے تھے کہ اے خاتون! اللہ نے تمہاری کثرتِ دعا کی وجہ سے تمہارے بچے کی بینائی لوٹا دی، صبح کو دیکھا تو وہ اللہ کے فضل سے بینا تھے۔ یہ کراماتی بینائی تھی، اور ماشاء اللہ اتنی اچھی تھی کہ مدینہ طیبہ میں روضۂ اطہر کے پاس بیٹھ کر چاندنی رات میں اپنی کتاب ''التاریخ الکبیر'' تصنیف فرمائی۔

صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ جب

رمضان شروع ہوتا، تو امام بخاری کے اصحاب رات میں ان کے پاس جمع ہوتے، وہ تراویح کی ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے اور اسی طرح قرآن ختم فرماتے، اور تہجد کی نماز میں تہائی سے زائد قرآن کی تلاوت کرتے اور ہر تیسری رات میں ختم کرتے، اور دن میں روزانہ ایک ختم پڑھتے، افطار کے وقت قرآن کریم کی آخری سورہ کی تلاوت کرتے، اور فرماتے کہ ہر ختم پر ایک دعا قبول ہوتی ہے۔

محمد بن ابی حاتم وراق فرماتے ہیں کہ جب میں ان کے ساتھ سفر میں ہوتا، تو گرمیوں کے علاوہ ہم لوگ ایک ہی کمرے میں رات گزارتے، میں انھیں دیکھتا کہ رات بھر میں پندرہ سے بیس مرتبہ تک اٹھتے، چراغ جلاتے، اور احادیث دیکھتے، کہیں نشان لگاتے، پھر سو رہتے۔

نماز میں ان کے انہماک کا یہ عالم ہوتا تھا کہ صاحب فتح الباری نے ان کے ایک شاگرد کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک روز دورانِ نماز بھڑ نے انھیں ۱۷ رجگہ ڈنک مارا، لیکن وہ نماز میں مشغول رہے، جب نماز سے فارغ ہوئے، تو فرمایا کہ دیکھو تو کیا چیز مجھے نماز میں ستا رہی تھی، دیکھا تو ایک بھڑ تھی جس کے ڈنک کی وجہ سے امام صاحب کے جسم پر ۱۷ رجگہ ورم ہو گیا تھا، مگر امام صاحب نے نماز نہیں توڑی۔

(الھدی الساری مقدمہ فتح الباری، ص: ٦٦٦)

امام صاحب کی نماز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز کا نمونہ تھی۔ ایک صحابی رات کی نماز میں سورۂ کہف کی تلاوت کر رہے تھے، کسی دشمن نے تیر مارا، ان کو لگا، انھوں نے نکال کر پھینک دیا۔ دوسرا مارا اور پھر تیسرا مارا۔ وہ نکال نکال کر پھینکتے رہے، مگر نہ نماز توڑی اور نہ تلاوت روکی۔ عبادت میں محبت کا انہماک ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کے یہ حضرات لذت چشیدہ تھے، قیامت گزر جائے، مگر ذوق عبادت میں خلل نہیں آتا تھا۔

ان کی راتیں ذوق عبادت، تحصیل علم اور ذوقِ دعا پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اوپر گزر چکا ہے کہ اپنی کتاب تاریخ کبیر روضۂ اطہر کے سامنے چاندنی رات میں لکھی ہے، اور

صحیح بخاری کے جتنے ابواب وتراجم ہیں، سب کے لکھنے میں انھوں نے التزام کر رکھا تھا کہ اول غسل کرتے، پھر دو رکعت نماز پڑھتے، پھر لکھتے۔

اخیر عمر میں حالات کچھ ایسے پیش آئے، کہ ان کی طبیعت لوگوں سے تنگ آ گئی، ایک رات تہجد کی نماز کے بعد انھوں نے دعا کی، **اللّٰھم ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک**، اے اللہ! زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی، مجھے اپنے پاس اٹھا لیجئے، اس دعا پر ایک ماہ کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ عید الفطر کی رات میں ۲۵۶ھ میں ان کا وصال ہو گیا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

انھیں جب دفن کیا گیا، تو ان کی قبر مبارک سے مشک جیسی خوشبو پھیلنی شروع ہوئی، لوگ ان کی قبر کی مٹی اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے۔ کئی دن تک یہ خوشبو پھیلتی رہی اور قبر مٹی سے خالی ہوتی رہی۔ لوگ قبر کو بھرتے رہے، پھر لوگوں نے اوپر سے لکڑی کا جال بنا کر قبر کو ڈھک دیا تب مٹی لے جانے کا سلسلہ بند ہوا۔

اللہ کی رحمتیں ان پر نازل ہوں، حدیث رسول کی خدمت کی اور بارگاہِ رسالت میں بڑا مرتبہ پایا، عبد الواحد بن آدم طواویسی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنے اصحاب کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہیں، میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا۔ میں نے عرض کیا حضرت! آپ یہاں کس لئے کھڑے ہیں؟ فرمایا کہ محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کا انتظار کر رہا ہوں۔

کئی روز کے بعد میں نے ان کے انتقال کی خبر سنی، معلوم کیا، تو ان کے انتقال کا وقت وہی تھا، جب میں نے خواب میں آنحضور ﷺ کی زیارت کی تھی۔ (**رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً**)۔ ۱۳؍ دن کم ۶۲؍ سال عمر شریف ہوئی۔

(الھدی الساری، ص: ۶۸۰)

☆☆☆☆☆☆

حضرت وکیع بن الجراح علیہ الرحمہ

المتوفی ۱۹۷ھ

حضرت وکیع بن الجراح، کوفہ کے رہنے والے، اکابر علماء واعاظم حفاظِ حدیث میں ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کے اساتذہ میں ہیں، ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے، اور صغرسنی ہی میں تحصیل علم میں مشغول ہوگئے۔ حضرت سفیان ثوریؒ کے تلامذہ میں ہیں، اور اس مرتبہ ومقام کے ہیں کہ خود استاذ نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے، اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ جوسن وسال میں ان سے بڑے اور مرتبہ مقام میں ان سے ممتاز ہیں، انھوں نے بھی ان سے روایت کی ہے، حضرت سفیان ثوری کے انتقال کے بعد ان کے جانشین یہی ہوئے۔

مشہور محدث اور ناقد حدیث حضرت یحییٰ بن معین ان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> ''ان کا اپنے عہد میں وہی مقام ہے، جو حضرت امام اوزاعی کا مرتبہ ان کے دور میں تھا''

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے وکیع سے بڑھ کر علم کا خزانہ اور اس کا حافظ نہیں دیکھا۔

امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء ج/۸، ص/۹۱ میں حضرت یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے وکیع سے بہتر کسی کو نہیں پایا، کسی نے سوال کیا، عبداللہ بن مبارک کو بھی نہیں؟ فرمایا عبداللہ بن مبارک کو بڑی فضیلت حاصل ہے، مگر میں نے وکیع سے افضل

نہیں پایا، وہ ہمیشہ قبلہ رُو بیٹھتے تھے، اور حدیث یاد کرتے تھے، قیامِ لیل میں مشغول رہتے، مسلسل روزہ رکھتے، اور امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے قول پر فتویٰ دیتے، ان سے انھوں نے بہت استفادہ کیا تھا۔

حضرت یحییٰ بن اکثم فرماتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں وکیع کے ساتھ رہا ہوں، وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور ہر رات قرآن ختم کرتے تھے۔

یحییٰ بن ایوب کہتے ہیں کہ مجھ سے وکیع کے بعض شاگردوں نے جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے تھے۔ بیان کیا کہ حضرت وکیع رات میں جب تک ایک تہائی قرآن کی تلاوت نہ کر لیتے، سوتے نہ تھے، پھر اخیر رات میں تہجد پڑھتے تھے، اس میں مفصلات کی تلاوت کرتے، پھر بیٹھ کر استغفار پڑھتے، تا آنکہ صبح صادق طلوع ہوتی۔

ان کے صاحبزادے ابراہیم فرماتے ہیں کہ ہمارے والد رات میں نماز میں مشغول ہوتے، پھر گھر کا ہر فرد نماز پڑھتا، یہاں تک کہ حبشی باندی بھی تہجد ادا کرتی۔

مشہور صوفی بزرگ حضرت احمد بن الحوازی فرماتے ہیں کہ میں جتنے لوگوں سے ملا ہوں، ان میں حضرت وکیع سے بڑھ کر کسی کو خاشع اور خاضع نہیں پایا۔

ان کے خشوع اور خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ حضرت یحییٰ بن معین فرماتے تھے کہ میں نے بارہا حضرت وکیع کو یہ کہتے ہوئے سنا أی یوم لنا من الموت ؟ موت سے ہمارے لئے کون سا دن ہوگا۔

میں نے دیکھا کہ ایک دن وہ کتاب الزہد پڑھ رہے تھے، جب ایک خاص حدیث پر پہونچے، تو کتاب بند کر دی، پھر اُٹھ گئے۔ اور حدیث کا درس نہیں دیا، دوسرے دن پھر وہی کتاب شروع کی، اور جب کل والی حدیث پر پہونچے، تو پھر کتاب بند کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے ایسا انھوں نے تین دن تک کیا، حضرت یحییٰ کے شاگرد عباس کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا وہ حدیث کیا ہے؟ فرمایا:

كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل

دنیا میں اس طرح رہو، جیسے تم اجنبی ہو یا بر سر راہ مسافر ہو۔

حضرت وکیع کے صاحبزادے سفیان اپنے والد کے روزانہ کے معمولات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

> ''میرے والد صبح سویرے طلبۂ علوم حدیث کو پڑھانے بیٹھ جاتے، یہ مجلس دوپہر کے قریب تک رہتی، ظہر سے پہلے کچھ دیر قیلولہ کرتے، ظہر کے بعد عوام الناس کے بعض طبقات کو ضرورت کے بقدر قرآن کریم کی تعلیم دیتے، عصر کے قریب تک یہ عمل جاری رہتا، عصر کی نماز سے فارغ ہوکر غروب آفتاب تک تلاوت قرآن اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے پھر گھر تشریف لاتے اور روزہ افطار کرتے، پھر رات کے اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاتے''۔

ہمارے اسلاف وقت کی قیمت کو پہچانتے تھے، ان حضرات نے اللہ کی بندگی بہتر سے بہتر کرنے میں اپنی جان کھپائی۔

حضرت علی بن خشرم کہتے ہیں کہ میں نے وکیع کے ہاتھ میں کوئی نوشتہ کبھی نہیں دیکھا، سب کچھ اپنے حفظ سے سناتے تھے، میں نے ایک مرتبہ ان سے قوت حفظ کی تدبیر پوچھی، فرمایا کہ اگر میں اس کی تدبیر اور دوا بتاؤں تو استعمال کروگے؟ میں نے عرض کی ضرور! فرمایا ترک گناہ! میں نے حفظ کے لئے اس سے مجرب دوا کوئی اور نہیں پائی۔

اس مضمون کے دو شعر حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب ہیں۔

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی فأوصانی الیٰ ترک المعاصی
فان العلم نور من الٰہٖ ونور اللہ لایعطیٰ لعاصی

ترجمہ: میں نے حضرت وکیع کی خدمت میں حافظہ کی خرابی کی شکایت کی، انھوں نے مجھے ترک گناہ کی تاکید کی اور فرمایا کہ علم اللہ کا ایک نور ہے، اور اللہ کا نور گنہگاروں کو نہیں ملا کرتا۔

مروان بن محمد طاطری کہتے ہیں کہ میں نے جتنے لوگوں کو دیکھا ہے، ان میں سب

سے زیادہ خاشع حضرت وکیع کو پایا۔ جتنے لوگوں کے اوصاف وکمالات مجھ سے بیان کئے گئے، دیکھنے کے بعد اس سے کمتر ملے، سوائے حضرت وکیع کے، وہ ان اوصاف وکمالات سے بڑھ کر ملے جتنا بیان کیا گیا تھا۔

حضرت وکیع کی بزرگی اور تقویٰ کی جلالت شان کا اثر ان کے بدن اور ان کے چہرے پر نمایاں تھا، مشہور امام حدیث حضرت ابوزُرعہ رازی فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوجعفر جمال فرماتے تھے کہ ہم لوگ حضرت وکیع کی خدمت میں ایک بار حاضر ہوئے، وہ تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے، وہ صاف کپڑے پہنے ہوئے تھے، ہماری نگاہ جب ان پر پڑی تو ان کے چہرے پر ایسا نور جگمگا رہا تھا کہ ہم متحیر ہوگئے، میرے پہلو میں ایک آدمی تھا، اس نے پوچھا، کیا یہ کوئی فرشتہ ہے؟ واقعی اس نور سے ہم حیرت میں پڑ گئے۔

حضرت وکیع کسی کا تذکرہ برائی سے کبھی نہیں کرتے تھے۔

حضرت وکیع کے صاحبزادے ملیح کہتے ہیں کہ انتقال کے قریب ایک مرتبہ میرے والد نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا بیٹے! میرے دونوں ہاتھ دیکھ رہے رہو، میں نے ان دونوں سے کسی کو نہیں مارا، ملیح کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ داؤد بن یحییٰ بن یمان سے بیان کیا، تو انھوں نے بتایا کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا حضرت! ابدال کون ہیں؟ فرمایا کہ جو لوگ اپنے ہاتھ سے کسی کو نہیں مارتے، اور بلاشبہ وکیع ابدالوں میں ہیں۔

حضرت وکیع کا وصال ۱۰؍محرم ۱۹۷ھ میں حج سے واپسی میں ہوا۔

(حضرت امام وکیع کا تذکرہ سیر اعلام النبلاء ج:۸، سے ماخوذ ہے)

☆☆☆☆☆

حضرت یحییٰ بن سعید القطان علیہ الرحمہ

المتوفیٰ ۱۹۸ھ

امام کبیر، امیر المومنین فی الحدیث یحییٰ بن سعید القطان البصری، حدیث اور نقد رجال میں ان کا جو پایہ ہے، محدثین کے درمیان معروف ہے، حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ بن سعید کے مثل نہیں دیکھا۔

امام ذہبیؒ نے حضرت یحییٰ بن سعید کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے علم حدیث کی تحصیل میں بڑا اہتمام کیا، اس کے لئے سفر کئے، اور اپنے معاصرین پر فوقیت لے گئے، حفظ حدیث کی انتہا کو پہونچے، علل اور رجال کے باب میں کلام کیا، ان کے درس سے بہت سے حفاظ اُٹھے، احکامِ فقہیہ میں جب انھیں نص نہ ملتی، تو امام ابوحنیفہؒ کے فتاویٰ کی پیروی کرتے۔

مشہور راوی حدیث جب حدیث کی روایت یحییٰ بن سعید سے کرتے تو یوں فرماتے **حدثنا یحییٰ بن سعید امام اھل زمانہ**، ہم سے یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی جو اپنے زمانے کے امام ہیں۔

حضرت یحییٰ بن سعید کے حافظے کا یہ عالم تھا کہ عبد الرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری جب بصرہ تشریف لائے، تو مجھ سے فرمایا کہ کسی آدمی کو لاؤ، جس سے میں علم کا مذاکرہ کروں، میں ان کے پاس یحییٰ بن سعید کو لے گیا، ان سے انھوں نے مذاکرہ کیا، جب اس سے وہ فارغ ہوئے، تو مجھ سے فرمایا، میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی آدمی کو لاؤ، تم تو شیطان کو لائے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس حفظ واتقان کے آدمی کو لائے تھے

جس کا حافظہ حیرتناک ہے۔

امام نسائیؒ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے سچے اور معتبر امانت دار، جو گویا اللہ کی طرف سے متعین تھے، تین ہیں۔ حضرت شعبہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت یحییٰ بن سعیدؒ۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ علم کی انتہاء تو چار آدمیوں پر ہوئی، عبداللہ بن مبارکؒ، وکیع بن الجراحؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، اور عبدالرحمٰن بن مہدیؒ، ان میں عبداللہ بن مبارک احادیث کے سب سے زیادہ جامع تھے، اور وکیع روایت بیان کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے، یحییٰ بن سعید میں اتقان بڑھا ہوا تھا، عبدالرحمٰن نقاد زبردست تھے، پھر فرمایا وکیع علم کے مخزن تھے اور عبادت گزاروں کی صف کے آدمی تھے۔

حضرت یحییٰ بن سعید اس علم وفضل کے ساتھ نہایت عبادت گزار اور خاشع اور خاضع تھے، وہ ہر روز ایک ختم قرآن پڑھا کرتے تھے، حضرت بندارؒ فرماتے ہیں کہ میں بیس سال حضرت یحییٰ کی خدمت میں حاضری دیتا رہا ہوں، مجھے کبھی یہ گمان نہیں ہوا کہ انھوں نے اللہ کی کوئی نافرمانی کی ہے، دنیا سے انھیں ذرا بھی تعلق نہیں تھا۔

حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ بیس سال تک حضرت یحییٰ بن سعید ہر رات میں قرآن پاک ختم کرتے رہے، اور فرماتے ہیں کہ چالیس سال تک مسجد میں زوال کا وقت ان سے کبھی فوت نہیں ہوا، یعنی وہ زوال کے وقت مسجد میں ہوتے، اور اس وقت نماز فیٔ زوال پڑھتے۔

قرآن کی تلاوت سے انھیں شدید تاثر ہوتا، دل پر خشیت کا بہت زیادہ اثر ہوتا۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰہِ یَھْدِیْ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ** (سورہ زمر، ۲۳) اللہ نے اتاری بہتر بات، ایک ایسی کتاب جو آپس میں ملتی ہوئی ہے، بار بار پڑھی جانے والی، وہ لوگ جو اپنے رب

سے ڈرتے ہیں، اس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے قلوب یادِ الٰہی میں نرم پڑ جاتے ہیں، یہ اللہ کی ہدایت ہے، جسے چاہتے ہیں، اس سے راستہ دکھاتے ہیں۔

حضرت یحییٰ بن سعید اس آیت کریمہ کے نمونہ تھے، چنانچہ حضرت علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ یحییٰ بن سعید کے پاس تھے، ایک آدمی نے سورہ دخان کی تلاوت کی، حضرت یحییٰ اتنے متاثر ہوئے کہ ان پر شدت تاثر سے بیہوشی طاری ہوگئی۔

حضرت علی بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ یحییٰ بن سعید کی خدمت میں حاضر تھے، جب آپ مسجد سے نکلے تو ہم بھی آپ کے ساتھ نکلے، اپنے دروازے پر پہونچ کر وہ کھڑے ہوگئے، اتنے میں ان کے پاس روبی پہونچ گئے۔ انھیں دیکھ کر فرمایا کہ اندر چلو، ہم سب ان کے گھر میں داخل ہوئے، روبی سے فرمایا کہ قرآن پڑھو، انھوں نے پڑھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت یحییٰ بن سعید کا رنگ بدل رہا ہے، جب وہ اس آیت پر پہونچے **اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ مِیْقَاتُھُمْ اَجْمَعِیْنَ** (سورہ دخان ۴۰) بیشک فیصلہ کا دن سب کا وقت مقرر ہے، تو ان کی چیخ نکل گئی، اور بیہوش ہوگئے، دروازہ قریب ہی تھا، وہ کچھ اس شدت سے تڑپے، کہ ان کی پیٹھ میں اس سے چوٹ لگ گئی، اور خون جاری ہوگیا۔ عورتیں چیخنے لگیں، ہم لوگ گھر سے باہر نکل گئے، اور دروازے پر اس وقت تک کھڑے رہے جب تک ان کو افاقہ نہیں ہوگیا، اس کے بعد ہم ان کے پاس پھر حاضر ہوئے تو وہ بستر پر لیٹے لیٹے مذکورہ آیت دہرا رہے تھے، یہی زخم ان کی موت کا سبب بنا۔

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ ان کی اس کیفیت کے بارے میں فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص اس کیفیت کے دفع کرنے پر قدرت رکھتا، تو حضرت یحییٰ ضرور اس کو دفع کر دیتے، لیکن یہ خشیت کی شدت میں بے اختیارانہ کیفیت تھی۔

ان کے پوتے حضرت احمد بن محمد کہتے ہیں کہ میرے دادا نہ تو کسی سے ہنسی کرتے تھے، نہ کبھی قہقہہ لگاتے، اور نہ کبھی بجز تبسم کے ہنستے تھے۔

اور سادگی اس حد تک تھی کہ دیکھنے والا اجنبی انھیں عالم نہ سمجھتا، بس یہ معلوم ہوتا کہ کوئی تجارت پیشہ آدمی ہیں، لیکن جب بات کرتے تو فقہاء بھی غور سے سنتے، یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ وہ تسبیح لے کر آتے مگر کپڑوں میں چھپا کر پڑھتے۔

حضرت یحییٰ کی وفات صفر ۱۹۸ھ میں ہوئی، کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ایک کرتا پہنے ہوئے ہیں، اور دونوں مونڈھوں کے درمیان میں لکھا ہوا ہے:

﷽ كتاب من الله العزيز العليم برأة ليحيىٰ بن سعيد القطان من النار۔

یہ اللہ کا نوشتہ ہے، جو غلبہ والا، علم والا ہے، کہ یحییٰ بن سعید قطان کے لئے جہنم سے نجات ہے۔

حضرت علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں خالد بن حارث کو دیکھا، پوچھا کہ اللہ نے کیا معاملہ فرمایا۔ کہنے لگے معاملہ سخت تھا، مگر اللہ نے میری مغفرت فرمادی، میں نے پوچھا یحییٰ بن سعید قطان کے ساتھ کیا ہوا، کہنے لگے ہم انھیں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے آسمان کے اُفق پر رَوشن ستارہ دکھائی دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ

المتوفی ۱۹۸ھ

حضرت وکیع بن الجراح اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان کے ہم عصر اور ہم رتبہ، ایک بزرگ شخصیت، علم و عمل کے نمونہ کامل، علم حدیث کے بے مثال ماہر، حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ تھے، ان کی ولادت ۱۳۵ھ میں ہوئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ، اس فن میں ان کے پائے کا اور کوئی عالم میں نہیں جانتا۔

بعض علماء نے انھیں حضرت وکیع بن الجراح اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان پر ترجیح دی ہے، علمی شغف کا حال یہ تھا کہ امام ابوداؤدؒ نے فرمایا کہ حرم میں عشاء کے وقت حضرت وکیع اور عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کی ملاقات ہوئی، تو دونوں علم حدیث کے مذاکرے میں صبحِ صادق تک وہیں کھڑے رہے۔

حضرت علی بن مدینی سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے قسم لی جائے، تو میں حجر اسود اور رُکن یمانی کے درمیان قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے عبدالرحمٰن بن مہدیؒ سے بڑا حدیث کا عالم نہیں دیکھا۔

علم و فضل کے ساتھ عبادت و ریاضت میں بھی ان کا وہی حال تھا، جو ان کے معاصر حضرت وکیع بن الجراح اور حضرت یحییٰ بن سعید قطان کا تھا۔ ان کے بیٹے یحییٰ کا بیان ہے کہ میرے والد پوری رات نماز پڑھا کرتے تھے، ایک رات کو حسب معمول رات بھر نماز پڑھا کئے، صبح صادق ہوئی تو تھک گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے خود کو بستر پر ڈال دیا، ان

کی آنکھ لگ گئی۔ اور سورج طلوع ہوگیا۔ فجر کی نماز قضا ہوگئی، انھوں نے طے کرلیا، کہ دو ماہ تک اپنے درمیان اور زمین کے درمیان کوئی بستر نہیں ڈالیں گے، اس مجاہدے میں ان کی دونوں رانوں میں زخم نکل آئے تھے، مگر انھوں نے اپنا یہ مجاہدہ قائم رکھا۔

علی بن مدینی کہتے ہیں کہ عبد الرحمٰن کا معمول ہر رات نصف قرآن پڑھنے کا تھا، ہر دوسری رات ختم کرلیا کرتے تھے، علی بن مدینی ہی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد الرحمٰن بن مہدیؒ کی اہلیہ کی خدمت میں ایک دن حاضر ہوا............ ان کی وفات کے بعد میں ان کی خدمت میں کبھی کبھی حاضر ہوتا تھا............ میں نے دیکھا کہ قبلہ کی جانب ایک جگہ کچھ سیاہ نشان ہے، میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا کہ عبد الرحمٰن کے آرام کرنے کی جگہ ہے، رات کو وہ نمازیں پڑھتے تھے، کبھی نیند کا غلبہ ہوتا، تو اپنی پیشانی یہیں رکھ لیتے تھے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن مہدیؒ کہا کرتے تھے کہ آدمی جس دن اپنے سے بڑے عالم سے ملے، تو وہ اس کے لئے غنیمت اور فائدے کا دن ہے، اور جب اپنے سے برابر سے ملے، تو اس سے مذاکرہ کرلے اور اس سے کچھ سیکھے، اور جب اپنے سے چھوٹے سے ملے، تو اس سے تواضع کا برتاؤ کرے اور اسے کچھ سکھائے، اور جو شخص ہر سنی ہوئی بات بیان کردے وہ امام نہیں ہوسکتا، اور ایسے ہی وہ بھی امام نہیں ہوسکتا، جو ہر ایک سے روایت لے اور نہ وہ جو شاذ حدیثیں بیان کرے، اور حفظ پختگی کے لئے ہے۔

جمادی الاخریٰ ۱۹۸ھ میں وصال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً

(ماخوذ از سیر أعلام النبلاء، جلد ۸)

☆☆☆☆☆

حضرت معروف کرخیؒ

المتوفیٰ ۲۰۰ھ

امام ذہبیؒ نے ان کے بارے میں ’’علم الزهاد ‘‘اور’’ برکة العصر ‘‘ لکھا ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ بڑے عابد وزاہد تھے، ان کے والدین عیسائی تھے، حضرت معروف تعلیم کے لئے ایک عیسائی کے حوالے کئے گئے ، وہ انھیں تثلیث کی تعلیم دیتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تین خداؤں میں ایک ہیں ، وہ کہتے کہ نہیں اللہ ایک ہے، اس پر وہ انھیں مارتا تھا، اور وہ بھاگ جاتے تھے، اللہ نے ابتدا ہی سے قلب سلیم عطا فرمایا تھا۔ بالآخر دین حق کی آغوش میں آ گئے۔

حضرت معروف کرخیؒ زہد وقناعت میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے، حق تعالیٰ کی معرفت ومحبت میں فنا تھے، خوف وخشیت کے پیکر تھے۔

ابوبکر بن ابی طالب کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت معروف کرخیؒ کی مسجد میں مَیں آیا، وہ بھی تشریف لائے ، انھوں نے سلام کیا اور دعائیں دیں۔ اس کے بعد انھوں نے اذان شروع کی، تو خشیت کی وجہ سے ایک اضطرابی کیفیت ان پر طاری ہوگئی، جب أشهد أن لا إله إلا الله پر پہونچے تو کانپنے لگے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ، مجھے اندیشہ ہوا کہ اذان پوری نہ کرسکیں گے، اور اتنا جھک گئے کہ جیسے گر جائیں گے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج، ۸۔ ص: ۳۶۴)

حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی خدمت میں کسی نے حضرت معروف کرخیؒ

کا تذکرہ چھیڑا۔ اس پر کسی نے کہا کہ کم علم ہیں۔ فرمایا ٹھہرو، آخر علم کا مقصود و منتہا اس کے علاوہ کیا ہے، جو معروف کو حاصل ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۲۱۷)

یعنی معرفت الٰہیہ اور خوف وخشیت کا جو مرتبہ معروف کرخی کو حاصل ہے، علم کا مقصود تو وہی ہے، پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ معروف کم علم ہیں؟ کیا علم صرف کثرت معلومات کا نام ہے، حضرت معروف کرخیؒ کی عظمت محدثین وعلماء میں مسلّم تھی۔

اسمٰعیل بن شداد مقری فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ کئی آدمی مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا، کہاں کے رہنے والے ہو؟ ہم نے کہا بغداد کے، فرمایا ان بڑے عالم (حبر) کا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا کون؟ فرمایا معروف کا، وہ جب تک تمہارے درمیان ہیں، تم لوگ خیر کے ساتھ رہو گے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج، ۸۔ ص:۳۱۰)

حضرت معروف کرخیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے روزہ رکھنے کا کیا دستور ہے؟ حضرت معروف نے اس سوال کو ٹال دیا۔ اور فرمایا کہ ہمارے نبی ﷺ اس اس طرح روزہ رکھتے تھے، اس نے پھر اصرار کیا، تو فرمایا میں ہمیشہ روزہ کی حالت میں صبح کرتا ہوں، لیکن اگر کوئی کبھی کھانے کے لئے بلاتا ہے، تو کھالیتا ہوں، اس سے یہ نہیں کہتا کہ روزہ دار ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۲۱۷)

ایک بار حجام ان کی مونچھیں تراش رہا تھا، اور یہ برابر ذکر کئے جارہے تھے، اس نے کہا کہ میں اس حالت میں کیسے کام کروں؟ فرمایا تم ایک کام کررہے ہو، میں بھی ایک کام کررہا ہوں، (مطلب یہ ہے کہ تمہارا کام ہو، اور میرا کام نہ ہو، یہ نہیں ہوسکتا)

ایک بار بڑھاپے میں تہجد کی نماز کے وقت بہت سوز و درد کے ساتھ یہ شعر پڑھ رہے تھے،

ما تضر الذنوب لو أعتقتنی رحمۃ لی فقد علا نی المشیب

اے اللہ! اگر میرے اوپر مہربانی فرما کر مجھے جہنم سے آزاد فرمادیں، تو گناہوں

سے مجھے کیا نقصان؟ دیکھئے میرے اوپر سفیدی غالب آرہی ہے۔

محمد بن منصور طوسی کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت معروف کرخی کی خدمت میں بیٹھا تھا، انھوں نے شاید دس ہزار مرتبہ **واغوثاہ، یا اللہ** (اے میرے فریادرس، اے اللہ!) کہا ہوگا، اور انھوں نے اس آیت کی تلاوت کی: **اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ**، (الانفال:۹) جب تم اپنے رب سے فریاد کررہے تھے، پس اس نے تمہاری فریاد سن لی۔

حضرت معروف کرخی کے اقوال وارشادات بہت مؤثر اور نافع ہیں، دل سے نکلے ہوئے ہیں، اس لئے دل پر اثر کرتے ہیں، چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں۔

فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اس کے لئے عمل کا دروازہ کھول دیتے ہیں، اور جدل (بحث ومباحثہ) کا دروازہ بند کردیتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ شر کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اس کے لئے عمل کا دروازہ بند کردیتے ہیں، اور جدل (بحث ومباحثہ) کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔

فرمایا: جب تم جانتے ہی نہیں کہ کس طرح (گناہوں سے) بچا جاتا ہے، تو کیسے بچ سکتے ہو، جب بچنے کا طریقہ ہی معلوم نہیں تو سود بھی کھالوگے، اور عورت سامنے آئے گی، تو اپنی نگاہ بھی نہیں جھکاؤ گے اور مارکاٹ بھی کرلوگے۔

فرمایا: جو اللہ پر توکل کرے گا، اللہ اس کی حفاظت فرمائیں گے، جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا، اللہ اسے اونچا اُٹھائیں گے، اور بندے کا لایعنی کلام میں مبتلا ہونا، اللہ کی توفیق سے محرومی کی علامت ہے۔

فرمایا: اللہ پر بھروسہ کرو، وہ خود تمہارے معلم، تمہارے مونس وغمخوار ہوجائیں گے۔ اور چاہئے کہ موت کی یاد تمہاری ہمنشیں ہو، تم سے کبھی جدا نہ ہو، اور خوب سمجھ لو کہ جو بھی مصیبت تم پر آئے اس سے شفا، اس کو چھپانا ہے، اس لئے کہ لوگ نہ تمہیں نفع پہونچا سکتے، نہ نقصان، اور نہ روک سکتے، نہ دے سکتے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج،۸۔ص:۳۶۰)

فرمایا: کہ آدمی جب رات میں بیدار ہو اور یہ دعا پڑھے، **سبحان اللہ والحمد**

لله ولا إله إلا الله واستغفر الله ، اللهم إني أسئلک من فضلک ورحمتک فإنهما بيدک لايملكهما أحد سواک ۔ تو اللہ تعالیٰ جبرئیل سے فرماتے ہیں، اے جبرئیل میرے بندے کی حاجت پوری کرو۔ (حلیۃ الاولیاء، ج، ۸۔ ص:۴۱۰)

حضرت معروف کرخی بڑے مستجاب الدعوات تھے، صاحب حلیۃ الاولیاء نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ خلیل صیاد کا بچہ محمد کہیں گم ہو گیا۔ اس کی ماں بہت بیقرار ہوئی، خلیل نے حضرت معروف سے ذکر کیا، اور اس کی ماں کی گھبراہٹ بیان کی، اور دعا کی درخواست کی، حضرت معروف نے ان الفاظ میں دعا کی۔

اللهم إن السماء سماءک والارض أرضک ومابينهما لک فأت به

اے اللہ! آسمان بھی آپ کا آسمان ہے، اور زمین بھی آپ ہی کی زمین ہے، اور دونوں کے درمیان بھی جو کچھ ہے وہ آپ ہی کا ہے، آپ اس بچے کو لے آیئے۔

خلیل کہتے ہیں کہ میں شامی دروازے کی طرف گیا، تو دیکھا کہ میرا بیٹا محمد وہاں حیران کھڑا ہے، میں کہا محمد؟ اس نے کہا ابا! میں ابھی انبار میں تھا۔

(حلیۃ الاولیاء، ج، ۸۔ ص:۴۰۶)

حضرت معروف کرخی بڑے صاحب کرامت بزرگ تھے، علامہ ذہبی نے چند کرامتیں نقل کی ہیں۔

ایک شخص نے حضرت معروف سے پوچھا کہ سنا ہے آپ پانی پر چلتے ہیں، فرمایا: کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا ہے، البتہ جب میں کسی دریا کو عبور کرنا چاہتا ہوں، تو دونوں کنارے میرے لئے سمیٹ کر اکٹھا کر دئے جاتے ہیں، اور میں قدم بڑھا کر اسے پار کر لیتا ہوں۔

حضرت معروف کرخی کا انتقال ۲۰۰ھ میں ہوا۔ ابوبکر خیاط کہتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک قبرستان میں داخل ہوا، دیکھا کہ سب قبر والے اپنی اپنی قبروں پر بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کے ساتھ خوشبودار پھول ہیں، اور حضرت معروف کرخی کو دیکھا وہ ان لوگوں کے درمیان ٹہل رہے ہیں، میں نے دریافت کیا

کہ حضرت! آپ کے ساتھ رب تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا؟ کیا آپ کا انتقال نہیں ہو چکا ہے؟ فرمایا، ہاں کیوں نہیں، پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

موت التقی حیاة لا تفاولها قد مات قوم وهم فی الناس أحياء

متقی کی موت، ایک ایسی زندگی ہے، جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اور ایک قوم ایسی ہے، جو لوگوں کے درمیان بظاہر زندہ ہے مگر حقیقت میں مرچکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پاک روحوں پر نازل ہوں۔

☆☆☆☆☆

حضرت منصور بن زاذانؒ

المتوفی ۱۳۱ھ

امام ربانی، زین القراء حضرت منصور بن زاذان مشہور قاری ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت آسان فرمادی تھی، مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے، تابعین میں حضرت حسن بصری اور محمد بن سیرین رحمہما اللہ سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حضرت منصور بن زاذان ثقہ اور حجت ہیں، قرآن کریم کی تلاوت سرعت کے ساتھ کرتے تھے، ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے میں انھیں بہت تکلف ہوتا تھا، چاشت کی نماز میں ایک ختم پڑھ لیتے تھے۔

حضرت یزید بن ہارون فرماتے ہیں کہ حضرت منصور بن زاذان چاشت کی نماز میں پورا قرآن پڑھ لیا کرتے تھے اور ظہر سے عصر تک ایک ختم پڑھتے تھے، دن میں دوبار قرآن کریم ختم کرتے تھے، اور پوری رات نماز پڑھا کرتے تھے۔

ہشام بن حسان فرماتے ہیں کہ حضرت منصور مغرب اور عشاء کے درمیان دو مرتبہ پورے قرآن کی تلاوت کرتے تھے، اور تیسری مرتبہ اس سورہ تک پہونچتے تھے جس کے آغاز میں طس ہے، (یعنی سورۃ النمل) اوران کا عمامہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا تھا۔

حضرت شعبہ، ہشام بن حسان سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے منصور بن زاذان کے پہلو میں مغرب وعشاء کے درمیان نمازیں پڑھیں، حضرت منصور نے اتنے وقت میں پورا قرآن ختم کیا، اور دوبارہ سورۃ النمل تک پہونچے۔

حضرت منصور کا انتقال ۱۳۱ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج: ٦، ص: ۴۲۴، تہذیب حلیۃ الاولیاء ج: ۱، ص: ۴۴۹)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت منصور بہت تھوڑے وقت میں پورے قرآن کریم کی تلاوت کرلیا کرتے تھے، بظاہر یہ ایک حیرت ناک بات ہے، اور جو لوگ اسباب دنیوی کے پابند ہیں، عجب نہیں کہ اس کا انکار کردیں، مگر بڑے بڑے ائمہ دین نے اسے نقل کیا ہے، اور صرف ایک حضرت منصور کے بارے میں نہیں، تلاش کیا جائے تو امت میں سینکڑوں کی تعداد ایسے بزرگوں کی نکلے گی جنھوں نے تھوڑے وقت میں پورے قرآن کریم کی تلاوت کی ہے، اور ایسے تو بے شمار اصحاب نکلیں گے، جنھوں نے تھوڑے اوقات میں بہت بڑے بڑے کام کئے ہیں، کسی نے تھوڑی مدت میں بہت لکھا، کسی نے بہت پڑھا، یہ خود لکھنے پڑھنے کا ایک زبردست موضوع ہے۔ یہ درحقیقت نصرتِ الٰہی ہے، مال میں برکت، وقت میں برکت، پڑھنے میں برکت لکھنے میں برکت، کھانے میں برکت، غرض زندگی میں اور زندگی کی ہر ہر شان میں برکت، خاص رحمت الٰہی ہے، جو اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت ونصرت، کسی حسابی پیمانے اور اعداد وشمار کی تابع نہیں ہے۔ اس برکت ونصرت سے صرف نظر کرنے اور محض اسباب مادی میں پھنسی ہوئی عقل کے بل بوتے پر اس طرح کے واقعات کا انکار بے توفیقی اور محرومی کی بات ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت طاؤس بن کیسانؒ

المتوفیٰ ۱۰۶ھ

حضرت طاؤس بن کیسان بڑے درجے کے تابعین میں ہیں، حضرت زید بن ثابت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے تلامذہ میں ہیں، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں مدتوں رہے، ان کے بڑے شاگردوں میں ان کا شمار ہے۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ اہل یمن کے عبادت گزاروں میں، اور سادات تابعین میں ہیں، بڑے مستجاب الدعوات تھے، چالیس حج انھوں نے کئے تھے۔

وہ بڑے عبادت گزار اور تہجد کے پابند بزرگ تھے، مشہور محدث حضرت عبدالرزاق نے داؤد بن ابراہیم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک بار سفر حج میں، رات کے وقت ایک راستے میں شیر کھڑا ہوا تھا اس کی وجہ سے راستہ جام ہوگیا، اور لوگوں کا ہجوم ہوگیا، جب رات کا آخری حصہ ہوا، تو شیر چلا گیا، لوگ چونکہ رات بھر جاگتے رہ گئے تھے، اس لئے سواریوں سے اتر اتر کر سونے لگے، لیکن حضرت طاؤس نماز کے لئے کھڑے ہوگئے، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ نہیں سوئیں گے؟ فرمایا رات کے آخری حصے میں کوئی سوتا ہے؟

ایک بار رات کے آخری حصے میں حضرت طاؤس ایک شخص کی تلاش میں نکلے، لوگوں نے کہا وہ سو رہا ہے، فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس وقت کوئی سوتا ہوگا۔

ابن ابی روّاد فرماتے ہیں کہ میں نے طاؤس اور ان کے اصحاب کو دیکھا ہے کہ

جب وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو قبلہ رُو بیٹھے رہتے، اور کسی سے بات نہ کرتے اور دعا میں گریہ وزاری کرتے رہتے۔

حضرت طاؤس، جہاں بہت بڑے عالم ومحدث تھے، صاحب عبادت وریاضت تھے، وہیں امراء وحکام سے بے نیاز تھے، خدا پر ان کا توکل کامل تھا، حضرت عطا ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ حضرت طاؤس ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے، اور مجھ سے فرمایا کہ اے عطا! خبردار اپنی ضروریات ایسے لوگوں کے پاس ہرگز نہ لیجاؤ، جنھوں نے اپنا دروازہ تمہارے سامنے بند کر رکھا ہے، اور پردہ ڈال رکھا ہے، تم اپنی ضروریات اس ذات سے طلب کرو، جس نے اپنا دروازہ قیامت تک تمہارے واسطے کھول رکھا ہے، اور اسی لئے تمہیں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور قبول کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے بیان کیا کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا ایک شہزادہ آیا، اور حضرت طاؤس کے پہلو میں بیٹھ گیا، حضرت طاؤس نے اس کی طرف سرے سے التفات نہیں فرمایا، بعد میں ان سے کہا گیا کہ امیر المومنین کا بیٹا آیا، اور آپ نے اس کی طرف التفات نہیں کیا، فرمایا کہ اس لئے تاکہ وہ جان لے کہ ایسے بھی بندے ہیں جو ان سے اور ان کے اموال سے بے نیاز ہیں۔

ایک بار حضرت طاؤس نماز پڑھ رہے تھے، صبح کا وقت تھا، ٹھنڈک شدید تھی، بادل چھائے ہوئے تھے، حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف کا ادھر سے گزر ہوا، حضرت طاؤس سجدے کی حالت میں تھے، اس نے حکم دیا اور ایک موٹا گرم جبہ ان پر ڈال دیا گیا، انھوں نے دیر کے بعد سر اٹھایا، اور نماز سے فارغ ہوئے تو اس بیش قیمت جبہ کو دیکھا، انھوں نے اسے جھٹک دیا، اور اس کی طرف دیکھا بھی نہیں، اور گھر کو چل دئے۔

حضرت طاؤس کی وفات ۱۰۶ھ میں ہوئی

کلمات حکمت :۔ حضرت طاؤس نے فرمایا کہ اپنی ذات کیلئے علم حاصل کرو، کیونکہ لوگوں سے امانت رُخصت ہوگئی ہے۔

ابوعبداللہ شامی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طاؤس کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی، مجھے کچھ پوچھنا تھا، تو ایک بوڑھے بزرگ باہر نکلے، میں نے سمجھا کہ یہی طاؤس ہیں، انھوں نے کہا کہ نہیں میں ان کا بیٹا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کے والد سٹھیا گئے ہوں گے، انھوں نے کہا تم یہ کہتے ہو، عالم سٹھیاتا نہیں ہے، میں ان کے پاس داخل ہوا۔ انھوں نے فرمایا، پوچھو اور مختصر پوچھو، اور اگر چاہو تو میں اسی مجلس میں قرآن، توریت اور انجیل سب کچھ سکھا دوں۔ میں نے کہا اگر سب کچھ سکھا دیں، تو میں کچھ نہ پوچھوں گا۔ فرمایا:

(۱) اللہ سے اس طرح ڈرو کہ اس سے زیادہ تمہیں کسی کا ڈر نہ ہو۔

(۲) اور جتنا اس سے ڈرتے ہو، اس سے زیادہ اس کی رحمت کی امید رکھو۔

(۳) اور لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔

فرمایا کہ بخل یہ ہے کہ آدمی اپنے مال میں کنجوسی کرے، اور شُح یہ ہے کہ دوسروں کے مال پر قبضہ کرنا چاہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:۵۲۳)

فرمایا: بیٹا! عقلمندوں کی صحبت میں رہو، انھیں کی طرف منسوب ہو گے، گو کہ ان میں سے نہ ہو گے، اور جاہلوں کی صحبت میں نہ رہو کہ انھیں کی طرف منسوب ہو جاؤ گے، گو کہ ان میں نہ ہو گے، اور خوب سمجھ لو کہ ہر شے کی ایک غایت ہوتی ہے، اور آدمی کی غایت حسن اخلاق ہے۔ (تہذیب حلیۃ الاولیاء، ج:۲، ص:۳۱)

☆☆☆☆☆

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ

المتوفیٰ ۲۹۷ھ

وہ حضراتِ صوفیہ کے شیخ ہیں، ۲۲۰ھ کے کچھ بعد پیدا ہوئے، حضرت ابوثور کی خدمت میں علم فقہ میں مہارت حاصل کی، حضرت سری سقطی کے فیض صحبت سے درجۂ کمال کو پہونچے، حضرت حارث محاسبی سے بھی فیض حاصل کیا، علم میں پختگی حاصل کی، پھر عبادت وریاضت اور اشغال ومجاہدات میں مصروف ہوئے، اور حکمت کی باتیں ان کی زبان پر جاری ہوئیں، لیکن ان کی روایات کم ہیں۔

ابن منادی کہتے ہیں کہ انھوں نے بکثرت محدثین سے حدیثیں سماعت کی ہیں، اور حضرات صلحاء کی خدمت میں رہے ہیں، ذہانت وذکاوت سے خوب بہرہ ور تھے، درستیٔ جواب میں بے مثل تھے، ان کے زمانے میں پاکیزگی اور دنیا سے بے رغبتی میں ان جیسا کوئی نہیں دیکھا گیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ بڑے عبادت گزار بزرگ تھے، ابتداءً وہ بازار میں کاروبار بھی کرتے تھے، مگر اس وقت ان کا یہ حال تھا کہ ہر روز دکان میں تین سو رکعت نماز پڑھتے، اور تسبیحات تو ہزاروں ہزار۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۱۵۳)

بلکہ امام ذہبیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت جنید اپنی دکان کھولتے، اور اندر پہونچ کر پردہ گرا لیتے اور چار سو رکعت نماز پڑھتے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۱۵۴)

حضرت جنید بغدادیؒ مشائخ صوفیہ میں مرکزی مقام کے مالک تھے، ان کا علم ان کا عمل اور ان کا حال تمام طبقات اہل علم واہل تصوف میں مسلم تھا، بعض مشائخ نے فرمایا کہ

ہم نے اپنے بزرگوں میں کسی کو سوائے جنید کے نہ پایا، جس کیلئے علم اور حال دونوں بدرجۂ اتم جمع ہوئے ہوں، ان کا حال بھی بلند تھا، اور علم بھی فراواں تھا، ان کے حال کو دیکھو تو علم سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا، اور جب وہ علوم پر گفتگو کرتے، تو حال سے فزوں تر معلوم ہوتا۔

ان کی مجلس نہایت بلند پایہ ہوتی، گفتگو علم وعقل سے لبریز ہوتی، فصاحت وبلاغت میں بے مثال تھے، علوم عقلیہ ونقلیہ میں انھیں مہارتِ کاملہ حاصل تھی۔

ابوالقاسم کعبی کہتے ہیں کہ میں نے بغداد میں تمہارے ایک شیخ کو دیکھا، جنھیں جنید کہا جاتا ہے، میری آنکھوں نے ان جیسا بلند مرتبہ بزرگ نہیں دیکھا، اہل تصنیف یعنی فصحاء وبلغاء ان کی خدمت میں ان کی عبارت اور ان کی تقریر کی وجہ سے حاضر ہوتے، فلاسفہ ان کی دقیقہ رسی کی وجہ سے ان کی مجلس میں شریک ہوتے، متکلمین ان کے زورِ علم کی وجہ سے باریاب ہوتے، ان کا کلام عام عقول اور فہم سے بلند تر ہوتا۔

حضرت جنید اکثر فرماتے کہ ہمارا علم یعنی تصوف، کتاب وسنت سے ماخوذ ومنضبط ہے، اگر کسی نے کتاب اللہ حفظ نہیں کی، اور حدیث رسول ﷺ نہیں لکھی، اور فقہ میں مہارت حاصل نہیں کی، تو وہ لائق اقتداء نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۱۵۴)

ابومحمد جریری فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید بغدادیؒ کو سنا، فرما رہے تھے کہ ہم نے تصوف کو قیل وقال سے نہیں حاصل کیا، بلکہ بھوک سے، ترکِ دنیا سے، اور قطع عادات ومالوفات سے حاصل کیا۔

امام ذہبیؒ نے حضرت جنید کے اس قول پر لکھا ہے کہ یہ عمدہ بات ہے، اس سے مراد اکثر عادات ومالوفات کو منقطع کرنا، اور فضول دنیا کو ترک کرنا، اور اعتدال کے ساتھ خالی پیٹ رہنا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ نفس وطبیعت کی تمام مانوس چیزوں کو ختم کردیا جائے، اور دنیا سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلی جائے کہ نہ اہل وعیال سے مطلب رہے، اور نہ کھانے اور سونے سے، سعادت کی بات یہ ہے کہ آدمی سنت پر قائم رہے، روزہ بھی رکھے، افطار بھی کرے، سوئے بھی اور رات کو جاگ کر عبادت بھی کرے، کھانے پینے میں

احتیاط اختیار کرے اور اللہ نے جو کچھ مقدر کر دیا ہے، دل سے اس پر راضی رہے، اور اکثر خاموش رہے، بولنا ہو تو اچھی بات ہی بولے ورنہ سکوت میں رہے۔
(سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۱۵۵)

راقم عرض کرتا ہے کہ امام ذہبیؒ کا فرمان برحق ہے، انھوں نے صرف کھانے کو نہیں فرمایا ہے، روزہ رکھنے کو کہا ہے، صرف سونے کی تلقین نہیں کی ہے، راتوں کو جاگ کر نماز پڑھنے کی تلقین کی ہے، لقمہ میں احتیاط کی تاکید کی ہے، زیادہ تر خاموش رہنے کو بتایا ہے، ہر وقت تقریر کرنے اور مجلس کرنے کو نہیں کہا ہے، تصوف اور طریقت کا حصول اسی طریقے سے ہوتا ہے۔

ابن نجید کہتے ہیں کہ، تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کیلئے کوئی چوتھا نہیں ہے، یعنی ان کا مثل کوئی نہ تھا، بغداد میں حضرت جنید، نیشاپور میں ابوعثمان حیری اور شام میں ابوعبداللہ بن الجلاّء۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۱۱، ص:۱۵۵)

حضرت جنید بغدادی جہاں علوم ومعارف میں بلند مقام رکھتے تھے، وہیں عبادت وریاضت میں وہ ایک نمونہ تھے، ان حضرات کے دن اگر فیضان تعلیم وتربیت میں بسر ہوتے تھے، تو راتیں اللہ کے حضور رکوع وسجود میں گزرتی تھیں۔

محمد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید بغدادی کو خواب میں دیکھا، میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ فرمایا؟ فرمایا:

> طاحت تلک الاشارات وغابت تلک العبارات وفنیت تلک العلوم ونفدت تلک الرسوم وما نفعنا إلا رُکَیعاتٍ کنا نرکعها فی الأسحار۔ وہ اشارات اُڑ گئے، وہ عبارتیں غائب ہوگئیں، وہ علوم فنا ہوگئے، وہ رسوم مٹ گئے، اور ہم کو اگر نفع دیا تو ان چند رکعتوں نے جو ہم بوقت سحر پڑھا کرتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج:۱۰، ص:۲۷۶)

ان عبادات کی اہمیت حضرت جنید کے نزدیک کیا تھی، اس کی وضاحت ان کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے، ایک بار حضرت جنید بغدادی ان لوگوں کا تذکرہ کر رہے تھے،

جنھیں اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ انھیں کرامتوں اور خوارق عادت سے نوازتے ہیں، اور وہ اس کے بعد بھی اوراد و عبادات کا اہتمام کرتے ہیں، اس تذکرے کے ذیل میں فرمایا کہ:

عارفین کے حق میں عبادت، بادشاہوں کے سروں پر تاج سے بدرجہا بہتر ہے۔

اتباع سنت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> مخلوق خدا پر تمام راہیں بند ہیں، سوائے اس کے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کی، اور آپ کی سنت کا اتباع کیا، اور آپ کے طریق کو لازم پکڑا، کیونکہ بھلائیوں کے تمام دروازے آپ پر کھلے ہوئے ہیں۔ (حوالا بالا)

وفات: صاحب حلیۃ الاولیاء ابونعیم اصفہانی، امام دارمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر عطوفی کہتے ہیں کہ میں حضرت جنید کے انتقال کے وقت ان کے پاس تھا، انھوں نے مرنے سے پہلے پورے قرآن کی تلاوت کی، اس کے بعد ستر آیتیں اور پڑھیں، پھر ان کا انتقال ہوا۔

ایک اور صاحب ابوبکر عطار کے حوالے سے امام اصفہانی سے نقل کرتے ہیں، کہ میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت جنید کے انتقال کے وقت حاضر تھا، وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، اور سجدہ میں جاتے وقت اپنا پاؤں موڑتے تھے، اسی میں مشغول تھے کہ، ان کے پاؤں سے روح نکل گئی، اب حرکت ان کے لئے مشکل ہوگئی، انھوں نے اپنے پاؤں پھیلا دیئے، ان کے پاؤں متورم تھے، حاضرین میں سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا اللہ کا احسان ہے، اللہ اکبر، پھر نماز پڑھنے لگے، جب فارغ ہوئے، تو ابومحمد جریری نے کہا کہ لیٹ جایئے، فرمایا یہ احسان ونوازش کا وقت ہے، اللہ اکبر، اسی حال میں ان کا وصال ہوا۔

آپ کا وصال ۲۹۷ھ میں ہوا۔ (نفحات الانس ص: ۲۴۲)

☆☆☆☆☆

حضرت ابو سلیمان دارانیؒ

المتوفیٰ ۲۰۵ھ

امامِ کبیر، زاہدِ عصر ابو سلیمان عبد الرحمٰن بن احمد بن عطیہ عنسی دارانی ۱۴۴ھ کے قریب پیدا ہوئے۔ داریا، دمشق کے علاقے میں ایک بستی تھی، وہیں کے رہنے والے تھے، حضرت سفیان ثوری کے تلامذہ میں ہیں۔

حضرت ابو سلیمان دارانی بڑے عالم اور محدث تھے، مگر ان پر تعلیم و تعلم سے زیادہ عبادت و ریاضت اور زہد و قناعت کا غلبہ تھا، شب و روز مصروف عبادت رہتے، ان کی گفتگو بڑی حکیمانہ ہوتی، امام ابو نعیم اصفہانی نے ان کے حکیمانہ کلمات کا ایک خاص مجموعہ حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے، امام ذہبیؒ نے بھی سیر اعلام النبلاء میں متعدد باتیں نقل کی ہیں۔

امام ابو سلیمان دارانی کے خاص شاگرد و مرید حضرت احمد بن ابی الحواری ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو سلیمان دارانی نے فرمایا: اے احمد! تم ستارہ بنو، اگر ستارہ نہ بن سکو، تو چاند بن جاؤ، اور اگر چاند نہ بن سکو تو سورج بن جاؤ، میں نے عرض کیا، اے حضرت! چاند تو ستارے سے روشن ہوتا ہے، اور سورج چاند سے روشن تر ہوتا ہے (یعنی آپ نے یہ اُلٹی ترتیب کیونکر اختیار کی) فرمایا: احمد! ستاروں کی طرح بنو، دیکھو ستارہ رات کے آغاز سے ہوتا ہے اور صبح تک چمکتا رہتا ہے، تو تم شروع رات سے عبادت الٰہی میں مصروف رہو، یہاں تک کہ صبح ہو جائے، اور اگر تمہیں قیام لیل پر قدرت نہ ہو، تو سورج کی طرح بنو کہ شروع دن میں طلوع ہوتا ہے، اور شام تک باقی رہتا ہے، تو اگر قیام لیل پر قدرت نہ ہو، تو دن میں اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔ (حلیۃ الاولیاء ج:۹ ص:۲۷۴)

روایت میں چاند کے مثل ہونے کی توجیہ رہ گئی، غالباً مطلب یہ ہوگا کہ ستارے

کی طرح رات بھر عبادت میں بیدار رہو، اگر وہ نہ ہو سکے، تو چاند کی طرح رات کے کچھ حصے میں بیدار رہ کر مصروف عبادت رہو، کیونکہ چاند عموماً پوری رات نہیں رہتا، مہینہ کی درمیانی چند ایک راتیں ہیں جن میں تمام شب وہ رہتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو سورج کی طرح فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں دن گزارو، کہ سورج سراپا اطاعت بنا ہوا ہے، پورے دن صبح سے شام تک مصروف عمل رہتا ہے۔

یہی احمد بن الحواری ایک بار اپنے استاذ و مرشد سے کہنے لگے کہ آپ رات میں ہمارے پاس تشریف رکھیں، فرمایا تم لوگ مجھے دن میں اپنے ساتھ مشغول رکھتے ہو، مجھے تو یہ بھی پسند نہیں، اب چاہتے ہو کہ مجھے رات میں بھی مشغول رکھو۔ (حلیۃ الاولیاء ج:۹ ص:۲۷۶)

یعنی رات میں تو مجھے خدا کے حضور خلوت میں چھوڑو، میں اپنے مولیٰ کے ساتھ رہوں، کب تک مخلوقات میں مبتلا رہوں گا۔ دن کا حصہ تو تم لوگ لے ہی جاتے ہو۔

حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے تھے کہ، اگر رات نہ ہوتی تو میں دنیا میں زندہ رہنا پسند نہ کرتا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۴۷۳)

مطلب یہ ہے کہ رات کی خلوت اور اس خلوت میں مولیٰ کی عبادت اور ان کے حضور مناجات اور گریہ وزاری اتنی بڑی نعمت ورحمت اور اس میں اتنی حلاوت ولذت ہے کہ صرف اسی کی وجہ سے دنیا میں جینے کا لطف ہے، اللہ جانے مرنے کے بعد یہ کیفیت نصیب ہو یا نہ ہو، اس لئے اس لذت وحلاوت کے لئے جتنے دن جی سکیں، جی لیں، اور واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر بندہ جس ہجر وفراق سے دوچار ہے، اور اس کی وجہ سے اس کے قلب میں جو درد وسوز ہے، وہ اسی دنیا کا حصہ ہے، آخرت میں لقاء ووصل اور دیدار ومشاہدہ کی شادکامی ہے، اس کی لذت وحلاوت دوسرے نوع کی ہوگی، وہ خواہ اس درد وسوزِ ہجر وفراق کی لذت سے بڑھ کر ہو، لیکن مہجوری کے درد وسوز کا لطف کچھ اور ہی البیلا ہے، اس درد وسوز کے ساتھ جو راتیں عبادت وریاضت اور ذکر وتلاوت میں گزرتی ہیں، ان کی بے تابیوں اور بے قراریوں کے لطف ولذت کا اندازہ کون کرسکتا ہے، اسی لئے اکابر اہل اللہ فرماتے ہیں کہ

شب زندہ داروں کو شب بیداری میں جیسی حلاوت وفرحت نصیب ہوتی ہے، لہو ولعب کے دلدادوں کو ان کے مشغلوں میں کبھی نہیں مل سکتی۔

حضرت ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی ایک علامت ہوتی ہے، توفیق سے محرومی کی علامت، حق تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری سے محرومی ہے، اور ہر شے کے لئے ایک زنگ ہوتا ہے، اور دل کا زنگ پیٹ بھر کر کھانا ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ بندۂ مومن کھانے اور لذات سے کنارہ کش رہے، نہ پیٹ بھر کر کھانا کھائے، اور نہ لذتوں کے پیچھے دوڑے، یہ بات رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں بالکل درست ہے، اور تجربہ اس کی مزید توثیق کرتا ہے۔

فرمایا کہ ہر بھلائی کی بنیاد دنیا سے خوفزدہ رہنا ہے، کہ کہیں وہ مبتلائے فریب نہ کردے، اور دنیا کی کنجی پیٹ بھر کھانا ہے، اور آخرت کی کنجی بھوکا رہنا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسلیمان دارانی کی ایک بات مجھے بہت پسند ہے، فرماتے ہیں کہ جو اپنے نفس کی دیکھ بھال میں لگتا ہے، وہ لوگوں سے یکسو ہوجاتا ہے، اور جو اپنے رب کی جناب میں مشغول ہوتا ہے، وہ خود اپنی ذات سے بھی اور لوگوں سے بھی یکسو ہوجاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی ذات کی اصلاح اور اس کی دیکھ بھال میں مشغول رہنے والا دوسروں کے عیوب اور ان کے معاملات سے بیگانہ ہوجاتا ہے، اسے اتنا موقع ہی نہیں ملتا کہ دوسروں کی کھال میں الجھ سکے، اور جو شخص اللہ کی رضامندی، اس کے ذکر وفکر اور اس کی عبادت میں اپنے کو کھپائے گا، اسے اتنا ہوش کہاں کہ اپنے نفس کی لذتوں اور خواہشوں کی تکمیل کا اہتمام کرے، وہ اس کی مشغولیت میں نہ اپنی ذات کی فکر کرے گا، اور نہ دوسروں کی، سب کچھ اللہ کی مرضی پر اور اس کی مشیت پر چھوڑ دے گا، اور ایسا کرنے والا خسارہ میں نہ ہوگا، بلکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

جو کوئی سب کام خدا کے حوالے کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔

فرمایا کہ جو کوئی روزی کے مسئلے میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھتا ہے، اس کے حسن اخلاق میں اضافہ ہوتا ہے، اسے بردباری کی صفت حاصل ہوتی ہے، اس کی طبیعت میں سخاوت پیدا ہوتی ہے، اور نماز میں اس کے وسوسے کم ہو جاتے ہیں۔

واقعی خدا پر اعتماد اور توکل کی یہی شان ہے، کہ اس سے مذکورہ بالا محاسن حاصل ہوں۔ اس اعتماد اور توکل سے چونکہ کامل اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے، اس لئے نہ اس کی فکر ہوتی ہے کہ روزی کہاں سے حاصل ہوگی، نہ روزی کم ہونے سے پریشانی اور بدحواسی ہوتی، نہ مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے گھبراہٹ ہوتی کہ گھٹ جائے گا، نہ دل میں کوئی وسوسہ باقی رہتا، اس لئے اخلاق بھی عمدہ ہو جاتے ہیں، کسی مسئلہ پر طیش بھی نہیں آتا، بخل کا جذبہ بھی باقی نہیں رہتا، اور نماز بھی وسوسوں اور خیالات باطلہ سے پاک ہو جاتی ہے۔ **اللّٰھم ارزقنا منه**

فرمایا کہ جوانمردی یہ ہے کہ جہاں اللہ نے منع کیا ہے، وہاں وہ تم کو نہ دیکھیں، اور جہاں کا حکم دیا ہے، وہاں سے تم کو غائب نہ پائیں۔

فرمایا: جب دنیا دل میں آجاتی ہے (یعنی دنیا کی محبت اور اس کی فکر اور اس کا اہتمام) تو آخرت اس دل سے رخصت ہو جاتی ہے، اور جب دنیا قلب میں ہوتی ہے، تو آخرت وہاں آتی ہی نہیں، کیونکہ دنیا کمینی ہے اور آخرت شریف اور باعزت ہے۔

یعنی گنجائش نہ ہونے اور جگہ نہ ملنے پر کمینے اور رذیل لوگ دھکم دھکا کرتے ہیں، شریف کنارہ کش ہو جاتا ہے، تو جس دل میں فکرِ آخرت ہوتی ہے، فکرِ دنیا وہاں گھسنے کی کوشش کرتی ہے، اور جہاں صرف فکرِ دنیا ہی ہو، فکرِ آخرت شریفانہ وہاں سے گزر جاتی ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی کا انتقال ایک قول کے مطابق ۲۱۵ھ میں ہوا، لیکن ان کے تلمیذ خاص حضرت احمد بن ابی الحواری کا قول ہے کہ ۲۰۵ھ میں ان کا وصال ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت یزید بن ہارون الواسطیؒ

المتوفی ۲۰۶ھ

امام ذہبی نے لکھا ہے:

الامام القدوۃ، شیخ الاسلام، ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے، عاصم احول، یحییٰ بن سعید انصاری، سلیمان تیمی، حمید الطّویل اور بہز بن حکیم کے تلامذہ میں ہیں، علم وفضل میں پیشوا، ثقہ اور حجت اور بڑی شان کے مالک ہیں۔

حضرت علی بن المدینی فرماتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون سے بڑھ کر حافظ حدیث نہیں پایا۔

حضرت احمد بن سنان قطان فرماتے ہیں، کہ میں نے یزید بن ہارون سے اچھی نماز پڑھنے والا کسی عالم کو نہیں پایا، وہ رات اور دن کسی وقت نماز پڑھنے میں سست نہ ہوتے تھے، نہ تھکتے تھے۔

یزید بن ہارون بھی ان بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے مدتوں عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے، عبادات اور حسن نیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے متعدد بزرگوں کو اتنی قوت عنایت فرمائی تھی کہ وہ رات بھر مصروف عبادت رہتے اور ان کی صحت وطاقت برقرار رہتی۔ **ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

مشہور محدث حضرت عاصم بن علی، جو امام احمد بن حنبلؒ کے استاذ ہیں، فرماتے ہیں کہ میں اور یزید بن ہارون قیس بن ربیع (قیس بن ربیع ان دونوں کے استاذ تھے) کے پاس تھے، تو یزید کا حال یہ تھا کہ جب عشاء سے فارغ ہوتے، تو پوری رات نماز پڑھتے

رہتے، اور پھر صبح کی نماز اسی وضو سے پڑھتے تھے، یہ حال ان کا چالیس سال سے زیادہ رہا۔

ایک شخص نے حضرت یزید بن ہارون سے دریافت کیا کہ رات میں آپ کی عبادت کا کیا حصہ ہے؟ فرمایا: کیا میں رات میں کچھ سوتا ہوں؟ تب تو اللہ میری آنکھوں کو نیند نہ عطا فرمائے۔

حضرت یزید بن ہارون علمی ثقاہت وجلالت کے ساتھ بڑے عبادت گزار تھے، نماز تو بہت ہی خوبصورت پڑھتے، چاشت کی نماز سولہ رکعت پڑھتے، اور بہت اچھی پڑھتے، اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔

احمد بن سنان کہتے ہیں کہ حضرت یزید اور حضرت ہشیم رات میں اور دن میں لمبی نماز پڑھنے میں معروف تھے، حق تعالیٰ نے ان کے علم وعمل میں بڑی برکت دی تھی، ان کے ایک شاگرد یحییٰ بن ابی طالب کہتے ہیں کہ میں نے بغداد میں ان سے حدیث کی سماعت کی ہے، وہاں ان کی مجلس درس میں ستر ہزار افراد شریک تھے، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت یزید بن ہارون جب بغداد تشریف لے گئے، تو وہاں علماء ومحدثین اور وہاں کے باشندوں نے ان کا بڑا اکرام واہتمام کیا، اور ان کی جلالت شان اور علوئے اسناد کی وجہ سے لوگوں نے ان پر بڑا ہجوم کیا تھا۔

حضرت یزید بن ہارون کا وصال ۲۰۶ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۸، ص:۲۳۰)

☆☆☆☆☆

حضرت ہشیم بن بشیر محدث بغدادؒ

المتوفی ۱۸۳ھ

شیخ الاسلام، محدث بغداد، حافظ حدیث امام ابو معاویہ ہشیم بن بشیر ۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔

امام زہری اور حضرت عمر بن دینار کے تلامذہ میں ہیں، بغداد میں سکونت تھی، وہیں علم کی نشر واشاعت کی اور کتابیں تصنیف کیں۔

ہشیم کے والد بشیر سالن بنا کر بیچا کرتے تھے، ہشیم جب طلب علم میں لگے، تو ان کے کام مین حرج ہونے لگا، کیونکہ سالن کی تیاری میں یہ ان کی مدد کرتے تھے، تو وہ انھیں پڑھنے سے منع کرتے تھے، مگر ہشیم اپنے کام میں منہمک رہے، آہستہ آہستہ ان کا پایۂ علمی اتنا بلند ہوا کہ ابو شیبہ قاضی کے ساتھ مباحثہ کیا، اوران کے ساتھ فقہی مجالس میں شریک ہوئے، ایک بار ہشیم بیمار ہوئے، تو ابو شیبہ عیادت کے لئے آئے، ایک آدمی ان کے والد بشیر کے پاس پہونچا اور کہا اپنے بیٹے کے پاس جایئے، قاضی صاحب ان کی عیادت کے لئے آئے ہوئے ہیں، وہ آئے، تو قاضی صاحب ان کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، کہنے لگے، مجھے اس کی کب توقع تھی؟ اے میرے بیٹے! میں تمہیں منع کیا کرتا تھا، مگر اب نہیں منع کرتا۔

واقعی علم ایسی چیز ہے کہ آدمی کو خاک کی پستی سے اُٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہونچا دے، اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے گرے پڑوں نے اس علم سے رفعت حاصل کی۔

حضرت ہشیم بڑے ذاکر وشاغل اور عبادت گزار عالم تھے، حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں ہشیم کی خدمت میں چار پانچ سال رہا ہوں، مگر ان کی ہیبت کا یہ

عالم تھا کہ اتنے عرصہ میں ان سے دوبار کچھ پوچھنے کی ہمت کر سکا ہوں، حدیث سنانے کے دوران وہ بہت کثرت سے ذکر کرتے تھے، اکثر بلند اور لمبی آواز سے **لا الہ إلا اللّٰہ** کہتے تھے۔

حضرت ہشیمؒ کے بارے میں امام ذہبی نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے انتقال سے پہلے بیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

حضرات محدثین وعلماء میں حضرت ہشیمؒ کا جو مرتبہ اور مقام تھا، وہ تھا ہی، زاہدوں اور عابدوں میں بھی وہ بڑے پایہ اور رتبے کے سمجھے جاتے تھے، مشہور صوفی بزرگ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ حضرت ہشیمؒ سے کہہ رہے تھے: **جزاک اللہ عن أمتي خیراً** (اللہ تم کو میری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے)

کسی نے کہا حضرت! آپ نے ایسا دیکھا؟ فرمایا ہاں! ہم ہشیمؒ کے بارے میں جو حسن ظن رکھتے ہیں وہ اس سے بھی بہتر ہیں۔

حضرت ہشیمؒ کا وصال ۱۸۳ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۳۹۷)

☆☆☆☆☆

حضرت مصعب بن ثابت عبداللہ بن زبیر

المتوفیٰ ۱۵۷ھ

مشہور صحابی رسول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نواسے، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے پوتے حضرت مصعب اپنے زمانے کے بڑے عبادت گزاروں میں تھے، انھوں نے اور ان کے بھائی نافع نے اپنی عمر کے پچاس سال روزے میں بسر کئے، مشہور محدث حضرت یحییٰ بن سکین فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب سے زیادہ کسی کو نماز پڑھنے والا نہیں پایا، شب و روز میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے، اور ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، یہی بیان ان کی صاحبزادی حضرت اسماء بنت مصعب کا بھی ہے۔

عبادت کی کثرت کی وجہ سے ان کا جسم سوکھ گیا تھا، ۷۳ر سال کی عمر میں ۱۵۷ھ میں انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۷، ص: ۲۶)

☆☆☆☆☆

حضرت عبد الواحد بن زید بصریؒ

المتوفیٰ ۱۵۰ھ

شیخ العباد حضرت عبد الواحد بن زیدؒ، بصرہ کے بڑے عبادت گزاروں میں تھے، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت عطاء بن ابی رباح سے علم حاصل کیا، اور ان کی صحبت میں رہے۔

حضرت عبد الواحد بن زیدؒ ان بزرگوں میں ہیں، جنھوں نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے، ایک بار ان پر فالج کا حملہ ہوا، تو انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ! وضو کے وقت مجھے فالج سے آزاد فرما دیجئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا وضو کے وقت فالج کا اثر نہ رہتا، اس کے بعد ہو جاتا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۱۳۷)

حصین بن قاسم فرماتے ہیں کہ حضرت عبد الواحد بن زیدؒ کی فکر آخرت اور غم کو تمام اہل بصرہ کو بانٹ دیا جاتا، تو سب کو کافی ہوتا، جب رات کی تاریکی پھیلتی، تو میں انھیں دیکھتا کہ اس طرح مستعد ہو جاتے جیسے تربیت یافتہ گھوڑا کام کے وقت چست ہو جاتا ہے، پھر وہ محراب عبادت میں اس طرح کھڑے ہو جاتے جیسے کسی سے مخاطب ہوں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۶، ص:۱۷۳)

خود فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے، دورانِ سفر ایک جگہ لشکر نے قیام کیا، تو میرے رفقاء سو گئے، اور میں نماز میں مشغول ہو گیا، اور جو قرآن پڑھنے کا روزانہ کا معمول تھا، اسے پڑھنے لگا، لیکن میرے اوپر نیند کا غلبہ ہونے لگا، میں نیند سے کشمکش کرتا رہا، یہاں تک کہ میرا معمول پورا ہو گیا، پھر میں بھی لیٹ گیا، میں سوچنے لگا کہ اپنے رفقاء کی طرح

میں بھی سو گیا ہوتا، تو میری تکان دور ہو جاتی، اور مجھے راحت مل جاتی، صبح کو اپنا معمول پورا کر لیتا، یہ بات میں نے محض اپنے دل میں سوچی تھی، میرے لب شرمندۂ تکلم نہ ہوئے تھے، پھر میں سو گیا، تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک خوبصورت جوان میرے پاس آ کر کھڑا ہوا، اور اس کے ہاتھ میں ایک سفید کاغذ تھا جیسے چاندی ہو، میں نے پوچھا کہ یہ تمہارے ہاتھ میں کیسا کاغذ ہے؟ اس نے میری طرف بڑھا دیا، اس میں تحریر تھا:

ینام من شاء علیٰ غفلة   والنوم کالموت فلا تتکل
تنقطع الاعمال فیه کما   تنقطع الدنیا عن المنتقل

جس کا جی چاہے غفلت کی نیند سو جائے، نیند تو موت کی طرح ہے، بھروسہ مت کرو۔

نیند میں اعمال اسی طرح منقطع ہو جاتے ہیں، جیسے مرنے والے سے دنیا منقطع ہو جاتی ہے۔ پھر وہ جوان غائب ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالواحد یہ دونوں شعر بکثرت پڑھتے تھے اور روتے تھے، اور کہتے تھے نیند نے نمازیوں، اور ان کی لذت نماز کے درمیان تفریق ڈال دی ہے، نیند نے روزہ داروں اور ان کی حلاوت روزہ کے درمیان جدائی ڈال دی ہے، اسی طرح متعدد عبادتوں کا ذکر کرتے۔ (حلیۃ الالیاء، ج:۶، ص:۱۷۴)

حضرت عبدالواحد بن زیدؒ اپنا ایک واقعہ اور بتاتے ہیں کہ میرے پاؤں میں سخت تکلیف تھی، نماز پڑھنے میں بڑی دشواری تھی، مگر میں رات میں تکلیف جھیلتا رہا، اور جبر کر کے نماز پڑھتا رہا، بالآخر عاجز ہو گیا، اور محراب عبادت ہی میں ایک کپڑا لپیٹ کر تکیہ بنایا اور سو گیا، خواب دیکھا کہ ایک بہت حسین و جمیل لڑکی کئی خوبصورت لڑکیوں کے درمیان چلتی ہوئی آ رہی ہے، اس نے اپنے ساتھ والیوں سے کہا کہ انھیں آہستہ سے اٹھاؤ کہ انھیں حرکت نہ ہو، اور دوسری چند لڑکیوں کو حکم دیا کہ بہت نرم اور آرام دہ بستر بچھا دو اور اس پر پھولوں کی سیج لگا دو، پھر آہستہ سے مجھے اس پر لٹا دیا، اور تکلیف کی جگہ ہاتھ پھیر دیا اور کہا:

قم! شفاک اللہ إلیٰ صلاتک غیر مضرور

اٹھو! اللہ تمہیں شفا دے، اور بغیر کسی تکلیف کے نماز میں لگ جاؤ۔

اس پر میری آنکھ کھل گئی، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بندھن تھا، جو کھل گیا، پھر اس کے بعد مجھے کبھی وہ تکلیف نہیں ہوئی، اور نہ اس کے اس جملے کی حلاوت میرے دل سے نکلی۔ (حلیۃ الالیاء، ج:۶، ص:۱۷۳)

جس نے انبیاء کرام **علیھم السلام** کے حالات بالخصوص سید الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہوگا، وہ خوب جانتا ہوگا کہ کھانے پینے سے پیٹ بھرنے کو ان حضرات نے ہمیشہ ناپسند کیا ہے، کھانا زندگی کی ایک مجبوری اور ضرورت ہے، تو ان حضرات نے اسے بقدر ضرورت ہی استعمال کیا ہے، پیٹ بھر کر کھانے کو ہمیشہ ناپسند کیا ہے، ان کے بعد ان کے سچے متبعین کا بھی یہی حال رہا ہے، پیٹ کا بھرا ہونا عبادت سے اور عبادت کے خشوع وخضوع سے بڑی رکاوٹ ہے، اسی لئے کہنا چاہیۓ کہ ان حضرات نے پیٹ کی خواہشات سے دشمنی کر رکھی تھی۔

اس سلسلے میں حضرت عبد الواحد بن زید علیہ الرحمہ کی کچھ باتیں تحریر کر رہا ہوں، کچھ باتیں حضرت عتبۃ الغلام علیہ الرحمہ کے تذکرے میں آئیں گی۔ انشاء اللہ

فرمایا کہ اے میرے بھائیو! تم کھانے میں نمک اور روٹی پر اکتفا کرو، اس سے گردے کی چربی پگھلتی ہے، اور یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔

فرمایا کہ جو اپنے پیٹ پر قابو رکھتا ہے، وہ اپنے دین میں طاقتور رہے، جو اپنے پیٹ پر قابو رکھتا ہے، وہ اعمال صالحہ پر قدرت رکھتا ہے، اور جو کوئی اپنے دین کے سلسلے میں پیٹ کی طرف سے ہونے والی مضرتوں کا علم نہیں رکھتا ہے، وہ عبادت گزاروں کے نزدیک اندھا ہے۔

پیٹ پر قابو رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی خواہش پر قابو رکھتا ہو، جس چیز کو جی چاہتا ہے، اسے کھانے نہیں لگتا، اور جتنا جی چاہے ہے، نہیں کھاتا اگر ایسا نہ کرے، تو آدمی

مباحات میں اسراف کرے گا، اور اس کے نتیجے میں حرام میں جا گرے گا، پھر وہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ سب سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

پیٹ کی وجہ سے دین کو کتنا نقصان پہونچتا ہے، اسے جاننا ضروری ہے، اگر کوئی اسے نہیں جانتا وہ مثل اندھے کے ہے کہ نہ جانے وہ کس کس جگہ ٹھوکر کھائے اور منہ کے بل گرے۔

صاحب حلیہ نے نقل کیا ہے کہ مسلم عبادانی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک مرتبہ چند بزرگ، اللہ والے جمع ہوئے، یعنی صالح المری، عبدالواحد بن زید، عتبۃ الغلام اور سلمہ اسواری، یہ حضرات ساحل سمندر پر مجتمع ہوئے، اور مصروف عبادت رہے، ایک رات میں نے ان سب بزرگوں کے لئے ذرا اہتمام سے کھانا تیار کرایا، اور انھیں دعوت دی، وہ حضرات تشریف لائے، کھانا ان کے سامنے چن دیا گیا۔ اسی دوران ایک بزرگ ساحل سمندر پر ایک شعر گنگناتے ہوئے گزرے، وہ فرما رہے تھے:

وتلہیک عن دار الخلود مطاعم ولذۃ نفس غیر نافع

تمہیں ہمیشہ رہنے کے مکان سے انواع واقسام کے کھانے اور لذت نفس کے تقاضے غافل کر دیتے ہیں، حالانکہ ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

اسے سنناتھا کہ **عتبۃ الغلام** چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے، اور باقی سب لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا، مجبوراً کھانا اٹھا لیا گیا، اور ان حضرات نے ایک لقمہ بھی نہیں چکھا۔

(ج:۶، ص:۱۷۳)

حضرت حصین بن قاسم وزّان حضرت عبدالواحد بن زید کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو لوگ کام میں لگے ہوئے ہیں، انھیں پیٹ بھرنے سے کیا واسطہ؟ انھیں تو تھوڑا سا کھانا کافی ہے، جس سے جان سلامت رہے۔

ایک دن فرمانے لگے: میں نے اللہ سے ایک عہد کر رکھا ہے، اسے میں توڑ نہیں سکتا، میں نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: جانے دو مت پوچھو، میں نے کہا آپ کو توقع

نہیں ہے کہ آپ کے معمولات میرے لئے لائق عمل نمونے ہوں گے! فرمایا کیوں نہیں، یہ بات تو ہے، میں نے کہا تب بتایئے، فرمایا: میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ آپ مجھے اپنی ملاقات کے وقت تک دن کے اوقات میں کھاتا ہوا نہیں پائیں گے۔

حضرت حصین فرماتے تھے کہ کبھی کبھی مرض کی شدت ہوتی، تو ان کے لوگ کوشش کرتے کہ کچھ کھالیں، لیکن وہ انکار کرتے، یہی حال وفات تک رہا۔

(حلیۃ الالیاء، ج:۶، ص:۱۷۳)

۱۵۰ھ کے بعد ان کا وصال ہوا۔ رحمہ اللہ

☆☆☆☆☆

حضرت عتبۃ الغلام الزاھدؒ

عتبۃ الغلام اس امت کے زاہد ترین عبادت گزاروں میں ہیں، زہد و عبادت میں ان کا ایک خاص مقام تھا، چہرے پر فکر آخرت کے اثر سے رنج و حزن کی کیفیت رہا کرتی تھی، اس کیفیت میں لوگ انھیں حضرت حسن بصریؒ کے مشابہ قرار دیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۵۱)

صاحب حلیۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ حضرت عتبہ بصرہ کے بڑے عبادت گزاروں میں تھے، وہ اپنے لئے روٹی کے ساٹھ ٹکڑے بنا لیتے تھے، ایک ٹکڑا شام کو کھا لیتے تھے، اور ایک سحری کے وقت، وہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، وہ دریا کے ساحل اور صحراؤں کی طرف چلے جاتے تھے، اور مصروفِ عبادت رہتے۔ (ج:٦، ص:۲۷۴)

حضرت عتبہ نے عبادت کے لئے ایک حجرہ بنا رکھا تھا، اسی میں رات کو اور دن کو بھی عبادت کیا کرتے تھے، جب وہ جہاد کی نیت سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے، تو اسے مقفل کر دیا، اور فرمایا کہ جب تک میری موت کی خبر نہ سنو، اسے نہ کھولنا، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو لوگوں نے کھولا، تو دیکھا کہ اس میں ایک قبر ہے، اور لوہے کی ایک بیڑی ہے۔ (ج:٦، ص:۲۵۵)

قبر تو شاید...... واللہ اعلم...... اس لئے بنا رکھی ہو کہ آخرت مستحضر رہے، اور حدیث میں آیا ہے کہ اپنے کو مردوں میں شمار کرو، تو قبر مسلسل موت کو یاد دلاتی رہتی ہے، اور لوہے کی بیڑی اس لئے رہی ہو کہ بھگوڑے غلام اور مجرم کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی جاتی ہے، اپنے کو حق تعالیٰ کے حضور سے بھاگا ہوا اور مجرم غلام قرار دے کر بیڑی پہنا دیتے رہے ہوں گے۔

حضرت عتبۃ الغلام رات بھر عبادت میں مصروف رہتے، نمازیں پڑھتے، مراقبہ اور تدبر وتفکر میں رہتے، گریہ وزاری کرتے، اسی مشغلہ میں رات گزر جاتی۔

ایک بزرگ ہیں ابو عبداللہ شحام، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عتبہ کبھی کبھی میرے پاس رات میں رہتے تھے، تو وہ ایک الگ مکان میں تنہا رات گزارتے، ایک صاحب نے ان سے عرض کیا کہ ان کی عبادت کیا ہوتی تھی، انھوں نے بتایا کہ وہ قبلہ رو ہو جاتے اور مسلسل گریہ وزاری اور مراقبہ میں ہوتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

حضرت عتبۃ الغلام لمبی لمبی راتیں نماز میں بسر کرتے، اور جب فارغ ہوتے تو دعا کرتے:

”اے میرے آقا! اگر آپ مجھے عذاب دیں، تو بھی مجھے آپ سے محبت ہے، اور اگر مجھے معاف کردیں تو بھی مجھے آپ سے محبت ہے“

ایک بزرگ حضرت عنبسہ خواص فرماتے ہیں کہ حضرت عتبہ میرے یہاں تشریف لایا کرتے تھے، کبھی کبھی رات میں یہیں رہ جاتے تھے، ایک رات ایسا ہوا کہ پوری رات مصروف عبادت رہے، صبح کے وقت ان پر شدت کا گریہ طاری ہوا اور بہت روئے، بعد میں نے عرض کیا کہ آپ کے شدت گریہ کی وجہ سے میں گھبرا گیا تھا، کیا بات تھی؟ فرمایا عنبسہ اللہ کے سامنے پیشی مجھے یاد آئی، اتنا کہا اور گرنے لگے، میں نے انھیں سنبھالا، میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں اُلٹ پلٹ رہی ہیں اور سرخ ہو رہی ہیں، پھر یہ کیفیت بڑھی تو ڈھیلے پڑ گئے، میں نے پکارا، عتبہ عتبہ، تو بہت ہلکی آواز میں جواب دیا، کہ اللہ کے سامنے پیشی کے خوف نے اہل محبت کے ٹکڑے اڑا دئے ہیں، اسی کو دہراتے رہے، اور ہچکیاں لیتے رہے اور کہتے رہے، میرے مولیٰ! کیا آپ اپنے اہل محبت کو عذاب دیں گے، جبکہ آپ حی کریم ہیں، انھیں باتوں کو دہراتے رہے، اور مجھے بھی رلاتے رہے۔

حضرت عتبۃ الغلام کی وہ کیفیت تھی کہ ان کے بارے میں ان کے شاگرد یحییٰ واسطی حضرت مخلد بن حسین (۱) سے فرماتے تھے، یہ لوگ اس سعادت وشرافت اور عبادت

وریاضت کے ساتھ متصف تھے گویا انبیاء کرام **علیہم الصلوٰۃ والسلام** نے ان کی تربیت کی ہو۔

امام ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے، حضرت عتبۃ الغلام نے اللہ کے لئے اپنے اوپر عہد کررکھا تھا کہ آسودگی سے کم کھائیں گے، سیرابی سے کم پئیں گے، رات اور دن میں بیداری سے کم سوئیں گے تو ان سے ان کے بعض اصحاب نے کہا کہ دن میں جن اوقات میں نمازیں درست نہیں ہیں، ان میں سورہا کیجئے تو جاگنے سے کم سونا ہوگا، اور آپ کا عہد بھی پورا ہوجائے گا۔ فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں اپنے رب کے سامنے حیلہ سے کام لوں، جی نہیں، میں رات اور دن میں اسی وقت سوؤں گا جب نیند سے مجبور ہوجاؤں۔ (ج:۶، ص:۲۵۰)

کھانے پینے کی ضرورت کسے نہیں ہوتی، اور اس کی خواہش میں کون نہیں مبتلا ہے، مگر اللہ والوں کا حال اس میں کچھ اور ہی ہوتا ہے، انھیں کچھ اور ہی دھن ہوتی ہے، انھیں خدا کی یاد اور عبادت کے سامنے تمام خواہشات حقیر معلوم ہوتی ہیں، حضرت عتبۃ الغلام کے لئے ان کے بعض احباب نے گوشت پکایا، اور یہ ارادہ کیا کہ انھیں عشاء کی نماز کے بعد کھلائیں گے، مگر عشاء کی نماز کے بعد وہ غائب ہوگئے، بہت تلاش کے بعد ایک مکان میں ملے، تو دیکھا کہ کپڑے کے ایک ٹکڑے میں تھوڑا سا ستو ڈال کر اسے پانی سے بھگورہے ہیں، اور اسی کو کھا رہے ہیں، اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہے، ڈھونڈھنے والے نے کہا سبحان اللہ! آپ کے بھائیوں نے آپ کے لئے کچھ تیار کر رکھا ہے، فرمایا مجھے یہی کافی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۶، ص:۲۴۸)

ایک مرتبہ ان کے نفس نے گوشت کھانے کی خواہش کی، تو اسے بہلا دیا کہ اگلے سال کھالینا، اگلا سال آیا تو پھر ٹال دیا، اسی طرح سات سال تک ٹالتے رہے، سات سال کے بعد تھوڑے سے پیسے لئے اور اپنے ایک دوست کے پاس گئے، جو کہ خود بزرگ تھے، اور روٹی پکایا کرتے تھے، ان سے کہا کہ میرا نفس سات سال سے گوشت کا تقاضا کررہا ہے،

اب مجھے شرم آتی ہے کہ کتنا اس سے وعدہ کرتا رہوں اور اسے توڑتا رہوں، تم اس پیسے سے دو روٹی اور گوشت میرے لئے لاؤ، وہ صاحب لے کر آئے، تو حضرت عتبہ کے پاس ایک یتیم بچہ بیٹھا تھا، حضرت عتبہ نے اس سے کہا تم فلاں کے بیٹے ہو؟ تمہارے باپ کا انتقال ہو گیا ہے؟ اس نے کہا ہاں، وہ رونے لگے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے، اور فرمایا اس دنیا میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ میری خواہش والی چیز اس یتیم کے پیٹ میں چلی جائے، یہ کہہ کر وہ گوشت اور روٹی اس بچے کو دے دی۔ (ج:٦، ص:٢٤٨)

اللہ اکبر! نفس پر کتنا قابو تھا، اور خواہشات کو کیسی لگام دے رکھی تھی، ان حضرات کا عمل قرآن کریم کی اس آیت پر تھا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (سورۃ الدہر:٨) یہ لوگ اللہ کی محبت میں، باوجودیکہ انھیں رغبت ہوتی ہے، کھانا مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔

کسی نے حضرت عبد الواحد بن زید سے پوچھا کہ آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں، جو اپنے اندر اتنا مشغول رہتا ہے کہ راہ چلتے ہوئے وہ کسی کو نہ دیکھ پاتا نہ پہچان پاتا؟ فرمایا: میں صرف ایک آدمی کو جانتا ہوں، جو ایسا ہے، وہ ابھی تمہارے پاس آئے گا، تھوڑی دیر کے بعد عتبہ آئے، وہ بازار کے راستے سے آئے تھے، حضرت عبد الواحد بن زید نے ان سے پوچھا کہ راستے میں کسی کو دیکھا اور کسی سے ملاقات ہوئی؟ فرمایا کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ ان کی اللہ کے ساتھ مشغولیت تھی کہ بازار کے ہجوم میں بھی انھیں نہ کوئی دکھائی دیا، اور نہ کوئی ملا۔ رحمہ اللہ

حضرت عتبۃ الغلام اس عبادت و ریاضت کے ساتھ شوق جہاد بھی رکھتے تھے، انھوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں شہادت پائی، اس کا واقعہ حضرت مخلد بن حسین بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز ہمارے پاس عتبۃ الغلام آئے، ہم نے دریافت کیا کیسے آنا ہوا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے آیا ہوں۔ میں نے کہا آپ جہاد کریں گے؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ میں مصیصہ گیا ہوں، اور وہاں جہاد کر رہا ہوں، بالآخر شہید ہو جاتا ہوں، چند ہی روز

کے بعد لشکر کو تیاری اور روانگی کا حکم ہوا۔ حضرت عتبہ بھی اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر فوجی میدان میں داخل ہوئے، جونہی وہ داخل ہوئے، ایک آدمی انھیں ملا اور کہنے لگا، میں بیمار ہو گیا ہوں، اگر آپ چاہیں تو میرا گھوڑا اور میرے ہتھیار لے لیں، انھوں نے بخوشی قبول کیا، اس لشکر نے رومیوں سے جہاد کیا، اس میں سب سے پہلے حضرت عتبۃ الغلام شہید ہوئے۔ **رضی اللہ عنہ وأرضاہ۔**

(حلیۃ الاولیاء، ج:٦، ص:٢٤٦)

☆☆☆☆☆

(١) مخلد بن حسین بڑے ائمۂ حدیث میں ہیں، امام ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ اپنے زمانہ میں عاقل ترین شخص تھے۔ ١٩١ھ میں انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:٨، ص:١٤٩)

امیر المومنین فی الحدیث

حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ

المتوفیٰ ۱۸۱ھ

شیخ الاسلام والمسلمین ، امام زمانه ، امیر المتقین ، سیدنا الامام عبداللہ بن مبارک قدس سرہٗ اپنے عہد کے علماء کبار میں تھے، حافظ قرآن، غازی فی سبیل اللہ، شجاعت وسخاوت میں آیة من آیات اللہ !

حضرت عبداللہ بن مبارک کی امامت وجلالت پر پوری امت کا اتفاق ہے، اللہ تعالیٰ نے انھیں اتنی صلاحیتوں اور کمالات سے نوازا تھا کہ گویا ان میں ایک عالم اکٹھا ہو گیا تھا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر أن یجمع العالم فی واحد

(اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ وہ شخص واحد میں ایک دنیا کی دنیا سمیٹ کر رکھ دے)

شام کے مشہور محدث حضرت اسماعیل بن عیاش (المتوفیٰ ۱۸۱ھ) فرماتے تھے، کہ حضرت عبداللہ بن مبارک جیسا شخص روئے زمین پر نہیں ہے، اور میرے علم میں اللہ تعالیٰ نے خیر کے جتنے شعبے اور خصائل پیدا کئے ہیں، وہ سب حضرت عبداللہ بن مبارک کی ذات میں ودیعت فرما دیئے ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۶۰۶)

حضرت اسماعیل بن عیاش، حضرت ابن مبارک کے معاصر ہیں، اور معتبر محدث ہیں، ان کی بات کا جو وزن ہے، وہ ظاہر ہے، اب چند دوسرے حضرات کی زبانی اس کی قدرے تفصیل سن لیجئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کے آزاد کردہ غلام حسن بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ کچھ علماء اکٹھا ہوئے جن میں فضل بن موسیٰ اور مخلد بن حسین شامل تھے، ان لوگوں نے باہم گفتگو کی کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کے خصال خیر کو شمار کیا جائے۔ چنانچہ اس طرح شمار کیا گیا۔

علم فقہ، ادب، نحو، لغت، زُہد، فصاحت، شعر، قیام لیل، عبادت، حج، غزوہ، شجاعت، شہسواری، طاقت، لایعنی کلام سے پرہیز، انصاف، اپنے اصحاب سے قلتِ خلاف۔ (ج:۷، ص:۶۱۴)

ان خوبیوں میں اللہ جانے جود وسخا اور ایثار ومروت کا تذکرہ کیوں چھوٹ گیا، حالانکہ یہ اوصاف ان کی زندگی کے روشن عنوانات ہیں، ان کا کچھ تذکرہ ہم آگے کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کی ولادت ۱۱۸ھ میں ہوئی، ان کے والد مبارک ایک ترکی غلام تھے، جو ہمدان کے بنی حنظلہ کے ایک تاجر کی ملکیت میں تھے، باپ بیٹے کی صورت بہت مشابہ تھی، حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت امام ابوحنیفہؒ نے میرے والد کو دیکھا، تو ان سے فرمایا عبداللہ کی ماں نے تمہاری امانت کما حقہٗ ادا کردی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک ملک خراسان کے شہر مرو کے رہنے والے تھے، ایک مرتبہ وہ مشہور محدث حضرت حماد بن زید کی خدمت میں پہونچے، انھوں نے دیکھا، اور ان کے انداز اور حسن ادب کو بہت پسند کیا، پوچھا کہاں کے ہو؟ کہا خراسان میں مرو کا رہنے والا ہوں، فرمایا وہاں ایک صاحب ہیں عبداللہ بن مبارک، آپ انھیں پہچانتے ہیں، فرمایا، وہی اس وقت آپ سے مخاطب ہے، تو حضرت حماد نے انھیں سلام کیا، اور خوش آمدید کہی۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۶۰۶)

حضرت عبداللہ بن مبارک گوناگوں کمالات کے جامع تھے، علمی کمالات کے بھی، اور عملی کمالات کے بھی، چند کمالات کا تذکرہ ہم کریں گے، حق تو یہ ہے کہ ان کا مفصل تذکرہ

لکھا جائے، کیونکہ ایسے بزرگوں کے تذکرے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے، لیکن ہمارا موضوع تہجد گزاری اور شب بیداری کے احوال واوصاف ہیں، اس لئے دوسرے کمالات کا تذکرہ اگر ہوگا بھی تو مختصراً ہوگا۔ خدا کرے ان کی برکات سے لکھنے والا بھی، اور پڑھنے والے بھی مستفید ہوں۔

قیام لیل:

حضرت عبداللہ بن مبارک بہترین قاری تھے، قرآن کریم بہت عمدہ پڑھتے تھے، ایک بزرگ حضرت حسن بن شقیق فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو قرآن کی تلاوت کرنے والا نہیں دیکھا، نہ ان سے اچھا پڑھنے والا، اور نہ ان سے زیادہ کسی کو نماز پڑھنے والا پایا۔ سفر وحضر میں وہ پوری رات نماز پڑھتے تھے، قرآن کریم کی تلاوت وہ ترتیل کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر، اور آواز کو قدرے کھینچ کر کرتے تھے، محمل میں انھوں نے سونا ترک کردیا تھا، کیونکہ وہ نماز پڑھا کرتے تھے، اور لوگوں کو خبر نہیں ہوتی تھی۔

محمد بن اعین ان کے ایک رفیق سفر تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم رومیوں سے مصروف جہاد تھے، ایک شب انھوں نے اپنا سر تکیہ پر رکھا، جیسے سونے کی تیاری میں ہوں، درحقیقت مجھ پر ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ سورہے ہیں، میں نے بھی اپنا نیزہ لیا، اور اس پر اس طرح سر رکھا، جیسے میں سورہا ہوں، وہ سمجھے کہ میں سوگیا ہوں، تب وہ چپکے سے اٹھے اور نماز شروع کردی، وہ صبح تک نماز پڑھتے رہے، اور میں بھی انھیں دیکھتا رہا، جب صبح ہوئی، تو مجھے یہ سمجھ کر کہ میں سویا ہوا ہوں، مجھے بیدار کیا، میں نے کہا میں نہیں سویا، پھر جو کچھ دیکھا تھا، میں نے بیان کیا تو پھر دورانِ غزوہ نہ مجھ سے انھوں نے بات کی، اور نہ مجھ سے بے تکلف ہوئے، میں ان کے عمل کو جان گیا، وہ انھیں پسند نہیں آیا، یہ اثر ان پر مرتے دم تک رہا، اعمال خیر کو ان سے زیادہ چھپانے والا میں نے نہیں دیکھا۔

(رہبان اللیل، ج:۱، س:۴۰۸، بحوالہ الجرح والتعدیل، ج:۱، ص:۲۶۶)

حضرت عبداللہ بن مبارک نہایت رقیق القلب اور خاشع وخاضع تھے، خوف

وخشیت کے احوال اور ذکر آخرت سے بے تاب ہوجاتے، شدید گریہ طاری ہوتا، حضرت نعیم بن حماد فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک جب حدیثوں میں کتاب الرقاق (خوف وخشیت والی حدیثیں) پڑھتے، تو ان کا رونے کی شدت سے یہ حال ہوتا، جیسے گائے ذبح ہورہی ہو۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۶۱۲)

اس رقت قلبی اور خوف وخشیت کا کبھی یہ اثر ظاہر ہوتا کہ پوری رات ایک ہی آیت کی تکرار میں گزر جاتی۔ نعیم بن حماد ہی راوی ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا کہ پچھلی رات میں نے ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا، فرمایا کہ لیکن میں ایسے شخص کو جانتا ہوں جو پچھلی رات **الھٰکم التکاثر** کو صبح تک دہراتا رہا، اس کے آگے بڑھ ہی نہ سکا۔ (اس سے مراد وہ خود ہیں) (سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۶۱۴)

احتیاط وتقویٰ وفکر آخرت:

حضرت عبداللہ بن مبارک ورع وتقویٰ کے مقام بلند پر فائز تھے، طلب علم ہی کے زمانے سے وہ نہایت محتاط اور متقی تھے، مشہور بزرگ حضرت شقیق بلخی نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ کیا بات ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ہمارے ساتھ کچھ دیر بھی نہیں بیٹھتے، فرمایا میں صحابہ اور تابعین کے ساتھ بیٹھتا ہوں، ان کی کتابوں اور آثار کو پڑھتا رہتا ہوں، تم لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کیا کروں گا، تم لوگوں کی مجلسوں میں غیبت بھی ہونے لگتی ہے۔ (ج:۷، ص:۶۱۵)

حسن بن عرفہ کہتے ہیں کہ ایک بار مجھ سے فرمایا کہ میں نے ملک شام میں ایک شخص سے ایک قلم بطور عاریت کے لیا، میں اسے واپس کرنا بھول گیا، جب اپنے وطن مرو واپس آیا، تو اس قلم پر نگاہ پڑی، تو میں پھر ملک شام لوٹا، اور قلم واپس کیا۔ (ج:۷، ص:۶۱۳)

ایک قلم کی واپسی کے لئے طول طویل سفر وہی کرسکتا ہے، جس کے قلب میں امانت ودیانت اور تقویٰ کا ایسا جذبہ ہو کہ دنیا کا تمام مفاد اس کے سامنے ہیچ ہو، بظاہر انھوں نے اپنے وقت کا بہت نقصان کیا، لیکن اس سے انھیں جو درجات ملے ہوں گے، دنیا میں جو

محبوبیت ملی ہوگی وہ دنیا کے ہر مفاد سے بالاتر ہے۔

فکر آخرت کا حال ملاحظہ ہو، حضرت سوید بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو مکہ میں دیکھا کہ وہ زمزم پر تشریف لائے، اور زمزم کا پانی نکالا پھر قبلہ رو ہو گئے، اور یوں دعا کی:

> ”اے اللہ! ابن ابی الموال نے ہم سے حدیث بیان کی، وہ محمد بن منکدر سے روایت کرتے ہیں، وہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماء زمزم لما شرب له (زمزم کا پانی جس مقصد کے لئے پیا جائے، اس میں مفید ہے) تو میں اسے قیامت کے دن کی پیاس کے لئے پی رہا ہوں پھر اسے پیا۔ (ج: ۷، ص: ۶۱۲)

حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے: اصحاب بصیرت چار چیزوں سے مطمئن نہیں ہوتے۔ (۱) گناہ سے، جو ہو چکا ہے، معلوم نہیں حق تعالیٰ اس کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے، (۲) عمر سے، معلوم نہیں اس میں کتنی ہلاکتیں ہوں، (۳) فضل سے جو بندے کو دیا گیا، شاید وہ مکر و استدراج ہو، اور ضلالت ہو، جو مزین کر دی گئی ہو اور آدمی اسے ہدایت سمجھ رہا ہو، (۴) قلب کی کجی سے کہ آدمی کا دین چھن جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو۔

(ج: ۷، ص: ۶۲۰)

سخاوت و فیاضی:

اہل علم حضرات میں مال و دولت کی فراوانی کم پائی گئی، ان حضرات کی توجہ علم اور عبادت اور تعلیم دینے کی جانب رہا کرتی ہے، ان مشاغل میں کسب مال و دولت کی کہاں فرصت کہ مالدار ہو سکیں، اس لئے عموماً علماء کا طبقہ غریب و نادار ہی رہا کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ ظاہری ہیئت اور رہن سہن کے اعتبار سے انھیں غریب نہیں سمجھا جا سکتا۔

تاہم اس مقدس طبقہ میں بعض حضرات کو اللہ تعالیٰ نے مال دولت کی فراوانی سے نوازا بھی ہے، ان میں مشہور تر امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ ہیں، اللہ نے علم و فقہ، عقل و دانش

کے ساتھ دولت دنیا سے بھی انھیں اتنا معمور کیا تھا کہ بایدوشاید، ان کے تلامذہ میں حضرت عبداللہ بن مبارک کو بھی علم وعقل کے ساتھ دولت وثروت کا عظیم حصہ ملا تھا، اور جس قدر دولت ملی تھی، اسی کے اندازے سے دل بھی انھیں عطا ہوا تھا، سخاوت وفیاضی اور دریادلی کے ایسے ایسے واقعات علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل کئے ہیں کہ عقل انگشت بدنداں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب حج کا سفر کرتے، تو اپنے ساتھ ایک بڑا قافلہ لے کر جاتے، اور سب کے اخراجات خود برداشت کرتے، علامہ ذہبی نے ان کا معمول اس طرح نقل کیا ہے کہ جب حج کے سفر کا وقت آتا، تو آپ کے وطن کے بہت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور درخواست کرتے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ سفر میں چلیں گے، آپ فرماتے کہ مصارفِ سفر لاؤ، ان سے وہ سب لے لیتے اور الگ الگ تھیلیوں میں رکھ کر ایک صندوق میں مقفل کرادیتے، پھر ان کے لئے کرایہ کی سواریاں حاصل کرتے، اور مرو سے بغداد تک، پھر وہاں سے مدینہ شریف تک خوب کھلاتے پلاتے اور اچھے لباس میں لے جاتے، مدینہ پہونچ کر ہر ایک سے دریافت کرتے کہ تمہارے گھر والوں نے مدینہ شریف کے کس کس سامان کی فرمائش کی ہے، پھر ہر ایک کی فرمائش کا سامان خریدتے، اس کے بعد مکہ شریف لے کر جاتے، حج سے فارغ ہونے کے بعد ہر ایک لئے مکہ شریف کے سامان ان کی فرمائش کے مطابق خریدتے، اور پھر اسی شان کے ساتھ مرو واپسی ہوتی، وطن واپس آکر ہر ایک کے گھر اور در کی مرمت حسب ضرورت کراتے، اور سب کی دعوت کرتے، کھانا بھی کھلاتے اور کپڑے بھی پہناتے، پھر صندوق منگا کر سب کی تھیلیاں واپس کردیتے۔ (ج:۷، ص:۶۰۶)

اسی طرح ایک مرتبہ آپ بغداد سے بہ نیت جہاد عازم سفر ہوئے، اس سفر میں حضرات صوفیہ آپ کے ہم رکاب ہوئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ تو احتیاط کرتے ہو کہ کوئی تم پر خرچ کرے، تو اپنے اپنے اخراجات لاؤ، میں انھیں انتظام سے خرچ کروں گا،

خادم سے فرمایا کہ ایک طشت لاؤ، اس پر انھوں نے رومال ڈال دیا، اور فرمایا کہ اسی رومال کے نیچے جو کچھ تمہارے پاس ہے ڈال دو، پس کسی نے دس، کسی نے بیس درہم ڈال دئے، پھر سفر میں مقام جہاد تک پہونچنے میں آپ انھیں کھلاتے پلاتے رہے، جب معرکہ کی جگہ پہونچے، تو فرمایا کہ یہاں سے جہاد میں ادھر ادھر جانا پڑے گا، اللہ جانے کون کہاں جائے، اس لئے جو رقم بچ گئی ہے، اسے ہم تقسیم کئے دیتے ہیں، تو ہر ہر شخص کو بیس بیس دینار (اشرفیاں) دینے لگے، وہ کہتے کہ ابوعبدالرحمٰن! میں نے تو بیس درہم (چاندی کے سکے) دئے تھے، فرماتے لے بھی لو، ہمارے لئے کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مجاہد اور غازی کے مال میں برکت عطا فرمائیں۔ (ج:۷،ص:۶۰۶)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے ایثار وسخاوت کے عجب انداز تھے، طرسوس ایک جگہ ہے، وہاں ان کا آنا جانا بکثرت ہوتا تھا، راستے میں ایک مسافر خانہ میں اترا کرتے تھے، وہاں ایک نوجوان ان کی خدمت کرتا، اور ان سے حدیثیں بھی حاصل کرتا، ایک بار حضرت عبداللہ تشریف لائے، تو وہ نہیں ملا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ دس ہزار درہم کا مقروض تھا، عدم ادائیگی کی وجہ سے جیل میں بند ہے، آپ نے قرض خواہ کا پتہ لگایا، اور اسے دس ہزار درہم ادا کردئے اور تاکید کی کہ میری زندگی تک کسی کو بتانا مت، وہ نوجوان رہا ہوگیا، حضرت عبداللہ رات میں وہاں سے چل دئے، اسے معلوم ہوا تو کافی دور جاکر ان سے ملاقات کی، پوچھا تم کہاں تھے، تم سے سرائے میں ملاقات نہیں ہوئی، کہنے لگا میں قرض کی وجہ سے جیل میں تھا، پوچھا تو کیسے چھوٹے؟ کہا ایک آدمی آیا تھا، اس نے میرا قرض ادا کردیا، فرمایا اللہ کا شکر بجالاؤ، اس کو یہ خبر نہیں ہوئی کہ یہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے قرض ادا کیا ہے، ان کی وفات کے بعد اسے علم ہوسکا۔

ان کے پاس ایک حاجت مند آیا، اس نے عرض کیا میرے اوپر قرض کا بوجھ ہے، میرا بوجھ آپ ہلکا کردیں، آپ نے اپنے کارندے کے پاس ایک رقعہ لکھ کر بھیج دیا، اسے رقعہ ملا تو اس نے دریافت کیا تم پر کتنا قرض ہے؟ وہ بولا کہ سات سو درہم، اس نے دیکھا کہ

رقعہ میں سات ہزار درہم لکھا ہوا ہے، اس کارندے نے اس سلسلے میں ان سے مراجعت کی کہ اس طرح تو ساری آمدنی فنا ہوجائے گی، حضرت عبداللہ نے لکھا اگر آمدنی فنا ہوجائے گی تو عمر بھی تو فنا ہورہی ہے، اگر سہواً سبقت قلم ہوگئی ہے، تو تم اسے پورا کرو۔

(ج:۱، ص:۶۰۷)

مال و دولت کی فراوانی کا مقصود ان کے یہاں یہی تھا کہ اس راستے سے بھی زیادہ سے زیادہ اطاعت خداوندی کی جاسکے۔

حضرت فضیل بن عیاض نے ایک بار ان سے دریافت کیا کہ آپ تو ہمیں زہد کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مال کم سے کم رکھو، بس اتنا کہ زندگی کا کام آسانی سے چلتا رہے، اور آپ کو دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے سامان تجارت لاتے رہتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ اس لئے کرتا ہوں کہ اپنے آپ کی حفاظت کروں، اور اپنی آبرو کو معزز رکھوں، اور اس سے اللہ کی طاعت و بندگی پر مدد حاصل کروں، حضرت فضیل سے فرمایا اگر یہ بات ہوجائے، تو کتنی اچھی بات ہے۔

ایک مرتبہ انھوں نے حضرت فضیل سے فرمایا کہ اگر آپ اور آپ کے اصحاب نہ ہوتے، تو میں تجارت کی مشغولیت نہ اختیار کرتا، وہ ہر سال فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے۔ (ایضاً)

حسن بن حماد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس ابواسامہ حاضر ہوئے، انھوں نے ابواسامہ کے چہرے پر فقر وفاقہ کا اثر دیکھا، جب باہر نکلے تو انھوں نے ان کے پاس چار ہزار درہم بھیجے، اور انھیں لکھا:

وفتى خلا من ماله   ومن المروءة غير خال
أعطاك قبل سواله   وكفاك مكروه السوال

ایک جوان ہے، جو اپنے مال سے خالی ہوگیا ہے، لیکن شرافت سے خالی نہیں ہے، سوال سے پہلے اس نے تمہیں دے دیا اور سوال کی ناگواری سے تمہیں بچالیا۔

شجاعت:

حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمہ علم وتفقہ، زہد وتقویٰ اور ایثار وسخاوت کے ساتھ بے مثل جری اور بہادر بھی تھے، جہاد میں شریک ہونا ان کا ایسا ہی معمول تھا، جیسا تعلیم دینا اور حج کرنا، جہاں بہادروں کا دم چھوٹتا، وہاں حضرت عبد اللہ بن مبارک بطل عظیم بن کر نمودار ہوتے۔

اہل روم سے جہاد ہورہا تھا، دونوں طرف کی صفیں آراستہ ہوئیں، تو دشمنوں کی صف سے ایک جنگجو برآمد ہوا، اس نے مقابلہ کے لئے للکارا، مسلمانوں میں سے ایک جواں مرد سامنے آیا، اور شہید ہوگیا۔ اس نے پھر للکارا، دوسرے آدمی کو بھی اس نے جامِ شہادت پلادیا، پھر تیسرے کو بھی شہادت کی آغوش میں سلادیا، چوتھی مرتبہ اس نے للکارا، تو اب جو جانباز نکلا، وہ کچھ دیر اسے طرح دیتا رہا، اور پھر تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوکر رہ گیا، لوگوں نے اس بہادر مرد کو گھیر لیا اور خاصا ہجوم ہوگیا، وہ اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھا، دیکھا گیا تو وہ حضرت عبد اللہ بن مبارک تھے۔ (ج:۷، ص:۶۱۲)

حضرت عبد اللہ بن مبارک کے رفقاء میں ایک صاحب عبد اللہ بن سنان ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن مبارک اور معتمر بن سلیمان کے ساتھ طرسوس میں تھا، اچانک جہاد کے لئے روانگی کا اعلان ہوا، لوگوں کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مبارک بھی نکلے، جب دونوں طرف کی صفیں مقابلے میں کھڑی ہوگئیں تو رومیوں کی طرف سے ایک پہلوان نکلا، اور دعوت مبارزت دی، ایک مسلمان نکلا، اس نے سخت حملہ کیا اور اسے شہید کردیا۔ اس طرح چھ مسلمانوں کو قتل کردیا، پھر وہ فتح وظفر کے غرور میں دونوں صفوں کے درمیان اکڑتا رہا، اور دعوت مبارزت دیتا رہا، لیکن مسلمانوں کی طرف سے کوئی نکلنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، تو حضرت عبد اللہ بن مبارک میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! اگر میں قتل ہوجاؤں، تو یہ یہ کرنا، پھر انھوں نے اپنے گھوڑے کو حرکت دی، اور اس کافر پہلوان کے سامنے جا کھڑے ہوئے، تھوڑی دیر دونوں الجھے رہے، بالآخر حضرت عبد اللہ

نے اسے جہنم رسید کیا، پھر انھوں نے دعوتِ مبارزت دی، دوسری طرف سے ایک اور پہلوان نکلا، اسے بھی مار ڈالا، اب ادھر سے پہلوان نکلتے رہے اور ڈھیر ہوتے رہے، جب چھ کافر جہنم رسید ہو چکے تو ادھر سستی ہو گئی، پھر کوئی نہ نکلا، حضرت عبداللہ کچھ دیر تک دونوں صفوں کے درمیان گھوڑا دوڑاتے رہے، پھر اچانک روپوش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد وہیں آ موجود ہوئے جہاں سے گئے تھے، مجھ سے چپکے سے کہا میری زندگی بھر اس واقعہ کو کسی سے مت ذکر کرنا۔ (ج:۷،ص:۶۲۱)

علمی کمالات:

تحصیل علم کا وہ شوق تھا کہ اس کی وجہ سے آدمیوں کی صحبت سے گریزاں رہتے تھے، حضرت نعیم بن حماد نے فرمایا حضرت عبداللہ بن مبارک بکثرت گھر میں رہا کرتے تھے، ان سے کسی نے کہا کہ آپ کو تنہائی سے وحشت نہیں ہوتی، فرمایا کہ کیوں ہوگی، میں تو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کی صحبت میں رہتا ہوں۔

حضرت احمد عجلی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مبارک حدیث میں ثقہ اور ثبت ہیں، مرد صالح ہیں، شعر بھی کہتے ہیں، علم کے جامع ہیں۔

عباس بن مصعب فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ جامع تھے، حدیث کے، فقہ کے، عربیت کے، تاریخ کے، شجاعت کے، سخاوت کے، تجارت کے، اور جدائی میں محبت کے۔

یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ جب میں کسی دقیق مسئلے کی تحقیق کرتا ہوں، اور عبداللہ بن مبارک کی کتابوں میں نہیں پاتا، تو اس سے مایوس ہو جاتا ہوں، یعنی پھر امید نہیں ہوتی کہ کہیں ملے گا۔

شعیب بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے ابواسامہ سے سنا کہ ابن مبارک محدثین میں اس مرتبہ کے ہیں جیسے لوگوں میں امیر المومنین۔

ان کے علم و فضل کی وجہ سے اس دور میں انھیں جو مقبولیت حاصل تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ خلیفہ عباسی ہارون رشید ایک بار شہر رقہ میں وارد ہوئے،

وہاں حضرت عبداللہ بن مبارک بھی تشریف لائے، شہر والوں کو جب علم ہوا، تو بے تحاشا لوگ ان کے پیچھے دوڑ پڑے، اتنا ہجوم ہوا کہ جوتے ٹوٹ ٹوٹ گئے، اور فضائے آسمانی گرد و غبار سے بھر گئی، امیر المومنین کے محل تک یہ آوازہ پہونچا، تو ان کی ایک حرم نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ بتایا گیا کہ خراسان کے ایک عالم تشریف لائے ہیں، اس نے کہا واللہ یہ حکومت ہے، ہارون کی حکومت کچھ نہیں ہے کہ لوگ بغیر پولیس اور فوج کے جمع ہوتے ہی نہیں۔

جب حضرت عبداللہ بن مبارک کا وصال ہوا، تو خلیفہ ہارون رشید نے کہا کہ سید العلماء کا انتقال ہو گیا۔

حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضراتِ صحابۂ کرام ﷡ اور حضرت عبداللہ بن مبارک کی سیرتوں اور حالات میں غور کیا، تو ان میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں پایا کہ حضراتِ صحابہ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور غزوات میں آپ کی معیت حاصل تھی، یعنی اس صحبت و معیت کی بڑی فضیلت کے علاوہ اور کمالات میں وہ صحابہ کے ہو بہو نمونہ تھے۔

مشہور محدث حضرت یحییٰ بن معین کے سامنے حضرت عبداللہ بن مبارک کا تذکرہ آیا، تو ایک شخص نے کہا عبداللہ، حافظ حدیث نہ تھے، اس پر حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ عبداللہ، عقلمند، محقق اور معتبر عالم تھے، ان کی حدیثیں سب صحیح ہیں، ان کی وہ کتابیں، جن میں سے وہ حدیث بیان کرتے تھے، ان میں حدیثوں کی تعداد بیس یا اکیس ہزار تھی۔

واقعات و ارشادات:

حضرت عبداللہ بن مبارک بڑا حکیمانہ دماغ رکھتے تھے، ان کے احوال و واقعات اور ارشادات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکمت کے سرچشمے ان کے دل و دماغ سے جاری تھے، لوگوں نے انھیں فقیہ ترین عالم کہا، عقلمند ترین انسان کہا، اپنے زمانے میں امت کا سب سے بڑا خیر خواہ کہا، سب سے بڑھ کر دیانت دار مانا، اور یہ بالکل صحیح ہے۔ ان کے انداز نرالے

تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر تھا، اسے چھینک آئی، اس نے **الحمد للہ** نہیں کہا، آپ نے اس سے پوچھا کہ جب چھینک آئے تو کیا پڑھنا چاہئے؟ اس نے کہا **الحمد للہ**، تب آپ نے فرمایا **یرحمک اللہ**۔

بات یہ ہے کہ چھینکنے والا جب **الحمد للہ** کہے، جبھی سننے والا **یرحمک اللہ** کہے گا، اور اگر چھینکنے والا خاموش رہ جائے تو پھر **یرحمک اللہ** کا وہ مستحق نہیں، حضرت عبداللہ بن مبارک اسے دعا دینا چاہتے تھے، اس لئے اس سے پوچھا، پھر اس نے جونہی **الحمد للہ** کہا، اسے **یرحمک اللہ** (اللہ تم پر رحم فرمائے) کی دعا دی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کو بعض لوگ اس بات پر ملامت کر رہے تھے، کہ وہ اپنا مال دوسرے دوسرے شہروں میں بھیجتے اور تقسیم کرتے ہیں، اور خود اپنے شہر والوں کو زیادہ نہیں دیتے۔

فرمایا کہ میں ان لوگوں کا مرتبہ جانتا ہوں جو صاحب فضل و کمال ہیں اور وہ بڑے سچے لوگ ہیں، وہ حدیث کے طالب علم ہیں، انھوں نے بڑی محنت اور خوبی سے حدیث کا علم سیکھا، کیونکہ لوگوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے، وہ زیادہ صاحب حاجت ہیں، اگر ہم انھیں چھوڑ دیں تو ان کا علم ضائع ہو جائے گا، اور اگر ہم ان کی مدد کریں گے تو وہ امت محمدیہ **علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام** کے واسطے علم پھیلائیں گے، اور نبوت کے بعد علم کی نشر و اشاعت سے افضل کوئی کام میں نہیں جانتا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک ایک اندھے آدمی کے پاس سے گزرے، اس کو دیکھا تو انھیں بڑا ترس آیا، اس نے کہا کہ آپ اللہ سے دعا کریں کہ میری آنکھ واپس کر دیں، انھوں نے اللہ سے دعا کی، راوی ابو وہب کہتے ہیں کہ میرے سامنے ہی اس کی بینائی لوٹ آئی۔

حبیب جلّاب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے سوال کیا کہ

انسان کو جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف ملتا ہے، اس میں سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ عقل کا ملکہ، عرض کی: اگر وہ نہ ہو؟ فرمایا حسن ادب، میں نے کہا اگر وہ نہ ہو؟ فرمایا مہربان بھائی جس سے مشورہ کرے، میں نے پھر کہا، اگر وہ بھی نہ ہو؟ فرمایا طویل سکوت، میں نے کہا اگر وہ بھی نہ ہو؟ فرمایا تو فوری موت۔

فرمایا کہ جو کوئی علم میں بخل کرتا ہے، وہ تین چیزوں میں مبتلا ہوتا ہے، یا تو مر جاتا ہے، اور اس کا سب علم جاتا رہتا ہے، یا بھول جاتا ہے، یا حکومت کا ملازم ہو جاتا ہے، اور اس کا علم جاتا رہتا ہے۔

فرمایا کہ علم کا پہلا نفع یہ ہے کہ ایک دوسرے کو فائدہ پہنچایا جائے۔

فرمایا کہ دنیا کی محبت دل میں ہے، اور گناہوں نے اسے وحشت کدہ بنا دیا ہے، بھلا خیر وہاں تک پہونچے تو کیونکر پہونچے۔

فرمایا کہ آدمی کو جب اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوتی ہے، تو وہ اپنے نزدیک کتے سے زیادہ ذلیل محسوس ہوتا ہے۔

فرمایا کہ نیت ایسی چیز ہے کہ وہ چھوٹے عمل کو بڑا بنا دیتی ہے، اور بڑے عمل کو چھوٹا بنا دیتی ہے۔

یعنی حسن نیت سے چھوٹا اور تھوڑا عمل بڑا اور کثیر ہو جاتا ہے، اور بد نیتی سے بڑا اور کثیر عمل چھوٹا اور حقیر ہو جاتا ہے۔

ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے اپنی سند سے ایک روایت بیان کی جس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

البركة مع اكابركم (۱) برکت تمہارے اکابر کے ساتھ ہے۔

---

(۱) یہ روایت حدیث کی متعدد کتابوں میں ہے، مثلاً مستدرک حاکم، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، جمع الجوامع للسیوطی، کنز العمال، حلیۃ الاولیاء وغیرہ۔

اکابر وہ ہیں، جو دین میں بڑے ہیں، ان میں اولاً تو صحابۂ کرام ہیں، اور پھر وہ سب لوگ ہیں جو دینی اعمال وعقائد میں کامل ہیں۔

وفات:

حضرت عبد اللہ بن مبارک کی وفات سفر میں ہوئی، آپ کی طبیعت جب زیادہ خراب ہوئی تو اس وقت آپ کشتی میں تھے، آپ نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ ستو ہو، ہم نے تلاش کیا تو ایک ایسے شخص کے پاس ملا، جو بادشاہ کا ملازم تھا وہ ہمارے ساتھ کشتی میں تھا، ہم نے ان سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا رہنے دو، چھوڑو، اسے نہیں استعمال کیا، تا آنکہ وصال ہوگیا۔

امام یعقوب فسوی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حسن بن ربیع حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے انتقال کے وقت موجود تھے، انھوں نے فرمایا کہ ان کا وصال ۱۰/ رمضان المبارک ۱۸۱ھ کو صبح کے وقت ہوا، اور ھیت میں دفن کیے گئے۔

حضرت ابو حاتم فربری فرماتے ہیں کہ میں نے وفات کے بعد حضرت عبد اللہ بن مبارک کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے دروازے پر کنجی لئے کھڑے ہیں، میں نے عرض کیا، آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ فرمایا کہ یہ جنت کی کنجی ہے، مجھے رسول اللہ ﷺ نے دے کر فرمایا کہ یہیں ٹھہرو میں اپنے رب کی زیارت کرلوں، اس وقت تک تم آسمان پر میرے امین رہو، جیسے زمین پر تم میرے امین تھے۔

اسمٰعیل بن ابراہیم مصیصی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حارث بن عطیہ کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا کہ میری مغفرت ہوگئی، میں نے کہا عبد اللہ بن مبارک کہاں ہیں، کہنے لگے کیا خوب، وہ تو علیین میں ہیں، اور وہ ان لوگوں میں ہیں، جو ہر روز دو مرتبہ اللہ کے حضور حاضری دیتے ہیں۔

حضرت نوفل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن مبارک کو خواب میں دیکھا، اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا تحصیل حدیث کے واسطے

میرے اسفار کی بنا پر مجھے بخش دیا، تم قرآن کو اپنے اوپر لازم کرو، تم قرآن کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

ہم نے حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمہ کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے، حق تو یہ ہے کہ ان کی مفصل سوانح عمری لکھی جائے، ایسے ہمہ جہت کمالات کے مالک امت میں کم گزرے ہیں، علم میں کامل، عبادت وعمل میں نمونہ، مالداری میں حیرتناک، اور سخاوت میں حیرتناک تر، شجاعت میں فرد، جہاد فی سبیل اللہ میں سب سے بڑھ کر، بزرگی وتقویٰ میں صحابۂ کرام کی ہو بہو تصویر، تہجد گزاری اور شب بیداری میں نہ تھکتے نہ اکتاتے، بس وہ اللہ کی نشانیوں میں ایک نشانی تھے، ان پر ان کے معاصرین کا بھی اتفاق ہے، اور بعد والے بھی ان کی عظمت وجلالت کے معترف ہیں، شاید وہ واحد ایسے عالم ہیں، جن پر کسی ناقد ومحدث نے جرح نہیں کی ہے۔ **رحمه الله وأفاض علينا من بركاته وعلومه وحسناته**، آمین

☆☆☆☆☆

حضرت عمرو بن عتبہ بن فرقد علیہ الرحمہ

حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف انھیں حاصل ہے، حضرت عمرو ان کے جلیل القدر صاحبزادے ہیں، اور اکابر تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں، عبادت وریاضت کا انھیں خاص ذوق حاصل تھا، عموماً راتوں کو سوتے نہ تھے، رات کا بیشتر حصہ نماز میں گزارتے تھے، بعض اوقات پوری رات عبادت میں گزار دیتے، اس محنت وریاضت کی وجہ سے لاغر ہوگئے تھے، بدن پر زردی چھائی رہتی تھی، طبقات ابن سعد میں ہے کہ ان کے والد حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں سے ایک مرتبہ کہا کہ، عمرو پیلے کیوں ہوتے جارہے ہیں؟ انھوں نے ان کے ضعف ولاغری کا تذکرہ کیا، تو گھر والوں نے ان کا بستر ایسی جگہ بچھایا جہاں حضرت عتبہ انھیں دیکھ سکیں، حضرت بستر پر آئے، تو لیٹنے اورسونے کے بجائے نماز میں لگ گئے۔ اور اس میں انھوں نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی، جب اس آیت وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِينَ (سورہ غافر: ۱۸) پر پہونچے، تو اتنا روئے کہ ان کا دم گھٹنے لگا۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے، اور انھیں ڈر کی بات سنا دو نزدیک آجانے والے دن کی، جب کہ قلوب حلق تک آجائیں اور لوگ انھیں (ہاتھوں سے) دبا رہے ہوں گے (کہ کہیں دہشت کی وجہ سے سانس کے ساتھ باہر نہ نکل آئیں) اتنا دم گھٹا کہ آواز بند ہوگئی، پس وہ بیٹھ گئے، تھوڑی دیر بعد پھر کھڑے ہوئے، اور دوبارہ پڑھنا شروع کیا، پھر جب مذکورہ بالا آیت پر پہونچے تو بے تحاشا گریہ طاری ہوا، اور آواز بند ہوگئی، اور بیٹھ گئے، یہی حال صبح تک رہا، تب حضرت عتبہ نے فرمایا اسی چیز نے میرے بیٹے کا یہ حال کر رکھا ہے۔

(ج:۶ ص:۴۶۴)

ایک مرتبہ حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ نے خواہش ظاہر کی کہ حکومت کے جو سرکاری کام ان کے سپرد ہیں، ان میں ان کے صاحبزادے حضرت عمرو ان کے دست و بازو بنیں، مگر صاحبزادے کا یہ مزاج نہ تھا وہ کچھ اور شے تھے، انھوں نے عرض کیا ابا جان! میں تو ایک غلام ہوں، اپنی گردن آزاد کرانے کے لئے کوشش کر رہا ہوں، یہ سن کر حضرت عتبہ رونے لگے، اور فرمایا میرے بیٹے! مجھے تم سے دوہری محبت ہے، ایک تو اللہ کے لئے ہے، اور میں باپ ہوں، باپ کو بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے، وہ بھی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۴، ص:۱۷۱)

حضرت عمرو بن عتبہ کے قریبی متعلقین میں سے ایک صاحب نے نقل کیا ہے کہ ایک روز شدید گرمی تھی، اور وقت بھی انتہائی گرم تھا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے ہماری آنکھ کھلی، حضرت عمرو غائب تھے، ہم ان کی تلاش میں نکلے تو وہ ایک پہاڑی کے دامن میں سجدے میں تھے، اور ایک بدلی ان پر سایہ کئے ہوئے تھی، اور ہم جب کبھی ان کے ساتھ جہاد میں نکلتے تو رات کو پہرہ دینے کی ضرورت نہ ہوتی تھی کیونکہ وہ رات میں نماز میں مشغول رہتے، ایک رات نماز میں مشغول تھے، اچانک شیر کی دہاڑ گونجی، ہم تو بھاگ نکلے، لیکن وہ نماز میں علیٰ حالہ مصروف رہے، بعد میں ہم نے کہا، کہ آپ کو شیر کا خوف نہیں ہوا۔ فرمایا کہ مجھے اللہ سے شرم آئی کہ میں ان کے علاوہ کسی سے ڈروں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۴، ص:۱۸۲)

کبھی کبھی حضرت عمرو بن عتبہ رات کو سوار ہو کر قبرستان کی طرف نکل جاتے، اور قبروں کے پاس کھڑے ہو کر کہتے کہ اے قبر والو! تمہارے اعمال نامے تو لپیٹ دئے گئے، اور اعمال اوپر پہونچا دئے گئے،، پھر دیر تک روتے اور صبح تک قدم جما کر کھڑے رہتے، پھر لوٹ کر فجر کی نماز میں شریک ہوتے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۴، ص:۱۷۳)

مشہور محدث حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ حضرت عمرو نے ایک بار فرمایا کہ میں نے اللہ سے تین چیزیں مانگی تھیں، جن میں سے دو چیز تو مل گئی، تیسری کا منتظر ہوں، پہلی چیز

یہ مانگی کہ مجھے دنیا خوب عطا ہو، لیکن اس کی پرواہ نہ ہو کہ اس میں کیا آگے ہوئی اور کیا پیچھے رہی، یعنی دنیا کی اور مال کی محبت بالکل نہ ہو، یہ چیز مل گئی۔ دوسری چیز یہ مانگی کہ مجھے نماز کی قوت حاصل ہو، تو یہ چیز بھی مل گئی، تیسری چیز شہادت مانگی ہے، اس کے انتظار میں ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ تیسری دعا بھی قبول فرمائی، وہ ایک جہاد میں شریک ہوئے اور اس میں سفید جبہ زیب تن کیا اور کہا کہ اس پر خون بہے گا تو بہت اچھا معلوم ہوگا۔ اسی جنگ میں دشمن نے ان کے سر پر ایک پتھر کھینچ کر مارا، تو ان کا سر زخمی ہو گیا اور خون کی دھار اس سفید جبہ پر بہنے لگی، اسی زخم میں شہادت کی سعادت حاصل کی، **فرحمه الله رحمةً واسعةً**

(حلیۃ الاولیاء، ج:۴، ص:۱۷۱)

☆☆☆☆☆

حضرت عطا بن میسرہ خراسانی علیہ الرحمہ

مشہور تابعی ہیں، ۵۰ھ میں پیدا ہوئے، فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ حاضر ہوا، تو صحابۂ کرام زیادہ تر دنیا سے جاچکے تھے، انھیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی زیارت اور تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ (**سیر اعلام النبلاء** ، ج:۶، ص:۳۵۹) بڑے صاحب علم تھے، اور ساتھ ہی ساتھ بہت عبادت گزار اور شب بیدار تھے، سفر حضر ہر جگہ تہجد اور قیام لیل کا اہتمام رکھتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر بیان کرتے ہیں کہ ہم کئی لوگ ایک جہاد میں حضرت عطا کے ساتھ شریک تھے، وہ میدان جہاد میں رات رات بھر نماز پڑھتے تھے، جب رات کا ایک تہائی حصہ یا نصف حصہ گزرتا، تو وہ اپنے خیمے سے آواز لگاتے کہ اے عبدالرحمٰن بن یزید، اور اے یزید بن یزید، اور اے ہشام بن الفاز، اور اے فلاں، اور اے فلاں اٹھو وضو کرو، نماز پڑھو، کیونکہ رات میں نماز کا پڑھنا اور دن میں روزہ رکھنا، کچ لہو پینے سے، اور لوہے کی بیڑیاں پہننے سے آسان ہے، جلد اٹھو، جلد اٹھو، اپنا بچاؤ کرو، اپنا بچاؤ کرو، یہ کہہ کر پھر نماز میں مشغول ہوجاتے۔

حضرت عطا خراسانی کا یہ عام دستور تھا کہ ابتداء سے اخیر رات تک شب بیداری کرتے، صرف صبح صادق کے وقت ایک ہلکی نیند سوتے۔

(**حلیۃ الاولیاء**، ج:۵، ص:۲۲۰)

ان کی عبادت گزاری کا حال ایک اور صاحب عمر بن ابی خلیفہ کی روایت سے صاحب حلیہ نقل کرتے کہ ایک روز میں نے حضرت عطا کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی، نماز

کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ مغرب سے عشاء تک کا وقت دیکھتے ہو، یہ غفلت کا وقت ہے، اس وقت نماز اوّابین ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں اور بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینے والوں کی نماز کا وقت ہے، جس شخص نے نماز میں قرآن اول سے آخر تک پڑھا، تو وہ جنت کے باغوں میں ہے۔ (حوالہ سابق)

حضرت عطاء کا انتقال ۱۳۵ھ میں ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت ابوعثمان نہدی علیہ الرحمہ

حضرت ابوعثمان نہدی ان تابعین میں ہیں، جنھوں نے نبی کریم ﷺ کا زمانہ پایا، لیکن آپ کی زیارت کا شرف انھیں حاصل نہیں ہوا، ایسے حضرات کو **مُخَضرَم** کہا جاتا ہے، جیسے کہ حضرت اویس قرنی علیہ الرحمہ تھے، البتہ اتنا ہے کہ انھوں نے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کے بھیجے ہوئے عامل صدقہ کو اپنے مال کی زکوٰۃ دی تھی۔

حضرت ابوعثمان کا تعلق بنو قضاعہ سے تھا، انھوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بصرہ چلے گئے، فرماتے تھے کہ میں اس شہر میں رہنے کا روادار نہیں جس میں نواسۂ رسول قتل کئے گئے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہا ہوں، انھیں نماز و عبادت کا بہت ذوق تھا، نماز تو ایسی پڑھتے تھے کہ کبھی کبھی بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے، مشہور عبادت گزار تابعی حضرت سلیمان تیمی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انھوں نے عبادت کا ذوق اور سلیقہ حضرت ابوعثمان نہدی ہی سے حاصل کیا تھا۔

حضرت سلیمان تیمی کے صاحبزادے معتمر اپنے والد کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابوعثمان کو دنیا چھو کر نہیں گزری تھی، رات ان کی نماز کے قیام میں بسر ہوتی تھی، اور دن میں روزہ رکھتے تھے، نماز تو اتنی طویل پڑھتے تھے کہ کبھی کبھی غشی طاری ہو جاتی تھی۔ مشہور حافظ حدیث حضرت عاصم احول فرماتے ہیں کہ حضرت ابوعثمان نہدی ....جیسا کہ مجھے معلوم ہوا............ مغرب اور عشاء کے درمیان سو رکعت پڑھتے تھے۔

حضرت ابوعثمان نے لمبی عمر پائی، ایک بار خود ہی فرمایا کہ میری عمر ایک سو تیس ہو چکی ہے، ۱۰۰ھ میں انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۵، ص:۱۸۵)

☆☆☆☆☆

حضرت سلیمان تیمی علیہ الرحمہ

شیخ الاسلام، امام سلیمان بن طرخان تیمی، تابعین میں اونچا مرتبہ رکھتے ہیں، مشہور ناقد حدیث امام شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمان تیمی سے زیادہ سچا آدمی نہیں دیکھا، جب وہ نبی کریم ﷺ کے حوالہ سے روایت بیان کرتے، تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت سلیمان بڑے عبادت گزار، کثیر الحدیث اور نہایت معتبر آدمی تھے، عشاء کے وضو سے پوری رات نماز پڑھا کرتے تھے، وہ اور ان کے صاحبزادے راتوں کو مسجدوں کے چکر لگایا کرتے، کبھی اِس مسجد میں نماز پڑھتے، کبھی اُس مسجد میں پڑھتے، صبح تک یہی عمل دونوں کرتے۔

حضرت سلیمان کے صاحبزادے معتمر نے ایک صاحب سے فرمایا کہ اگر تم میرے گھر والے نہ ہوتے، تو میں اپنے والد کی یہ بات نہ بتاتا، جو بتانے جارہا ہوں، چالیس سال تک میرے والد صاحب کا یہ حال رہا کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے، اور فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے۔

ایک بزرگ رقیہ بن مصقلہ فرماتے ہیں کہ میں نے پروردگار عالم کو خواب میں دیکھا، ارشاد فرمایا کہ سلیمان کو میں عزت کا مقام عطا کروں گا۔ اس شخص نے چالیس سال تک میرے لئے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی ہے۔

حضرت سلیمان نوعمری ہی سے عبادت وریاضت میں منہمک ہوگئے تھے، لوگوں کا خیال تھا کہ انھوں نے عبادت کا یہ ذوق اور سلیقہ حضرت ابوعثمان نہدی سے پایا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ سلیمان چالیس سال تک بصرہ کی جامع مسجد کے امام رہے، عشاء اور صبح کی نماز ایک ہی وضو سے پڑھتے تھے۔

حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ سلیمان تیمی نے بیس سال تک پہلو کو زمین پر نہیں رکھا۔

حضرت سلیمان تیمی بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے، ابراہیم بن اسماعیل کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان تیمی نے ایک شخص سے پوستین کا لباس مانگ کر پہنا، پھر اسے واپس کر دیا، وہ شخص کہتا ہے کہ اس میں مسلسل مشک کی خوشبو محسوس ہوتی رہی۔

ایک آدمی کو حضرت سلیمان تیمی سے کچھ نزاع تھی، اس نے ان کے پیٹ پر مکا مار دیا۔ اس کے بعد اس کا ہاتھ سوکھ گیا۔

حضرت سلیمان کی وفات بصرہ میں ۹۷ سال کی عمر میں ۱۴۳ھ میں ہوئی، مرض الوفات میں انھوں نے اپنے صاحبزادے حضرت معتمر سے فرمایا، مجھ سے اللہ تعالیٰ کی بخشش ہوئی سہولتیں اور رُخصتیں بیان کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ سے جب ملوں تو حسن ظن کے ساتھ ملوں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۶، ص:۳۹۶)

حضرت سلیمان جس مسجد میں نماز پڑھتے تھے، اس کے مؤذن معمر نامی تھے، انھوں نے بیان کیا، کہ عشاء کی نماز کے بعد وہ میرے قریب ہی نوافل میں مشغول ہو گئے، میں نے سنا کہ وہ سورہ ملک **تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ** الخ پڑھ رہے ہیں، جب وہ اس آیت پر پہونچے **فَلَمَّا رَأَوْہُ زُلْفَۃً سِیْئَتْ وُجُوْہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا** (جب انھوں نے اللہ کے وعدۂ عذاب کو دیکھا تو ان کافروں کے چہرے بگڑ گئے) تو اسے مسلسل دہرانے لگے، اور اتنی دیر تک پڑھتے رہے کہ لوگ مسجد سے نکل نکل کر چلے گئے، اور دہراتے ہی رہے، مؤذن صاحب کچھ دیر انتظار کرتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ یہ سلسلہ بند ہی نہیں ہوتا، تو وہ بھی چلے گئے، کہتے ہیں کہ جب میں صبح کی اذان کیلئے مسجد میں آیا، تو وہ اب بھی یہی آیت دہرائے جارہے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۳، ص:۳۵)

یہ تھی ہمارے اسلاف کی سیرت اور قرآن کریم کی تلاوت میں ان کی محویت اور اس سے تاثر، کہ ایک ایک آیت میں پوری پوری رات گزر جاتی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائیں۔ اور ان کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

☆☆☆☆☆

امام ربّانی حضرت محمد بن واسع بصری تابعی

صحابی وخادم رسول (ﷺ) حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید، عابد وزاہد اور امام وپیشوا!

حضرت محمد بن واسع بڑے عالم اور محدث تھے، مگر حدیث کی روایت کم کرتے تھے، بڑے عبادت گزار تھے، مگر پوشیدہ طور پر کرتے تھے۔

حضرت علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ انھوں نے فقط پندرہ حدیثیں روایت کی ہیں اور ابن شوذب کہتے ہیں کہ حضرت محمد بن واسع کی کوئی عبادت ظاہرہ نہ تھی، اور وہ فتویٰ بھی نہیں دیتے تھے، یعنی بظاہر نہ وہ بہت زیادہ عبادت گزار تھے، اور نہ علم کی نشر واشاعت کا مشغلہ تھا لیکن اس کے باوجود جب کسی سے دریافت کیا جاتا کہ اہل بصرہ میں سب سے افضل کون ہے؟ لوگ باتفاق کہتے محمد بن واسع!

حضرت سلیمان تیمی فرمایا کرتے تھے کہ میری بڑی تمنا ہے کہ کل بروز قیامت اللہ کے حضور اس طرح حاضر ہوں کہ حضرت محمد بن واسع کے جیسا میرا اعمال نامہ ہو۔

حضرت معتمر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد بن واسع جیسا خاشع وخاضع کوئی آدمی نہیں دیکھا، اور حضرت جعفر بن سلیمان فرماتے ہیں کہ جب بھی میں اپنے دل میں غفلت وقساوت محسوس کرتا ہوں تو حضرت محمد بن واسع کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے چہرے کا دیدار کرلیتا ہوں، اس سے دل کی سختی دور ہوجاتی ہے۔

ان کی عبادت اور اس کے اخفا کا حال ملاحظہ فرمائیے، موسیٰ بن یسار کہتے ہیں کہ میں بصرہ سے مکہ تک محمد بن واسع کے ساتھ رہا، وہ پوری رات نمازیں پڑھا کرتے تھے،

البتہ یہ احتیاط تھی کہ اونٹ پر محمل میں بیٹھ کر نمازیں پڑھتے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:٦، ص:٣٤٢)

حلیۃ الاولیاء میں مزید تفصیل ہے کہ وہ اونٹوں کے ہانکنے والوں کو حکم دیتے تھے، کہ ان کے پیچھے آواز بلند کرتے رہیں تا کہ ان کی عبادت کو کوئی جان نہ سکے، کبھی کبھی رات کے آخری حصے میں قافلہ پڑاؤ ڈالتا، تو اس وقت بھی یہ ایک گوشے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے، اور جب صبح ہوتی تو فرداً فرداً سب کو نماز کے لئے جگاتے۔

حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ قاری تین طرح کے ہوتے ہیں، ایک رحمٰن کے لئے ہے، ایک قاری دنیا کے لئے ہے، اور ایک قاری شاہی دربار کیلئے ہوتا ہے، اے لوگو! محمد بن واسع میرے نزدیک رحمٰن کے قاری ہیں۔

حضرت مخلد فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن واسع مشہور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کے ساتھ ایک لشکر میں تھے، ترک ان کے مقابلے میں صف آراء تھے، قتیبہ نے مسجد میں آدمی بھیجا کہ دیکھو وہاں کوئی ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ وہاں حضرت محمد بن واسع اپنی انگلی اٹھائے ہوئے ہیں، قتیبہ نے فرمایا کہ ان کی وہ انگلی مجھے تیس ہزار کے لشکر سے زیادہ محبوب ہے (کہ ان کی دعا کی تاثیر بہت زبردست ہے) (حلیۃ الاولیاء، ج:٢، ص:٣٩٢)

حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ حضرت وہب بن منبہ کے ایک شاگرد نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، انھوں نے عرض کیا کہ آپ کی امت کے ابدال کہاں ہیں؟ آپ نے شام کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت عراق میں بھی کوئی ہے؟ فرمایا: ہاں محمد بن واسع!

حضرت محمد بن واسع کے بہت سے حکیمانہ اقوال وملفوظات نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) ایک شخص نے حضرت محمد بن واسع سے کہا کہ مجھے کوئی وصیت کیجئے، فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ دنیا و آخرت میں بادشاہ بن کر رہو، اس نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ فرمایا کہ زہد اختیار کرو، یعنی دنیا کی رغبت دل سے نکال دو۔

(۲) فرمایا کہ چار چیزیں دل کی موت ہیں۔

(۱) گناہ پر گناہ یعنی حق تو یہ ہے کہ گناہ کے بعد استغفار و توبہ کرلے، اگر توبہ واستغفار کے بعد گناہ صادر ہوا، تو وہ پہلا گناہ ہوگا، اس سے پہلے والا ختم ہو چکا ہے، لیکن آدمی اگر گناہ کرکے توبہ واستغفار نہ کرے، بلکہ اس پر گناہوں کا ردا رکھتا چلا جائے، تو دل مرجاتا ہے، برائی کا احساس دل سے جاتا رہتا ہے۔

(۲) کثرت سے عورتوں کے درمیان رہنا اوران سے گفتگو کرتے رہنا، اس سے دل ایک خاص طرح کی لذت کا عادی ہوجاتا ہے، اوراس سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔

(۳) احمق کی ملاقات، کہ وہ تم سے کچھ کہتا رہے، اورتم بھی اس سے فضول باتیں بولتے رہو، اس سے بھی دل کی موت ہوجاتی ہے۔

(۴) مُردوں کی صحبت وہمنشینی، لوگوں نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب؟ فرمایا ہراس مالدار کی صحبت، جو اپنے مال کے نشے میں چور ہو، اور ظالم بادشاہ کی صحبت۔

(۳) حضرت محمد بن واسع کی مسجد کے قریب ایک واعظ رہا کرتا تھا، ایک دن ان کی خدمت میں آیا اوراپنے سامعین کی شکایت کرنے لگا کہ کیا بات ہے کہ قلوب میں خشوع نہیں پیدا ہوتا، آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں، رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے، حضرت محمد بن واسع نے فرمایا: اے اللہ کے بندے! میرا خیال ہے کہ یہ حالات تمہارے قلبی احوال کے آثار ہیں، ورنہ جب ذکر کی بات دل سے نکلتی ہے، تو دل پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے، یعنی تمہارا دل خود ہی خالی ہے، پھر اثر آئے کہاں سے؟

واعظ کا ہر ارشاد بجا تقریر بہت دلچسپ مگر
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں چہرے پہ یقیں کا نور نہیں

(۴) فرمایا کہ بندہ جب اپنے قلب سے اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے قلوب کواس کی جانب پھیر دیتے ہیں۔

(۵) مالک بن منذر بصرہ کا حاکم تھا، اس نے حضرت محمد بن واسع کو طلب کیا،

اس نے انھیں بصرہ کا منصب قضا پیش کیا، انھوں نے انکار کر دیا، اس نے اصرار کیا، مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے، اس نے دھمکایا کہ میری بات مان لو، ورنہ تمہیں تین سو کوڑوں کی سزا دوں گا، فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گے، تو کر سکتے ہو، کیونکہ تم ہم پر مسلط ہو، لیکن سن لو! دنیا میں اگر کوئی ذلیل ہوا، تو یہ آخرت میں ذلیل ہونے والے سے بہتر ہے۔

اسی طرح کسی اور حاکم نے انھیں حکومت کا کوئی منصب سپرد کرنا چاہا، اور انھوں نے انکار کیا تو وہ غصہ میں کہتا ہے کہ تم احمق ہو، فرمایا کہ مجھے بچپن سے یہی کہا جا رہا ہے، یعنی آج تم کہہ رہے ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

(۶) حضرت محمد بن واسع کے ہاتھ میں ایک پھوڑا تھا، ایک صاحب نے دیکھا تو اس سے گھبرا گئے، حضرت محمد بن واسع نے ان کی گھبراہٹ دیکھی تو فرمایا تمہیں کچھ معلوم ہے کہ اس پھوڑے میں میرے اوپر کیا کیا نعمت ہے؟ وہ خاموش رہا، آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ پھوڑا میری آنکھ پر نہیں ہے، نہ میری زبان پر ہے، نہ میرے عضو خاص پر ہے، ورنہ میرا کیا حال ہوتا۔ اس سے اس شخص کو تسلی ہو گئی۔

(۷) حضرت حماد بن زید فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن واسع ایک شخص کی کسی ضرورت سے ایک صاحب کے پاس پہونچے، تو فرمایا کہ میں ایک ایسی ضرورت کے سلسلے میں آپ کے پاس آیا ہوں، جس کو آپ سے پہلے اللہ کے حضور پیش کر چکا ہوں، تو اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اور آپ یہ ضرورت پوری کر دیں گے، تو آپ قابل تعریف ہوں گے، اور اگر اللہ کی طرف سے اس کے پورا کرنے کا حکم نہیں ہوا، تو آپ اسے پورا نہیں کریں گے، لیکن آپ معذور ہوں گے۔

امام ابونعیم اصفہانی نے فرمایا: حضرت محمد بن واسع علم کو محفوظ رکھنے والے عالم تھے، صرف راوی اور ناقل نہ تھے، یاد کیا اور سیراب ہوئے، ارادہ کیا اور راہ راست پر رہے، کلام اور روایت میں کم، محنت اور روزہ میں بڑھے ہوئے تھے۔ بلا شبہ اسلاف کی یہی شان تھی، وہ بہت کچھ کر کے بھی خاموش ہی رہتے تھے، بلکہ اپنے آپ کو قصور وار سمجھتے تھے۔

حضرت محمد بن واسع بایں مرتبہ و مقام فرماتے تھے کہ اگر گناہوں میں بدبو ہوتی تو تم لوگ میری بدبو کی وجہ سے میرے قریب نہ آتے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۲، ص:۳۹۲)

حضرت محمد بن واسع کی وفات ۱۲۳ھ میں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

امام وہب بن منبہ علیہ الرحمہ

گزشتہ انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں اور ان کے صحائف کے بڑے عالم تھے، مشہور ائمۂ تابعین میں تھے، امیر المومنین سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔

حضرات صحابہ کرام عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری، نعمان بن بشیر، جابر بن عبد اللہ، اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے تلامذہ میں ہیں۔

اسرائیلیات اور اگلے صحفِ سماوی کے بڑے عالم تھے، ان کے والد ہرات کے رہنے والے تھے، کسریٰ نے انھیں ہرات سے شہر بدر کر دیا تھا، عہد نبوت میں یہ مشرف بہ اسلام ہوئے، لیکن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے تھے۔

حضرت وہب فرماتے تھے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے ...... اسرائیلیات کے ...... اور حضرت کعب احبار اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے، اب تم لوگوں کا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جس نے دونوں کا علم اکٹھا کر لیا ہے، یعنی خود حضرت وہب بن منبہ۔

علم وفضل میں بلند پائیگی کے ساتھ حضرت وہب بڑے عابد و مرتاض بھی تھے۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ مثنیٰ بن صباح نے بیان کیا ہے کہ چالیس سال کے عرصے میں حضرت وہب نے کسی ذی روح چیز کو برا بھلا نہیں کہا، اور بیس سال کے دوران کبھی عشاء اور فجر کے درمیان وضو نہیں کیا، یعنی عشاء کے وضو سے رات کے نوافل اور فجر کی نماز ادا کرتے تھے، ان کے بھتیجے عبد الصمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت وہب کی صحبت

میں مسلسل کئی ماہ رہا، وہ فجر کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھتے تھے، امام ذہبیؒ نے ان کے بارے میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ چالیس سال تک بستر پر نہیں سوتے۔

حضرت وہب نے ایک بار اپنے کسی دوست کے بالاخانے پر رات گزاری، رات میں صاحب خانہ کی بچی ادھر گئی، تو اس نے دیکھا کہ ایک شمع روشن ہے، صاحب خانہ نے بھی یہ منظر دیکھا اور دیکھا کہ سورج جیسی روشنی میں وہ قدم جمائے ہوئے ہیں، اس نے صبح کو حضرت وہب سے اس کا تذکرہ کیا، تو فرمایا، اس کو کسی پر ظاہر نہ کرنا، اور احتیاط وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ دن بھر میں جو گفتگو کرتے تھے، اسے یاد رکھتے تھے، اور شام کو سب کا جائزہ لیتے تھے، اگر ان باتوں میں سلامتی ہوتی تھی، تو کھانا کھاتے تھے، ورنہ بھوکے ہی رہ جاتے۔

امام ذہبیؒ نے حضرت وہب بن منبہ کے بہت سے حکیمانہ اقوال نقل کئے ہیں، چند ایک درج کئے جاتے ہیں۔

فرمایا: ہم سے پہلے علماء اپنے علم کو لے کر دوسروں کی دنیا سے بے نیاز ہوا کرتے تھے، چنانچہ دنیاداروں کی طرف التفات بھی نہیں کرتے تھے، اور دنیا والے ان کا علم حاصل کرنے کیلئے اپنی دنیا خرچ کرتے تھے، اب اہل علم کا حال یہ ہے، کہ انھیں دنیا داروں کی دنیا کی ایسی رغبت ہے کہ اس کے لئے اپنا علم خرچ کرتے ہیں، تو دنیا والے ان کے علم سے بے نیاز ہو گئے، کیونکہ انھوں نے علم کو بے موقع استعمال کیا۔

فرمایا: مجھ سے تین باتیں یاد رکھو، خواہش نفس کی پیروی سے بچو، برے ساتھی سے دور رہو، اور اپنی رائے اور عقل پر ہرگز نازاں نہ ہو۔

فرمایا: علم مومن کا خلیل (قلبی دوست) ہے، حلم اس کا وزیر ہے، عقل رہنما ہے، عمل اس کا نگراں ہے، صبر امیر لشکر ہے، مزاج کی نرمی باپ ہے، گفتگو کی نرمی اس کا بھائی ہے۔

فرمایا کہ ایمان کا لباس تقویٰ ہے، اس کی زینت حیا ہے، اور اس کا مال فقہ ہے۔

فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہاری تعریف ایسی خوبی پر کرتا ہے، جو تم میں نہیں ہے، تو خوش مت ہو اور سمجھ لو کہ وہ تمہاری ایسی برائی بھی کرے گا جس سے تم بری ہو۔

فرمایا کہ تین باتیں جسے حاصل ہوگئیں، اسے نیکیوں کا خزانہ مل گیا، سخاوت، تکلیفوں پر صبر اور پاکیزگیٔ کلام۔

فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ مصیبت پر وہی زیادہ گھبراتا ہے جس کو دنیا سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

حضرت وہب بن منبہ کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا، بعض لوگوں نے محرم ۱۱۴ھ بتایا ہے، بعض لوگوں نے ذی الحجہ ۱۱۳ھ بتایا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ص: ۴۴۳ تا ۴۵۲، ج: ۵)

☆☆☆☆☆

حضرت زبید بن حارث یامی علیہ الرحمہ

مرکز علماء وائمہ، کوفہ کے بلند پایہ اصحابِ علم میں ہیں، تابعی ہیں، انھوں نے متعدد صحابہ کی زیارت کی ہے۔

علمی جلالت قدر کا حال یہ تھا کہ سیّد التابعین حضرت شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے زبید سے بہتر آدمی نہیں دیکھا، مشہور تابعی حضرت سیّدنا سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اگر مجھے اختیار دیا جائے کہ میں کسی خاص شخص کی سیرت وشمائل میں حق تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں، تو میں زبید الیامی کا انتخاب کروں گا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ کوفہ کے علماء میں چار بزرگ مجھے بہت پسند ہیں، ان چار میں انھوں نے حضرت زبید کو بھی شمار کیا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی: ۱۳۱ھ تا ۱۴۰ھ)

حضرت زبید بن حارث شب زندہ دار اور تہجد گزار تھے، ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن بن زبید فرماتے ہیں کہ حضرت زبید نے ہم دو بھائیوں اور خود اپنے اوپر رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ابتدائی تہائی رات میں حضرت زبید بیدار رہتے اور نمازیں پڑھتے، پھر مجھے پیر سے ٹھونک کر جگاتے، اگر میرے اندر سستی دیکھتے، تو فرماتے سوتے رہو، میں تمہاری طرف سے جاگ کر نماز پڑھتا ہوں، پھر میرے بھائی کو جگاتے، اگر اسے بھی سستی ہوتی، تو فرماتے سوؤ میں تمہاری طرف سے بھی جاگتا ہوں، اس طرح وہ صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۵، ص:۳۶)

حضرت زبید صاحب کرامت بزرگ تھے، حلیۃ الالیاء میں ہے کہ حضرت سفر حج میں تھے، انھیں وضو کی حاجت ہوئی، ایک طرف گئے ضرورت سے فارغ ہوئے واپسی میں ایک جگہ پانی دیکھا، وہاں انھوں نے وضو کیا، قافلہ میں پانی نہ تھا، تشریف لائے اور بتایا

کہ فلاں جگہ پانی ہے، لے لو۔ وہاں لوگ آئے تو پانی نہ تھا (حوالہ بالا)

حضرت زبید بن حارث بایں جلالت علمی اور بایں عبادت وکرامت خدمت خلق کا بھی بڑا جذبہ رکھتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ دنیا سے بہت بے رغبت تھے، ایک بار حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ ان کا تذکرہ کررہے تھے، بعض لوگوں نے ان سے کہا آپ کس کا تذکرہ کررہے ہیں؟ فرمایا زبید کا تذکرہ کرتا ہوں، تم کو پتہ بھی ہے زبید کون تھے؟ وہ یام کے رہنے والے تھے، ان کے یہاں بکری پلی ہوئی تھی، اس کی مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں، کہتے تھے کہ مجھے ان مینگنیوں کے عوض درہم دئے جائیں تو مجھے پسند نہیں۔

رات میں بارش ہوتی، تو ایک مشعل لے کر نکلتے، اور محلے کی بوڑھی عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے اور پوچھتے کہ گھر ٹپک تو نہیں رہا ہے؟ آگ تو نہیں چاہئے، پھر جب صبح ہوتی کہ ان سے دریافت کرتے کہ بازار کی کوئی ضرورت ہے؟ کوئی سامان درکار ہے؟ پھر ہر ایک کی حاجت پوری کرتے۔

حضرت زبید ایک مسجد میں اذان دیا کرتے تھے، بچوں کو جمع کرتے اور فرماتے بچو! نماز پڑھو میں تمہیں اخراجات دوں گا، بچے شوق سے نماز پڑھتے اور یہ انھیں اخروٹ تقسیم کرتے، کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ فرماتے کہ میں پانچ درہم کے اخروٹ تقسیم کرتا ہوں، اور بچے نمازی بن جاتے ہیں۔

حضرت زبید کا وصال ۱۲۲ھ میں ہوا۔ وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا، تو اس نے وہاں کے احوال دریافت کئے، فرمایا اللہ نے رحم وکرم فرمایا، پوچھا کہ وہاں کون سا عمل آپ نے افضل پایا، فرمایا نماز، اور سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی محبت!

(حلیۃ الاولیاء، ج:۵)

☆☆☆☆☆

حضرت مسعر بن کدام علیہ الرحمہ (شیخ العراق)

مشہور راوی حدیث، شیخ العراق، حافظ ابو سلمہ مسعر بن کدام ہلالی، کوفہ کے بڑے علماء و محدثین میں ہیں، ان کی جلالت علمی، ضبط و حفظ اور ورع و تقویٰ کے تمام اکابر محدثین معترف و مداح ہیں، چنانچہ مشہور امام حدیث حضرت سفیان بن عیینہ علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ: **کان مسعر من معادن الصدق** ، حضرت مسعر حق و صداقت کی کان تھے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۷، ص:۲۴۶)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے حضرت ہشام کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس اہل عراق میں سے ایوب سختیانی اور مسعر سے افضل کوئی شخص نہیں آیا۔ (حوالہ بالا، ص:۲۴۷)

حضرت شعبہ مشہور ناقد حدیث فرماتے تھے کہ ہم لوگ مسعر کو مصحف (کتاب) کہا کرتے تھے، یعنی جس طرح کتاب میں جو کچھ لکھ دیا محفوظ رہتا ہے، اسی طرح مسعر کا حافظہ اور دماغ ہے، کہ جو کچھ یاد کرلیا وہ بعینہٖ محفوظ رہتا ہے، حضرت شعبہ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت کا شبہ بھی دوسروں کے یقین سے بالاتر ہوتا ہے، یعنی اگر یہ کسی حدیث کی یاد میں شبہ بھی ظاہر کریں تو دوسروں کے یقین سے بڑھ کر معتبر ہوگی۔ (حوالہ سابق)

اس علمی شان کے ساتھ نہایت عبادت گزار، متقی اور خوفِ خدا سے لرزاں و ترساں تھے، ان کے صاحبزادے محمد کہتے ہیں کہ میرے والد رات میں اس وقت تک نہ سوتے تھے، جب تک آدھا قرآن پڑھ نہ لیتے، جب اپنے وِرد سے فارغ ہوتے، تو چادر لپیٹ کر سوتے، مگر بہت تھوڑی دیر! پھر گھبرا کر اس طرح اٹھ جاتے جیسے کسی کوئی چیز گم ہوگئ

ہو، اور وہ اسے تلاش کر رہے ہوں، پھر وہ مسواک کرتے، وضو کرتے اور محرابِ عبادت میں کھڑے ہو جاتے اور صبح تک نماز میں مشغول رہتے، اور یہ اس طرح کرتے کہ دوسروں کو خبر نہ ہو۔ (حوالہ سابق)

رات میں نماز کی کثرت کی وجہ سے ان کا حال یہ ہو گیا کہ ان کی پیشانی پر بہت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا، جیسے بکری کا گھٹنا ہو۔ (حوالہ بالا)

اور خوفِ خدا کی یہ کیفیت تھی کہ ایک بزرگ یحییٰ بن آدم فرماتے ہیں کہ ان کی وفات کا وقت قریب تھا، اس دور کے ایک اور بزرگ محدث و عالم حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ تشریف لائے، انھوں نے حضرت مسعر کے چہرے پر گھبراہٹ محسوس کی، حضرت سفیان نے فرمایا، آپ گھبرا کیوں رہے ہیں؟ میرا حال تو یہ ہے کہ کاش میں ابھی مر جاتا! حضرت مسعر نے لوگوں سے کہا کہ مجھے بیٹھاؤ، حضرت سفیان نے پھر وہی بات دہرائی، فرمایا سفیان! آپ کو اپنے عمل پر اعتماد ہے، مگر میرا حال تو یہ ہے جیسے میں پہاڑ کی اونچی چوٹی پر کھڑا ہوں، اللہ جانے میں کہاں گروں؟ یہ سن کر حضرت سفیان رو پڑے اور فرمایا، آپ مجھ سے زیادہ اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (حوالہ بالا)

حضرت مسعر کا وصال رجب ۱۵۵ھ میں ہوا، حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت مسعر کا انتقال ہوا، میں نے دیکھا کہ کوفہ کی سب سے بڑی مسجد کے قندیل اور چراغ بجھ گئے، واقعی علماء کی موت ایسی ہی ہوتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء، ج: ۷، ص: ۲۴۸)

ایک بزرگ مصعب بن مقدام فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور جناب بنی کریم ﷺ ہیں، اور آپ کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت سفیان ثوری ہیں، حضرت سفیان ثوری عرض کر رہے ہیں کہ یا رسول اللہ! مسعر کا انتقال ہو گیا، فرمایا ہاں! اور آسمان والوں کو ان کے آنے کی بڑی خوشی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج: ۷، ص: ۲۴۸)

☆☆☆☆☆

سیّدنا حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ

چار ائمہ، جن کا تدوین کردہ علم فقہ دنیائے اسلام میں پھیلا، اس کی خدمتیں اکابر علماء نے کیں، اس کے دلائل ومسائل کی تفصیلات کتب ورسائل میں مرتب کی گئیں، ان میں ایک بزرگ حضرت محمد بن ادریس مکی ہیں، جو امام شافعی کے نام سے معروف ہیں، امام صاحب کے دادا حضرت عباس کے دادا شافع بن سائب تھے، انھیں کی طرف نسبت کر کے یہ خاندان شافعی کہلاتا ہے، امام صاحب رسول اکرم ﷺ کے جد امجد خواجہ ہاشم کے بھائی مطلب کی اولاد میں ہیں، اس طرح حضرت ﷺ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا نسب حضرت عبد مناف پر مل جاتا ہے۔

امام شافعیؒ ایک روایت کے مطابق غزہ میں اور دوسری روایت کے لحاظ سے عسقلان میں پیدا ہوئے۔ اسی سال سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا تھا، کہتے ہیں کہ ٹھیک اسی دن پیدا ہوئے تھے، جس دن امام صاحب کا انتقال ہوا۔

ان کے والد ادریس کا انتقال عین ایام جوانی میں ہوگیا، امام شافعی علیہ الرحمہ یتیم تھے، دو سال تک ان کی ماں، ان کی جائے پیدائش میں ہی لے کر رہیں، یہ جگہ علمی ودینی مراکز سے دور تھی، والدہ کو اندیشہ ہوا کہ یہاں رہ کر بچہ ضائع ہو جائے گا، اس لئے وہ انھیں لے کر ان کے آبائی وطن مکہ مکرمہ آگئیں۔ دو سال کی عمر میں امام صاحب مکہ مکرمہ آگئے۔

پھر علم کا شوق غالب ہوا، تو یہی ان کا امتیاز بن گیا، مکہ شریف میں ان کے اہم اساتذہ حضرت مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ مکرمہ، سفیان بن عیینہ اور فضیل بن عیاض تھے، رحمہم اللہ

پھر وہاں سے مدینہ طیبہ امام مالک علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اوران سے مؤطا امام مالک حفظ کی، بغداد تشریف لے گئے، تو فقیہ عراق حضرت امام محمد بن حسن شیبانی، امام اعظم علیہ الرحمہ کے شاگرد رشید سے علم کا بڑا سرمایہ حاصل کیا۔

حضرت ابوعبید فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی علیہ الرحمہ کو امام محمد بن حسن کے پاس دیکھا، انھوں نے امام شافعی کو پچاس دینار عطا فرمائے، اس سے پہلے وہ پچاس درہم دے چکے تھے، فرمایا کہ اگر علم کا ذوق رکھتے ہو تو لگے لپٹے رہو۔ ابوعبید فرماتے ہیں کہ امام شافعی علیہ الرحمہ سے میں نے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اونٹ کے بوجھ کے بقدر علم لکھا ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کے علم وفضل اور تفقہ واجتہاد کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو ان کا وہ امتیازی نشان ہے جس کو سب جانتے ہیں، اس علم وفضل کے ساتھ عبادت وریاضت کا بھی وافر حصہ انھیں ملا تھا، چنانچہ ان کے شاگرد حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ وہ رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصے میں لکھا کرتے تھے، دوسرے حصے میں نمازیں پڑھتے، اور تیسرے حصے میں سوتے۔

حسین کرابیسی فرماتے ہیں کہ میں ایک رات امام شافعی علیہ الرحمہ کے ساتھ رہا، وہ تہائی رات کے بقدر نماز میں مشغول رہے، اور بہت اطمینان سے نماز میں قرأت کرتے رہے، پچاس آیتوں سے زیادہ انھوں نے نہ پڑھا ہوگا، اور زیادہ پڑھتے تو سو آیت پڑھتے، لیکن اس طرح پڑھتے کہ جب آیت رحمت کی تلاوت کرتے، تو رحمت کی دعا کرتے، اور آیت عذاب پڑھتے تو اللہ کی پناہ چاہتے، اس طرح وہ رجاء اور خوف دونوں کو جمع کرتے۔

ربیع بن سلیمان یہ بھی فرماتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں امام شافعیؒ قرآن کریم ساٹھ مرتبہ پڑھتے، اور ابن ابی حاتم نے مزید یہ فرمایا کہ یہ ساٹھ ختم نماز میں ہوتے۔

اللہ اکبر! وقت میں اور طاقت میں کتنی برکت تھی، ورنہ نمازوں میں ہر روز دو مرتبہ قرآن کریم کا ختم کرنا آسان نہیں ہے، ظاہر پرستوں کو تو یہ بات سمجھ میں آتی ہی نہیں، اس

لئے اس طرح کے واقعات میں وہ انکار کی راہ اختیار کر لیتے ہیں، مگر وہ حق تعالیٰ کی رحمت کی وسعت اور برکت سے غافل ہیں، ورنہ جس طرح برکت ہوتی ہے، تو تھوڑا کھانا بہتوں کو کافی ہوتا ہے، اسی طرح تھوڑا وقت بہت سے عمل کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ جہاں بہت بڑے مجتہد، بہت بڑے عبادت گزار تھے، وہیں بہت بڑے حکیم بھی تھے، ان کے چند کلمات یہاں لکھے جاتے ہیں:

امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سولہ سال سے کبھی پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا، ایک مرتبہ پیٹ بھر کھالیا، تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی، مزید یہ بھی فرمایا کہ پیٹ بھرنے سے بدن بھاری ہو جاتا ہے، دل میں سختی پیدا ہو جاتی ہے، ذہانت زائل ہو جاتی ہے، نیند بہت آتی ہے اور عبادت میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔

فرمایا: آخرت کا بدترین توشہ یہ ہے کہ اللہ کے بندوں پر ظلم وزیادتی کی جائے۔

فرمایا: لوگوں کی زبان اور الزام سے بچنے کی کوئی راہ نہیں ہے، پس یہ دیکھو کہ تمہاری بھلائی کس چیز میں ہے، اسے لازم پکڑو۔

فرمایا: عالم کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کے تلامذہ نہ ہوں، اور جاہل کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کے پاس عقل کی کمی ہو، اور ان دونوں سے زیادہ ضائع وہ ہے جو بے عقل سے دوستی رکھے۔

فرمایا: جب تمہیں کسی عمل پر عجب وناز کا اندیشہ ہو تو یاد کرو کہ تم کس کی رضا جوئی میں لگے ہو، اور کس نعمت کی تمہیں رغبت ہے، اور کس عذاب سے تم ڈرتے ہو، جو شخص یہ باتیں نظر کے سامنے رکھے گا، اسے اپنا عمل معمولی دکھائی دے گا۔

فرمایا: سرداری کے اسباب پانچ ہیں، بات کی سچائی۔ راز کو پوشیدہ رکھنا۔ عہد کو پورا کرنا۔ ابتداءً ہی خیرخواہی کرنا اور امانت کو ادا کرنا۔

فرمایا: فقیہ کو مناسب ہے کہ اللہ کے لئے تواضع اور شکر میں اپنے سر پر مٹی ڈال لے۔

فرمایا: لوگوں سے کھنچے کھنچے رہو، تو لوگ دشمن ہو جائیں گے، اور بہت زیادہ گھلے ملے رہو گے تو برے لوگ تمہیں گھیر لیں گے، اس لئے دونوں حالتوں کے درمیان رہو۔

فرمایا کہ علم وہ ہے جو نفع دے، وہ نہیں جو صرف یاد ہو۔

امام صاحب کے شاگردِ خاص امام مزنی فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ جب مرض الموت میں تھے، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا، حضرت کیا حال ہے؟ انھوں نے یہ سن کر سر اٹھایا اور فرمایا کہ صبح اس حال میں ہوئی ہے کہ میں اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں، احباب سے جدا ہو رہا ہوں، میری بداعمالیاں سامنے آنے والی ہیں، اللہ کے حضور حاضری ہوگی، اور میں نہیں جانتا کہ میری روح جنت میں جائے گی کہ اسے مبارکباد دوں، یا جہنم میں جائے گی کہ اس کی تعزیت کروں، پھر رونے لگے اور یہ اشعار پڑھے۔

ولما قسا قلبی وضاقت مذاھبی جعلت رجائی دون عفوک سلما

جب میرا دل سخت ہوا، اور میری راہیں تنگ ہوگئیں، تو میں نے اپنی امید کو آپ کے عفو تک پہونچنے کیلئے زینہ بنایا۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنته بعفوک ربی کان عفوک اعظماً

میرے گناہ مجھے بڑے معلوم ہوئے، تو میں ان کا آپ کے عفو ودرگزر سے موازنہ کیا، تو آپ کا عفو ہی بڑا معلوم ہوا۔

فما زلت ذاعفو من الذنب لم تزل وتجود وتعفو منة وتکرما

آپ برابر گناہوں کی معافی دیتے رہتے ہیں، اور ازراہِ کرم آپ کی بخشش اور معافی مسلسل جاری ہے۔

فإن تنتقم منی فلست بآئس ولو دخلت نفسی بجرمی جهنما

اگر آپ مجھ سے انتقام بھی لیں، تب بھی میں مایوس نہیں ہوں، اگرچہ میرے جرم کی وجہ سے میری جان جہنم میں چلی جائے۔

ولولاک لم یغوی بابلیس عابد فکیف وقد اغوی صفیک آدما

اگر آپ نہ ہوتے (یعنی آپ کی آزمائش نہ ہوتی) تو کوئی عبادت گزار، ابلیس کی وجہ سے گمراہ نہ ہوتا، لیکن کیا کیا جائے، اس نے تو آدم صفی اللہ تک کو بہکانے کی کوشش کی۔

وإنی لآتی الذنب أعرف قدره واعلم أن اللہ یعفو ترحماً

اور میں گناہ کرتا ہوں، اور اس کی مقدار پہچانتا ہوں، اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ازراہ ترحم اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں۔

حضرت ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ جمعرات کو امام صاحب کا وصال ہوا، اور رات میں جنازہ کی نماز سے فارغ ہوئے، اور اسی روز شعبان کا چاند دیکھا گیا، اور سنہ ۲۰۴ھ تھا، پچاس سے کچھ اوپر ان کی عمر ہوئی۔

حضرت امام شافعی تفقہ واجتہاد میں کس قدر صاحب ورع وتقویٰ اور خدا ترس تھے، اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے، جس کو علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ج:۸، ص:۴۱۴ میں امام مزنی یا امام ربیع کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک روز امام شافعی علیہ الرحمہ کی خدمت میں تھے، وہاں ایک شیخ تشریف لائے، جو کمبل پوش تھے، اور ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے تھے، امام شافعی علیہ الرحمہ ان کے احترام میں کھڑے ہوگئے، اور اپنے کپڑے درست کئے، شیخ نے سلام کیا اور بیٹھ گئے، امام شافعی علیہ الرحمہ انھیں ادب واجلال کے ساتھ دیکھتے رہے، شیخ نے فرمایا کہ میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں، فرمایا پوچھئے، پوچھا کہ اللہ کے دین میں کیا دلیل اور کیا حجت ہے؟ فرمایا کتاب اللہ! پوچھا اور کیا؟ فرمایا سنت رسول اللہ ﷺ! پوچھا اور کیا؟ فرمایا امت کا اتفاق واجماع! انھوں نے پوچھا کہ اتفاقِ امت کو دلیل کیونکر قرار دیا آپ نے؟ امام صاحب نے کچھ دیر غور کیا، شیخ نے فرمایا کہ میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں، پس اگر تم نے تین دن کے اندر کتاب اللہ سے اس کی دلیل تلاش کرلی تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ کے حضور توبہ کرلینا، اس پر امام کا رنگ متغیر ہوگیا، پھر وہ چلے گئے، اس کے بعد تین دن تک امام شافعی علیہ الرحمہ ظہر اور

عصر کے درمیان باہر نہیں نکلے، اس دوران حضرت امام صاحب بیمار رہے، آپ کا چہرہ مبارک اور ہاتھ پاؤں ورم آلود ہو گیا تھا، تین دن کے بعد باہر تشریف لائے، تھوڑی ہی دیر میں وہ شیخ تشریف لائے، اور سلام کر کے بیٹھ گئے، فرمایا، میرا کام ہوا؟ امام صاحب نے فرمایا جی ہاں! أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْراً (سورۃ النساء:۱۱۵) جو کوئی رسول کی خلاف ورزی کرے، بعد اس کے کہ اس کے سامنے حق ظاہر ہو چکا، اور مومنین کی راہ کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے، تو جو رخ اس نے اختیار کیا ہے، ہم اسی پر اسے ڈال دیتے ہیں، اور اسے جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

فرمایا کہ مومنین کی راہ کے خلاف چلنے پر جہنم میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ مومنین کی راہ پر چلنا فرض ہے۔ شیخ نے فرمایا درست ہے، پھر وہ اٹھے اور چلے گئے۔

اس کے بعد امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میں نے ہر رات اور دن میں ۳؍۳ ختم قرآن کریم کی تلاوت کی ہے، تب اس دلیل پر واقف ہوا۔

اللہ اکبر! اجماع کے حجت ہونے کے لئے کتاب اللہ سے کیسی دلیل تلاش کی، اور اس کے لئے کتنی محنت کی اور مشقت جھیلی، تب اللہ نے یہ راہ آسان فرمائی۔

امام صاحب کے چند کلمات حکمت اور ملاحظہ فرمائیے، شاید نفع ہو۔

☆ فرمایا: جو خواہشات کو پورا کرنے کی دھن میں رہے گا، اسے دنیا داروں کی غلامی کرنی ہی پڑے گی۔

☆ فرمایا: خیر پانچ چیزوں میں ہے، استغنا میں، دوسروں کو تکلیف نہ دینے میں، کسب حلال میں، تقویٰ میں، اور اللہ پر اعتماد و توکل میں۔

☆ فرمایا کہ گناہ سے بچنا اور لایعنی کو ترک کرنا قلب کو نورانی بناتا ہے۔

☆ خلوت کو اور کم کھانے کو اپنے اوپر لازم کرلو۔

☆ بے عقل کی صحبت میں اور اس شخص کی صحبت میں جو تم سے انصاف نہ کرے، مت رہو۔

☆ جب تم کوئی لایعنی بات بولو گے، تو وہ بات تم پر قابض ہو گی، تم اس کے مالک نہ ہو گے، یعنی تم اس کی گرفت میں رہو گے، وہ تمہاری گرفت میں نہ ہو گی۔

☆ فرمایا: سب سے بلند رُتبہ وہ ہے، جو اپنا کوئی رتبہ نہ دیکھتا ہو، اور سب سے زیادہ صاحب فضل وہ ہے جو اپنی فضیلت نہ سمجھتا ہو۔

☆ فرمایا: تواضع شریفوں کا طریقہ ہے، اور تکبر کمینوں کا شعار ہے، تواضع محبت پیدا کرتی ہے، اور قناعت راحت کا سبب ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۸، ص:۴۳۷ تا ۴۳۸)

☆☆☆☆☆

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ

زباں پہ بارِالٰہا! یہ کس کا نام آیا
کہ نطق نے مرے، بوسے مری زباں کے، لئے

سیّدنا، شیخ شیوخ العالم، شیخ الاسلام محی الدین ابومحمد **عبد القادر** الحسنی الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلوٰۃ والسلام کے گل سرسبد، عدیم النظیر صلاحیتوں اور استعدادوں کے مالک، اللہ تعالیٰ کے مقبول ومحبوب بندے، کامل واکمل ہیں، حضور ﷺ کے نواسے سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں۔ آپ کی نسبت اس علاقے کی طرف ہے، جسے ''جیل'' کہا جاتا ہے، یہ طبرستان کے قریب مختلف قریوں اور قصبات کا مجموعہ ہے، اسے جیلان اور گیلان بھی کہتے ہیں۔ اسی نسبت سے آپ کو جیلانی کہا جاتا ہے، سادات کا گھرانہ ہمیشہ زرخیز اور مردم خیز رہا ہے۔ حضرت شیخ دادھیال اور ننھیال دونوں طرف سے معزز اور شریف تھے، حضرت شیخ کے نانا شیخ ابوعبداللہ الصومعی جیلان کے بلند پایہ مشائخ میں تھے، والدہ مکرمہ ام الخیر بڑی عابدہ، زاہدہ، رابعۂ وقت تھیں، ان کی پھوپھی ام عائشہ بھی بڑی بزرگ اللہ والی تھیں، صاحب شذرات الذہب نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ اہل جیلان نے ان کی پھوپھی کے واسطے سے بارش کی دعا کی، مگر قبول نہیں ہوئی، انھوں نے گھر میں عبادت کے لئے ایک چبوترہ بنا رکھا تھا، اس پر انھوں نے جھاڑو لگائی اور دعا کی، کہ پروردگار! میں نے اس چبوترے پر جھاڑو لگادی ہے، آپ چھڑکاؤ کردیجئے، پھر تو اتنی بارش ہوئی جیسے مشکیزوں کے منہ کھول دیئے گئے ہوں۔ (ج:۴، ص:۱۹۶)

آپ کی ولادت ۴۷۰ھ میں، اور ایک روایت کے مطابق ۴۷۱ھ میں ہوئی۔ ۴۸۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر مبارک ۱۸/سال کی تھی، بغداد تشریف لائے، اور اس وقت کے

شیوخ، ائمہ، بزرگان دین اور محدثین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اول قرآن کریم کو روایت ودرایت اور تجوید وقرأت کے اسرار ورموز کے ساتھ حاصل کیا، پھر اس زمانے کے بڑے محدثین اور اہل فضل وکمال اور مستند علماء کرام سے، احادیث نبویہ کی سماعت کی، اور دوسرے علوم کی تحصیل وتکمیل فرمائی، اور اس میں بڑے انہاک اور یکسوئی کے ساتھ لگے رہے، حتیٰ کہ تمام اصولی، فروعی اور اختلافی علوم میں علمائے بغداد ہی نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے علماء سے سبقت لے گئے۔

آپ کی عمر کے ابتدائی ۳۳؍ سال درس وتدریس اور فتویٰ دینے میں صرف ہوئے، پھر جاذبۂ الٰہی نے سلوکِ باطنی کی طرف کھینچا، اور آپ نے لوگوں سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کی، اور پچیس سال تک عراق کے صحراؤں اور ویرانوں میں اس طرح گم رہے کہ کسی کو آپ کی خبر نہ ہوئی۔

اس دور میں حضرت شیخ جیلانی نے بڑے بڑے مجاہدات کئے ہیں، خود فرماتے ہیں کہ چالیس سال تک میں نے فجر کی نماز عشا کے وضو سے ادا کی ہے، اور پندرہ سال تک یہ حال رہا کہ نماز عشاء کے بعد قرآن مجید اس طرح شروع کرتا کہ ایک پاؤں پر کھڑا ہو جاتا، اور ایک ہاتھ سے دیوار کی میخ پکڑ لیتا، تمام شب اسی حالت میں رہتا، حتیٰ کہ صبح کے وقت قرآن کریم ختم کر لیتا، تین دن سے چالیس دن تک بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ نہ کھانے پینے کو کچھ ملا، نہ سونے کی نوبت آئی۔

فرماتے ہیں کہ گیارہ سال تک ''برج بغداد'' میں عبادتِ الٰہی کے اندر مصروف رہا، حتیٰ کہ اس برج میں میری طویل اقامت کے باعث لوگ اسے ''برج عجمی'' کہنے لگے، اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ جب تک غیب سے کھانا نہ ملے گا، نہ کھاؤں گا، مدت دراز تک یہی کیفیت رہی، لیکن میں نے اپنا عہد نہ توڑا، اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کی خلاف ورزی نہ ہوئی۔

آپ کے مجاہدوں میں استقامت وپختگی کا وہ حال تھا کہ حیرت ہوتی ہے،

اور اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو صبر وقوت کا وہ حصہ ملا تھا، جس سے حضراتِ انبیاء سرفراز کئے گئے تھے، فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سفر میں ایک شخص نے میرے پاس آکر کہا کہ مجھے اپنی رفاقت میں لے لیجئے، اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ پختہ صبر کروں گا، اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا، پھر وہ میرے ساتھ رہا، ایک مرتبہ اس نے مجھے ایک جگہ بیٹھایا، اور مجھ سے یہ وعدہ لے لیا کہ جب تک وہ واپس نہ آئے میں یہیں موجود رہوں، میں نے وعدہ کرلیا، وہ چلا گیا اور پھر نہیں آیا۔ میں سال بھر وہیں انتظار کرتا رہا، سال بھر بعد وہ آیا، پھر دوبارہ یہی وعدہ لے کر چلا گیا، میں نے پھر سال بھر انتظار کیا، اس طرح اس نے تین بار کیا، آخری مرتبہ وہ اپنے ساتھ دودھ اور روٹی لایا، اور کہا کہ میں خضر ہوں، اور مجھے حکم ہے کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر یہ کھانا کھاؤں، چنانچہ ہم نے کھایا، فارغ ہونے کے بعد حضرت خضر نے فرمایا اب اٹھئے اور سیر وسیاحت ختم کیجئے، اور بغداد میں جاکر بیٹھ جایئے۔

(اخبار الاخیار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

غالباً اسی مجاہدۂ وریاضت اور سیر وسیاحت کے دوران کا ایک عجیب وغریب واقعہ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے لئے مجاہدہ کرتے ہیں حق تعالیٰ انھیں کس کس طرح نوازتے ہیں، اور کیسے کیسے ان کی حفاظت فرماتے ہیں۔

حافظ ذہبی ابن النجار کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ جیلانی قدس سرہٗ نے فرمایا، ایک بار گرانی کے دور میں مجھے ایسی تنگدستی ہوئی لاحق ہوئی کہ، کئی روز تک مجھے کھانے کی کوئی چیز میسر نہ آئی، بازار میں گری پڑی چیزیں اٹھالیتا تھا، ایک دن میں ساحلی علاقے کی طرف گیا، مگر مجھ سے پہلے فقراء وہاں کی گری پڑی چیزیں اٹھا چکے تھے، میں بہت کمزور ہو چکا تھا، کھڑے رہنے کی طاقت نہ تھی۔ میں ایک مسجد میں جاکر بیٹھ گیا، اور قریب تھا کہ موت آجائے، اسی وقت ایک عجمی جوان مسجد میں آیا، اس کے پاس روٹی اور سالن تھا، وہ بیٹھ کر کھانے لگا، اور میرا حال یہ تھا کہ وہ جب لقمہ اٹھاتا تو ایسا لگتا کہ میرا منہ کھل جائے گا،

پھر اس نے مجھے دیکھا، تو بولا بسم اللہ کھاؤ، میں نے انکار کیا، اس نے مجھے قسم دی، پھر میں نے ہچکچاتے ہوئے تھوڑا سا کھایا، وہ مجھ سے پوچھتا رہا کیا کرتے ہو؟ کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے بتایا کہ جیلان کا رہنے والا طالب علم ہوں، اس نے کہا میں بھی جیلان ہی کا ہوں، کیا تم ایک جیلانی نوجوان عبد القادر کو جانتے ہو، جو ابوعبد اللہ الصومعی زاہد کا نواسہ ہے؟ میں نے کہا وہ میں ہی ہوں، وہ یہ سن کر اضطراب میں ڈوب گیا، اور اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، پھر بولا، اے میرے بھائی! میں بغداد پہونچا، اور میرے پاس اپنا کچھ خرچ موجود تھا، میں تمہارے بارے میں تحقیق کرتا رہا، مگر کوئی کچھ بتا نہ سکا، حتیٰ کہ میرا خرچ تمام ہوگیا، پھر تین دن ایسے گذرے کہ میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، یہ چوتھا دن ہے، میں نے اپنے جی میں کہا کہ بھوک کی شدت پر تین دن گذر گئے، اب تو میرے لئے مردار بھی حلال ہو چکا ہے، تو تمہاری امانت سے میں نے یہ روٹی اور سالن خریدا ہے، تو اطمینان سے کھاؤ، یہ تمہارا اپنا مال ہے، اور اب میں تمہارا مہمان ہوں، میں نے کہا یہ کیا بات ہے؟ کہا کہ تمہاری ماں نے میرے ہاتھ تمہارے لئے آٹھ دینار بھیجے ہیں، واللہ میں نے اب تک اس میں خیانت نہیں کی تھی، آج مجبوری میں کی ہے، میں نے اسے تسکین دی اور اس کے دل کو مطمئن کیا، پھر اس میں سے میں نے اسے کچھ دیا۔

”اللہ اکبر! خدا کی شان عظیم ہے، کتنا بڑا مجاہدہ کرایا، اور کس طرح خالص رزق حلال پہونچایا، جن کے رتبے سوا ہیں، انھیں سوا مشکل ہے۔“ (ص: ۱۸۵، ج: ۱۵)

ابن النجار کے حوالے سے امام ذہبیؒ مزید لکھتے ہیں کہ شیخ عبد القادر نے فرمایا کہ میں صحرا میں تھا، اور فقہ کو یاد کرتا تھا، اور میں فاقہ کی حالت میں تھا، مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا، آواز تو میں نے سنی مگر اسے دیکھ نہ سکا، وہ کہہ رہا تھا کہ طالب علمی پر مدد کیلئے قرض لے لو، میں نے کہا کہ میں کیونکر قرض لوں، میں ایک غریب آدمی ہوں، کہاں سے ادا کروں گا۔ آواز آئی تم قرض لو، ادا کرنا ہمارے ذمے ہے، میں ایک دکاندار کے پاس گیا، میں نے کہا کہ مجھ سے ایک معاملہ کرو، جب اللہ تعالیٰ مجھے سہولت دیں گے میں ادا کردوں گا، اور

اگر میں مر گیا تو مجھے معاف کر دینا۔ ہر روز ایک روٹی اور سالن مجھے دیدیا کرو، وہ یہ سن کر رونے لگا، اس نے کہا مجھے منظور ہے، میں اس سے ایک مدت تک لیتا رہا، پھر میرا سینہ تنگ ہونے لگا، پھر مجھے ایسا لگا کہ مجھ سے کہا گیا، فلاں جگہ جاؤ اور وہاں جو کچھ دیکھو لے لو، اور دکاندار کو دے دو۔ میں گیا تو سونے کا ایک بڑا سا ڈلا نظر آیا، میں نے اسے دکاندار کو دے دیا۔ (ص: ۱۸۵، ج: ۱۵)

حضرت شیخ سے شدید مجاہدات کرائے گئے، پھر ان کو وہ مقاماتِ بلند ملے، جو ملے۔ امام ذہبیؒ نے ان کے آخری مجاہدے کی کیفیت بھی لکھی ہے، جس کے بعد انھیں قبول عام کی دولت حاصل ہوئی۔ بات لمبی ہے، مگر ؎ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

اللہ کی راہ چلنے والوں کے لئے اس میں بڑی نصیحت وعبرت ہے، اور ہمت وحوصلہ کا سامان ہے، اس راہ میں حوصلہ ہمیشہ بلند رہنا چاہئے کبھی ہمت ہارنی نہیں چاہئے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں کہ شیخ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ شدت مجاہدہ میں مجھے جنون کی سی کیفیت لاحق ہوئی، مجھے لوگ اٹھا کر ہسپتال لے گئے، پھر میرے اوپر ایسے حالات آئے جیسے میرے اوپر موت طاری ہوگئی، لوگ کفن لائے، اور مجھے نہلانے کے لئے تخت پر لٹا دیا، اس وقت مجھے افاقہ ہوا اور ہوش آ گیا، میں اٹھ کھڑا ہوا، میرے جی میں آیا کہ بغداد میں فتنے بہت ہیں، میں یہاں سے نکل جاؤں، میں باب حلبہ کی طرف چلا، مجھے کسی پکارنے والے نے پکارا، کہاں جارہے ہو؟ اور پھر مجھے ایسا دھکا دیا کہ میں گر گیا، اور آواز آئی کہ واپس جاؤ تم سے نفع ہوگا، میں نے کہا میں اپنے دین کی حفاظت چاہتا ہوں، آواز آئی یہ تمہارے لئے ہوگی، پھر میرے اوپر وہ وہ حالات آئے کہ میں چاہتا تھا کہ کوئی میری مدد کرے، پھر میں بغداد کے دوسرے دروازے ظفریہ سے باہر نکلا، ایک آدمی نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا، اور کہا عبدالقادر! کل رات تم کیا ڈھونڈ رہے تھے؟ مجھے کچھ یاد نہ آیا، میں خاموش رہا، وہ شخص ناراض ہوا، اور میرے سامنے بڑے زور سے دروازے کو دھکا دیا، تو جب میں وہاں سے چلنے لگا تو یاد آیا، میں لوٹا، دروازہ

کو تلاش کرنے لگا، مگر مجھے نہیں ملا، اور وہ حماد دباس (۱) تھے۔ میں نے انھیں پہچان لیا، انھوں نے میری تمام مشکلات حل کردیں، میں جب کبھی طلب علم کے لئے ان کے پاس سے غیر حاضر ہوتا، اور پھر آتا تو فرماتے ہمارے پاس تم کو کیا چیز لائی۔ تم فقیہ ہو، فقہاء کے پاس گذر رکھو، میں خاموش رہتا۔ ایک بار جمعہ کا دن تھا، میں جماعت کے ساتھ شدید سردی کے موسم میں نکلا، مجھے انھوں نے دھکا دے کر پانی میں گرادیا، میں نے سوچا چلو بسم اللہ جمعہ کا غسل ہوگیا، میرے بدن پر کمبل کا جبہ تھا، اور اس کی آستین میں لکھے ہوئے چند اجزا تھے، میں نے آستین اوپر اٹھائی کہ تحریر خراب نہ ہوجائے، وہ لوگ مجھے چھوڑ کے چلے گئے، میں نے جبہ کو نچوڑا، اور ان کے پیچھے چل پڑا۔ مجھے ٹھنڈک کی وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی تھی، شیخ مجھے مارتے تھے اور تکلیف دیتے تھے، کبھی کبھی میں ان کے پاس پہونچتا تو فرماتے کہ ہمارے پاس بہت سی روٹی آئی تھی، اور فالودہ بھی، ہم سب کھا گئے، تمہارے لئے کچھ نہیں بچائے رکھا تاکہ تمہیں وحشت ہو، شیخ کا یہ معاملہ دیکھ کر ان کے اصحاب کو میرے سلسلے میں کچھ خیال ہوا، انھوں نے کہا تم تو فقیہ ہو، ہمارے ساتھ تمہارا کیا کام؟ شیخ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ مجھے ایذا دیتے ہیں، تو انھیں غیرت آئی، اور فرمایا اے کتو! تم انھیں کیوں ستاتے ہو؟ اللہ کی قسم تم میں کوئی بھی ان کے جیسا نہیں ہے، میں تو ان کا امتحان کرتا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ یہ پہاڑ ہیں، جسے ذرا بھی حرکت نہیں، پھر ایک مدت کے بعد ایک آدمی ہمذان سے آیا، اسے یوسف ہمذانی کہتے تھے، مشہور تھا کہ وہ قطب ہیں، وہ ایک سرائے میں اترے، میں ان کے پاس گیا، لیکن وہ ملے نہیں، مجھے بتایا گیا کہ وہ تہہ خانے میں ہیں، میں وہاں گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور مجھے بیٹھایا، اور مجھ سے میرے تمام احوال کا تذکرہ کیا، اور میری مشکل کو حل کیا، پھر فرمایا لوگوں کے درمیان گفتگو کرو، میں نے کہا سیّدی! میں

---

(۱) یہ شیخ جیلانی کے شیخ تھے، علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ مریدین کی تربیت میں ان کو بلند مقام حاصل تھا، بغداد کے اکثر مشائخ صوفیہ انہی سے وابستہ تھے، ۵۲۵ھ میں انتقال ہوا۔

(طبقات الکبریٰ ج:۱، ص:۱۳۴) تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۱، ص:۱۹۸۔

ایک خالص گونگا عجمی ہوں، کیا بغداد کے فصیح و بلیغ لوگوں کے درمیان بات کروں۔ فرمایا تم نے فقہ، اصول فقہ، خلاف، نحو، لغت اور قرآن کی تفسیر پڑھی ہے، کیا تمہارے اندر اس کی صلاحیت نہیں ہے، کرسی پر بیٹھو اور بولو، میں تمہارے اندر خوشے دیکھتا ہوں جو جلد ہی کھجور بن جائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ مجھے جاگتے میں، خواب میں حکم دیا جاتا، منع کیا جاتا، اور میرے اوپر کلام کرنے کا ذوق غالب آیا اور میرے دل پر تکلم کا ہجوم ہوتا، اتنا کہ اگر کلام نہ کروں تو میرا گلا گھٹ جائے، اور مجھے سکوت پر بالکل قدرت نہ رہی، ابتداء میں میرے پاس دو تین آدمی ہوتے پھر ہجوم بڑھتا گیا، یہاں تک کہ ستر ہزار تک نوبت پہونچ گئی۔

فرماتے: پھر تو یہ حال ہوا کہ اللہ نے میرے ذریعے مخلوق کے نفع کا ارادہ کیا، اور پانچ سو سے زائد آدمی میرے ہاتھ پر اسلام لائے، اور ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۱۵، ص: ۱۸۱)

حضرت شیخؒ کا وعظ بہت موثر ہوتا، دل سے نکلتا اور براہ راست دلوں پر اثر کرتا، تاہم کلام کے اس ذوق کے باوجود امام یافعی ''مرآۃ الزمان'' میں لکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر کا سکوت ان کے کلام سے بڑھا ہوا تھا، وہ دل کے خطرات پر کلام کرتے تھے، انھیں بڑی شہرت حاصل ہوئی، اور قبول تام ملا، اپنے مدرسہ سے صرف جمعہ کو نکلتے تھے یا کسی رباط کی طرف جاتے، زیادہ تر اہل بغداد نے ان کے ہاتھ پر توبہ کی، اور بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی، وہ منبر پر علی الاعلان حق کا اظہار فرماتے، ان کی کھلی کرامات بہت ہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ بڑے مشائخ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے، جس کے احوال وکرامات شیخ عبدالقادر سے زیادہ ہوں، لیکن ان میں بہت سی روایات ایسی بھی ہیں، جو صحیح طور پر ثابت نہیں ہیں، اور بعض تو از قبیل محالات ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء، ج: ۱۵، ص: ۱۸۱)

حضرت شیخ جیلانی کا طریق سلوک:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ:

> ''آپ کا طریق شدت ولزوم کے اعتبار سے بے نظیر تھا، مشائخ عصر میں کسی میں شدتِ ریاضت میں آپ کی برابری کرنے کی ہمت نہ تھی، تفویض کامل، اپنی قوت اور ارادے سے برأت، قلب، روح اور نفس کی موافقت کے ساتھ تقدیری احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، ظاہر وباطن کی یکسانیت، نفس کے تقاضوں سے علیٰحدگی، قلب ودماغ کی ایسی فراغت، جس میں شکوک وشبہات اور تشویش وکشمکش کا کوئی دخل نہ ہو، قول وعمل کا اتحاد، اخلاص کا التزام، کتاب وسنت کی کامل پیروی، نسبت مع اللہ، توحید خالص، مقام عبودیت مع ملاحظۂ کمال ربوبیت، اور احکام شریعت کی ایسی پیروی جس میں اسرار حقیقت کا مشاہدہ بھی ہو، آپ کا طریق تھا۔''

آپ کے صاحبزادے شیخ ضیاء الدین ابونصر موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سے سنا، فرماتے تھے کہ ایک سفر کے دوران، میں ایک ایسے بیابان میں پہونچا، جہاں پانی کا نام ونشان تک نہ تھا، چندروز میں نے وہاں قیام کیا، لیکن پانی ہاتھ نہ آیا، جب پیاس کا غلبہ ہوا، تو حق تعالیٰ شانہ نے ابر کا ایک ٹکڑا بھیجا، جس نے میرے اوپر سایہ کرلیا اور اس سے کچھ قطرات ٹپکے جنھیں پی کر تسکین ہوئی۔ اس کے بعد اچانک ایک روشنی ظاہر ہوئی، جس نے پورے آسمان کا احاطہ کرلیا، پھر اس میں سے ایک عجیب وغریب شکل نمودار ہوئی، اور آواز آئی اے عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں، جو دوسروں پر میں نے حرام کیا ہے، تیرے اوپر حلال کرتا ہوں، لہٰذا جو دل چاہے کر اور جو چاہے لے، میں نے کہا **أعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم**، اے ملعون دور ہوجا، کیا بک رہا ہے؟ اچانک وہ روشنی بالکل تاریکی سے بدل گئی، اور وہ صورت دھواں بن کر کہنے لگی اے عبدالقادر! تم احکام خداوندی کے جاننے اور احوال منازلت سے واقف ہونے کی وجہ سے مجھ سے بچ گئے، ورنہ میں نے ایسے ہی حالات وواقعات سے ستر اہل طریقت کو ایسا گمراہ کیا ہے کہ کہیں کا نہ چھوڑا، میں نے کہا کہ اللہ کا فضل واحسان ہے۔

حضرت شیخ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کیسے جانا کہ یہ شیطان ہے؟ فرمایا

اس کی بات سے کہ ’’میں نے تم پر حرام چیزیں حلال کر دی ہیں۔

(ذیل طبقات الحنابلہ، ج:۱، ص:۲۹۴)

مطلب یہ ہے کہ اللہ کا یہ دستور نہیں ہے کہ جن چیزوں کو اپنے پیغمبر کی زبان سے علی الاعلان حرام قرار دیا ہو ان کو چپکے سے کسی آدمی کیلئے حلال کر دیں، یہ شیطان کا فریب ہی ہو سکتا ہے۔

کمالِ علمی:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور کتاب اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:

> ’’مشہور ہے کہ حضرت شیخ تمام علمائے عراق کے مرجع بلکہ تمام دنیا کے طالبان علم کے مرکز تھے، اطرافِ عالم سے آپ کے پاس فتاوے آتے تھے، جن کا غور وفکر اور مطالعۂ کتب کے بغیر فوراً آپ صحیح جواب لکھواتے، بڑے بڑے متبحر عالم کو آپ کے خلاف ذرا سا بھی لکھنے یا کہنے کی مجال نہ ہوتی۔
>
> ایک مرتبہ عجم سے آپ کے پاس فتویٰ آیا، جس میں تحریر تھا ’’سادات علماء اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت نہ کرے کہ افراد انسانی میں سے کوئی کسی جگہ اس عبادت میں اس کا شریک نہ ہو، تو اس کی عورت پر تین طلاق، اب بتائیے کہ یہ شخص کون سی ایسی عبادت کرے، جس سے اس کی قسم نہ ٹوٹے۔‘‘
>
> اس کا جواب لکھنے سے عراق وعجم کے تمام علماء عاجز ہو گئے، آپ کے سامنے یہ استفتاء پیش ہوا، تو آپ نے غور وفکر کے بغیر فرمایا کہ اس کے لئے خانہ کعبہ کو طواف کرنے والوں سے خالی کرالیا جائے، پھر یہ شخص تنہا طواف کے سات چکر پورے کرے، تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ خانۂ کعبہ کا طواف ایسی عبادت ہے کہ اس وقت انسانوں میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہ ہوگا۔

حلیۂ مبارک:

آپ نحیف البدن، میانہ قد، کشادہ سینہ، لمبی چوڑی داڑھی، گندمی رنگ، پیوستہ

ابرو، بلند آواز، پاکیزہ سیرت، بلند مرتبہ اور علم کامل کے حامل تھے، صاحب شہرت اور خاموش طبع تھے، آپ کے کلام کی شوکت اور آواز کی بلندی سننے والے کے دل میں رعب وہیبت زیادہ کرتی، یہ آپ کی کرامت تھی کہ مجلس میں قریب وبعید بیٹھنے والے بے کم وکاست بغیر کسی تفاوت کے آپ کی آواز بآسانی یکساں طور پر سن لیتے تھے، جب آپ کلام کرتے تو ہر شخص پر خاموشی چھا جاتی، جب آپ کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل میں سرعت ومبادرت کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا، جب بڑے سے بڑے سخت دل پر نظر جمال پڑتی تو وہ خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا مرقع بن جاتا، اور جب آپ جامع مسجد میں تشریف لے جاتے، تو تمام مخلوق دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر درگاہِ قاضی الحاجات میں سراپا سوال بن جاتی۔

کرامات:

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ، رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھے، امت کے اولیاء یوں تو سبھی باکرامت اور دین حق کی نشانی ہیں، لیکن حضرت شیخ جیلانی کا اس باب میں ایک خاص امتیازی مقام ہے، آپ سے اتنی تعداد میں کرامات بتواتر ثابت ومنقول ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے، اور تمام تذکرہ نگار اس خاص بات پر متفق ہیں کہ اتنی کرامات دوسرے حضرات اولیاء اللہ سے منقول نہیں ہیں۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ''المغنی'' کے مصنف شیخ موفق الدین ابن قدامہ، حضرت شیخ جیلانی کے تلامذہ میں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کے بارے میں اتنی کراماتیں نہیں سنیں جتنی کہ حضرت شیخ عبدالقادر سے منقول ہیں، اور نہ کسی ایسے شخص کو میں نے دیکھا کہ محض دین اور دینداری کی وجہ سے اس کی اتنی تعظیم کی جاتی ہو، جتنی حضرت شیخ کی تعظیم کی جاتی ہے۔

حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام شیخ شافعیہ فرماتے ہیں کہ مشائخ میں کسی کی کرامات بطریق تواتر اتنی منقول نہیں ہیں جتنی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی ہیں، ان کی کرامتیں تواتراً منقول ہیں۔ (ذیل طبقات الحنابلہ، ج:۱، ص:۲۹۲)

تاثیر:

حضرت شیخ نے اپنے ابتدائی عہد میں ریاضات ومجاہدات بہت کئے تھے، گذر چکا ہے کہ عرصۂ دراز تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، ظاہر ہے کہ پوری پوری رات عبادت اور ذکر الٰہی میں گذرتی تھی، ریاضات ومجاہدات کا فطری اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ صاحب ریاضت میں اعلیٰ درجہ کی تاثیر پیدا ہوجاتی ہے، حضرت شیخ جیلانی علیہ الرحمہ کے وعظ اور آپ کی صحبت میں جو تاثیر پائی جاتی تھی، تمام تذکرہ نگار اس کے بیان پر متفق ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں کہ:

> ”جب آپ منبر پر تشریف لاتے، تو مختلف علوم کا بیان فرماتے، تمام حاضرین آپ کی ہیبت وعظمت کی وجہ سے ساکت وصامت ہوتے، کبھی اثنائے وعظ میں فرماتے کہ قال ختم ہوا، اب ہم حال کی طرف مائل ہوئے، یہ کہتے ہی لوگوں میں اضطراب، وجد اور حال کی کیفیت طاری ہوجاتی، کوئی گریۂ وفریاد کرتا، کوئی کپڑے پھاڑ کر جنگل کی راہ لیتا، اور کوئی بے ہوش ہوکر اپنی جان دے دیتا، بسا اوقات آپ کی مجلس سے شوق، ہیبت اور عظمت واجلال کے باعث کئی کئی جنازے نکلتے، آپ کی مجلس وعظ میں جن خوارق وکرامات، تجلیات اور عجائب وغرائب کا ظہور بیان کیا جاتا ہے، وہ بے شمار ہیں۔ (ص:۳۹)

وفات:

حضرت شیخ جیلانی قدس سرہٗ نے ۹۰ر سال عمر پائی۔ ۸ر یا ۹ر ربیع الآخر ۵۶۱ھ بعد نماز مغرب آپ کا وصال ہوا۔ مرض الوفات میں آپ نے اپنے صاحبزادوں کو چند وصیتیں فرمائیں، وہی زندگی بھر کی تمام علمی وعملی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ تاریخ دعوت وعزیمت میں حضرت شیخ کے احوال کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

> ”جب آپ اس مرض میں بیمار ہوئے، جس میں انتقال فرمایا، تو آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ وصیت فرمایئے، کہ

آپ کے بعد اس پر عمل کروں، فرمایا ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہو، اور خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرو، اور نہ اس کے سوا کسی سے امید رکھو، اور اپنی تمام ضروریات اللہ کے سپرد کردو، صرف اسی پر بھروسہ رکھو، اور سب کچھ اسی سے مانگو، خدا کے سوا کسی پر وثوق اور اعتماد نہ رکھو، توحید اختیار کرو کہ توحید پر سب کا اجماع ہے، اور فرمایا کہ جب دل خدا کے ساتھ درست ہو جاتا ہے، تو کوئی چیز اس سے چھوٹتی نہیں ہے، اور نہ کوئی چیز اس سے باہر نکل کر جاتی ہے۔ (ج:۱، ص:۲۲۲)

☆☆☆☆☆

سیّدنا حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی اجمیری

خواجۂ خواجگانِ ہند، مدار خانوادۂ چشتیاں ، سرچشمۂ ہدایت ہندوستان ، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت سیّدنا معین الدین چشتی اجمیری ، سلطان الہند ! کسے معلوم کی آپ کی مقدس وپاکیزہ شخصیت کیا تھی ؟ اور دین اسلام کو آپ کی ذاتِ اقدس سے کتنی رونق ملی اور کتنا پھیلاؤ اس ملک میں آپ سے حاصل ہوا۔ سنئے ! جواب میر خورد صاحب سیر الاولیاء کی زبان قلم سے سنئے ، یہ کتاب فارسی زبان میں ہے ، حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ نے تاریخ دعوت وعزیمت میں اس کی عبارت کا اردو ترجمہ فرمایا ہے ، ملاحظہ فرمایئے ، فرماتے ہیں :

> ملک ہندوستان کے آخری مشرقی کنارے تک کفر وشرک کی بستی تھی ، اہل تمرد **أنا ربکم الاعلیٰ** کی صدا لگا رہے تھے ، اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے ، اینٹ ، پتھر ، درخت ، جانور ، گائے وگوبر کو سجدہ کرتے تھے ، کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے۔

ہمہ غافل از حکم دین وشریعت   ہمہ بے خبر از خدا وپیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ   نہ ہرگز شنیدہ کسے اللہ اکبر

> سب دین وشریعت کے حکم سے غافل تھے ، خدا وپیمبر سے بے خبر تھے ، نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی ، نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی۔
>
> اس آفتابِ اہل یقین یعنی حضرت خواجہ معین الدین کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہونچنا تھا کہ یہاں کی ظلمت نورِ اسلام سے بدل گئی ، ان کی کوشش وتاثیر سے ایسا ہوا کہ جہاں شعائر شرک تھے وہاں مسجد ومحراب ومنبر نظر آنے لگے ، جو فضا شرک کی صداؤں سے تھرا رہی تھی ، وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

> اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی، اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہوگا، نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد در اولاد، نسل در نسل سب ان کے نامۂ اعمال میں ہوں گے، اور اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا، اور دائرۂ اسلام وسیع ہوتا رہے گا، قیامت تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی کی روح کو پہونچتا رہے گا۔ (تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۳، ص:۲۸)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی ولادت باسعادت ۵۳۷ھ میں سجستان میں ہوئی، اسی کی طرف نسبت کرکے انھیں ''سجزی'' لکھا اور بولا گیا، مگر کاتبوں نے اسے غلط فہمی سے ''سنجری'' کردیا، سنجری صحیح نہیں ہے، سجزی درست ہے۔

حضرت کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو والد محترم کا انتقال ہوگیا، ترکے میں انھیں ایک باغ ملا، ایک مدت تک یہی باغ حصولِ معاش کا ذریعہ رہا، ایک روز ایک مجذوب بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی آئے، حضرت خواجہ صاحب نے ان خدمت میں انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھوں نے انگور نہیں کھایا اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا، کھلی کا کھانا تھا کہ حضرت کا دل انوارِ الٰہی سے روشن ہوگیا، علائق دنیا کو چھوڑ کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، بخارا و سمرقند پہونچے، جہاں کلام مجید حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے۔ (بزم صوفیہ، ص:۴۸)

پھر حضرت خواجہ صاحب سمرقند سے نکل کر عراق کی جانب روانہ ہوئے، قصبہ ہارون (۱) میں حضرت شیخ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے وقت مرشد نے مرید سے وضو کرایا، دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا، پھر فرمایا کہ قبلہ رو ہو کر سورۂ بقرہ پڑھو، اس کے بعد اکیس مرتبہ درود شریف پڑھوایا، پھر ساٹھ مرتبہ سبحان اللہ، اس کے بعد آسمان کی طرف اپنا چہرۂ مبارک اٹھایا، اور مرید کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

---

(۱) یہ قصبہ حدود نیشاپور میں واقع ہے، اس کا صحیح تلفظ ''ہرون'' ہے، لیکن عموماً تذکرہ نگاروں نے ہارون لکھا ہے۔

ترا بخدا رسانیدم ومقبول حضرتِ او گردانیدم (بزم صوفیہ، ص: ۴۸، ۴۹)

تجھ کو میں نے خدا تک پہونچا دیا اور ان کے دربار کا مقبول بنا دیا۔

پھر عرصہ تک مرشد گرامی کی خدمت میں رہے، بیعت کے بعد خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے ساتھ مکہ مکرمہ کا سفر کیا، خواجہ صاحب فرماتے ہیں:

> پھر خانہ کعبہ کی زیارت کی، اس جگہ بھی خواجہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے خدا کے سپرد کیا، اور خانہ کعبہ کے پرنالے (میزاب رحمت) کے نیچے اس درویش کے بارے میں مناجات کی، تو آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کیا، جب وہاں سے لوٹ کر ہم رسول خدا ﷺ کی زیارت کے لئے آئے، تو فرمایا سلام کرو، میں نے سلام کیا، آواز آئی وعلیکم السلام! جب یہ آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہارا کام مکمل ہوگیا۔
>
> (انیس الارواح، مجموعہ ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی، مرتبہ حضرت خواجہ اجمیری)

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہِ رسالت سے حضرت خواجہ کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی۔ (بزم صوفیہ، ص: ۵۲، بحوالہ سیر الاقطاب) حضرت خواجہ صاحب نے ایک عرصہ تک سیر وسیاحت کی، اس دوران سیّدنا عبدالقادر جیلانی کی خدمت میں بھی پہونچے، اور ستاون روز ان کی خدمت میں حاضر رہ کر فیوض وبرکات حاصل کئے۔ (بزم صوفیہ، ص: ۵۴)

حضرت خواجہ صاحب مختلف بزرگوں کے پاس تشریف لے جاتے رہے، ریاضات ومجاہدات میں مشغول رہے، اکثر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے، پھر اس سیر وسیاحت کے دوران ہندوستان آنے کا قصد کیا، تو پہلے لاہور تشریف لائے، اور حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ کے آستانِ مبارک پر قیام فرمایا، پھر وہاں سے دہلی تشریف لائے، دہلی سے اجمیر کا رخ فرمایا۔

بزم صوفیہ کے مصنف سیّد صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

> ”سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ دہلی میں لوگوں کے ہجوم سے گھبرا گئے، تو اجمیر تشریف لائے، اس زمانے میں اجمیر اور دہلی کا حکمراں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا تھا، اس کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور

جب انھوں نے حضرت خواجہ کی عظمت و کرامت کے مقابلے میں اپنے آپ کو بے بس اور لاچار پایا، تو ہندو جوگیوں کو خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کیلئے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ صاحب کے بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن حضرت خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے، اس نے متاثر ہو کر حضرت خواجہ صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، انھوں نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ “

حضرت خواجہ کے رُشد و ہدایت کا سلسلہ برابر جاری رہا، سیر الاولیاء میں ہے:

”ایک مسلمان حضرت شیخ معین الدین قدس اللہ سرہ العزیز سے تعلق رکھنے والا رائے پتھورا کے دربار میں تھا، اس نے اس مسلمان کو بہت تکلیف دینی شروع کی، اس نے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں فریاد کی۔ “

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف باسلام ہونے لگے تھے، حضرت خواجہ صاحب کے اثرات بڑھے تو راجہ کی طرف سے ان کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی ملی، لیکن حضرت خواجہ نے اس دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا:

”پتھورا را زندہ بہ مسلماناں دادیم (پتھورا کو زندہ ہم نے مسلمانوں کے ہاتھ میں دیا)

چنانچہ یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی، شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۸ھ میں جنگ کی تو پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا۔

شہاب الدین غوری کی فتح کے بعد مسلمانوں کے سیاسی اقتدار اور حضرت خواجہ کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لئے ان کا لقب ”وارث النبی فی الہند“ ہے۔

حضرت خواجہ صاحب تبلیغ اسلام کرتے رہے، اور جب دہلی سے اجمیر جارہے تھے، تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ خزینۃ الاصفیاء، ج:۱، ص:۲۵۹ میں ہے:

”چھوٹے بڑے ہزاروں ہزار افراد، اس محبوب کردگار کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مشرف باسلام ہوتے، اور حضرت کی ارادت کا شرف حاصل کرتے، یہاں تک

> کہ اسلام کا چراغ ہندوستان میں اس خاندان عالی شان (مشائخ چشت) کے طفیل خوب روشن ہوا۔"

حضرت خواجہ تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ و بے خود رہے، اور محبت رسول میں سرشار رہے، اکثر جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا تو رونے لگتے۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات دلیل العارفین میں ہے، فرمایا کہ اس شخص پر افسوس ہے، جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا، یہ فرما رہے تھے اور زار زار رو رہے تھے۔ (مجلس دوم)

حضرت خواجہ رات کو بہت کم سوتے، اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے، تو قبرستان میں قیام فرماتے، مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہو جاتی، تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ روانہ ہو جاتے۔ (بزم صوفیہ)

وفات: وفات کے سلسلے میں تذکرہ نگاروں نے مختلف سنین کا نام لیا ہے، بزم صوفیہ میں ۶۲۷ھ کو ترجیح دی ہے، اور اجمیر میں ان کی آمد غالباً ۵۸۸ھ میں ہوئی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اجمیر میں آپ کا قیام ۳۹ر سال رہا۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ وفات کے دن عشاء کی نماز پڑھ کر آپ نے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر لیا، حجرہ کے باہر خانقاہ کے رہنے والوں کے کانوں میں ایسی آواز آتی رہی، جیسے کوئی پاؤں وجد کی حالت میں پٹکتا ہو، ان کو خیال ہوا کہ خواجہ صاحب پر وجد کا عالم طاری ہے، اخیر شب میں یہ آواز بند ہو گئی، فجر کی نماز کا وقت ہوا، تو دروازے پر دستک دی گئی، لیکن اندر سے کوئی آواز نہیں آئی، جب دروازہ کسی طرح کھولا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ اللہ کے حبیب اللہ کی محبت میں جاں بحق ہو چکے ہیں۔ (بزم صوفیہ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اخبار الاخیار" میں فرماتے ہیں:

> مشہور ہے کہ خواجہ اجمیری کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا، حبیب اللہ مات فی حب اللہ (اللہ کا حبیب، اللہ کی محبت میں دنیا سے گیا)

☆☆☆☆☆

شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی نور اللہ مرقدہٗ

کبار مشائخ صوفیہ میں ہیں، تصوف کے چار سلسلوں میں ایک سلسلہ ’’سہروردیہ‘‘ حضرت خواجہ شہاب الدین ہی کی طرف منسوب ہے، امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں ان کے لئے درج ذیل القاب استعمال کئے ہیں:

الشيخ الامام، العالم ، القدوة، الزاهد، العارف، المحدث ، شيخ الاسلام، أوحد الصوفية۔

رجب ۵۳۹ھ میں حضرت خواجہ صاحب کی ولادت ہوئی، عنفوانِ شباب ہی میں بغداد تشریف لائے ، اور اپنے چچا شیخ ابوالنجیب علیہ الرحمہ کی صحبت اختیار کی ، اور ان کی خدمت میں رہ کر علمِ فقہ، وعظ گوئی اور تصوف کا ملکہ حاصل کیا، کچھ دنوں سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کی صحبت میں بھی رہے، اور ان کی شاگردی اختیار کی۔

ان کے ایک شاگرد مشہور محدث ومورخ ابن النجار نے ان کے احوال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت خواجہ شہاب الدین علم حقیقت میں شیخ وقت تھے، مریدین کی تربیت میں ملکہ تامہ رکھتے تھے، خلق خدا کو اللہ کی جانب اور سلوک وتصوف کی جانب دعوت دی، اپنے چچا کی صحبت میں ریاضت ومجاہدہ کی راہ اختیار کی۔ علم فقہ، خلافیات اور علوم عربیہ میں مہارت حاصل کی ، پھر خلوت ، کثرت ذکر اور مسلسل روزہ کا التزام کیا۔ ایک عرصہ کے بعد جب آپ کی عمر اچھی خاصی ہوگئی ، تو لوگوں کے درمیان تشریف لائے اور ان کے سامنے کلام فرمانے کا آغاز کیا، چنانچہ اپنے چچا کے مدرسے میں وعظ کہتے ، ان کا وعظ بہت مفید اور تکلف سے پاک ہوتا، مجلس وعظ میں مسلمانوں کا جم غفیر حاضر ہوتا، عوام وخواص میں انھیں مقبولیت حاصل ہوئی، ان کے نام کو بہت شہرت ہوئی ، لوگ بہت دور دور سے حاضر

خدمت ہوتے، ان کے انفاسِ قدسیہ کی برکت بکثرت گناہگاروں پر ظاہر ہوئی، وہ اپنے گناہوں سے تائب ہوئے، اور خدا رسیدہ ہوئے۔ ان کے تلامذہ ومریدین ستاروں کی مانند ہوگئے تھے، کئی مرتبہ خلیفۂ بغداد کی جانب سے ملک شام اور خوارزم شاہ کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجے گئے، انھوں نے بزرگی کا وہ رتبہ اور احترام پایا، جو اس وقت کسی اور کو حاصل نہیں ہوا، کئی کئی رباطوں اور خانقاہوں کے ذمہ دار بنائے گئے، طویل عمر پائی۔ اخیر میں نابینا اور معذور سے ہوگئے، لیکن اس کے باوجود اَوْرَاد واَشغال اور دوام ذکر اور جمعہ کی حاضری مسلسل جاری رہی، اس حالت میں حج کرنے بھی تشریف لے جاتے رہے، جب آپ کی عمر شریف نوے سے آگے بڑھی، تو کمزوری بہت بڑھ گئی، اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے لگے۔

بڑے صاحب مروت اور بلند حوصلہ تھے، ان کے نزدیک مال کی کوئی اہمیت اور قدر وقیمت نہ تھی، انھیں دولت بہت حاصل ہوئی، مگر کچھ جمع کر کے رکھا نہیں، اور جب انتقال ہوا تو کفن کا بھی انتظام نہ تھا۔

وہ شکل وصورت میں بھی خوب تھے، اور سیرت وشمائل کا تو کہنا ہی کیا، بہت متواضع اور اوصافِ جمیلہ سے آراستہ تھے، میں نے ان سے بہت کچھ پڑھا، اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہا، بہت سچے اور بہت عقل مند تھے، انھوں نے تصوف میں ایک کتاب تصنیف فرمائی، جس میں صوفیہ کے احوال کی شرح فرمائی، وہ کتاب ان سے بار بار پڑھی گئی۔ کتاب کا نام ’’عوارف المعارف‘‘ ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۱۶، ص:۳۰۰)

شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ نے ’’عوارف المعارف‘‘ میں قیام لیل (تہجد کی نماز) اور اس وقت کے آداب کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے، اس بیان سے ان کے احوال ومقامات کا اندازہ ہوتا ہے، ہم یہاں اس کی تلخیص پیش کرتے ہیں، شاید کسی کے دل میں یہ بات اتر جائے۔ فرماتے ہیں:

”جب رات میں خواب سے بیدار ہو، تو اس وقت حسن ادب یہ ہے کہ اپنے قلب و باطن کو اور اپنی سوچ کو اللہ کی طرف اس سے پہلے متوجہ کرے کہ ادھر ادھر فکر و خیال گردش کرنے لگے، اور زبان سے اللہ کا ذکر کرے۔

سچے سالک کی مثال اس بچے کی سی ہے جس کے دل میں کسی چیز شوق جم گیا ہو، تو وہ سوتا ہے، تو اسی کی محبت اور سوچ میں سوتا ہے اور بیدار ہوتا ہے، تو اسی چیز کی فکر اس پر مسلط رہتی ہے، ایسا مومن سالک جو ذکر الٰہی اور محبت الٰہی میں دیوانہ ہے، وہ مرتے دم تک بلکہ میدان قیامت تک اسی فکر اور سوچ میں رہتا ہے۔

جب وہ سوکر اٹھے تو اسے اچھی طرح دیکھ لینا چاہئے کہ کس فکر کا اس کے قلب پر تسلط ہے، قبر میں جانے تک یہی صورتحال رہے گی، اگر اس کی ساری فکر اللہ سے متعلق ہے، تب تو درست ہے، ورنہ غیر اللہ مقصد بن کر رہ جائے گا۔

بندہ جب سوکر اٹھتا ہے، تو وہ فطرت کی پاکیزگی پر ہوتا ہے، اسے چاہئے کہ غیر اللہ میں مشغول ہوکر اس کو بدل نہ دے، پس دل کا حال تو وہ ہو جسے ہم نے ذکر کیا، اور زبان سے پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْہِ النُّشُوْرُ، تمام تعریف اللہ کے لئے ہے، جس نے موت دینے کے بعد ہم کو زندہ کیا، اور اسی کے پاس زندہ ہوکر لوٹنا ہے۔ پھر سورہ آل عمران کے آخری رکوع (إن فی خلق السمٰوات الخ) کی تلاوت کرے۔

پھر وضو کرے اور ہو سکے تو غسل کر لے، اور قلب و باطن کو بھی صدق و انابت سے غسل دے لے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: منیبین إلیہ و اتقوہ و أقیموا الصلوٰۃ () اللہ کی طرف انابت کرتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو۔ دیکھئے آیت شریفہ میں نماز میں داخل ہونے سے پہلے انابت کا ذکر ہے۔ انابت کا مطلب یہ ہے کہ سچے دل سے محبت اور عقیدت و احترام کے ساتھ اللہ کے سامنے دل کو جھکا دے۔

پھر جب تہجد پڑھنے کا ارادہ ہو، اور اس کے لئے کھڑا ہو، تو کہے:

اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیرا! وسبحان اللہ وبکرۃ وأصیلاً،

اور دس مرتبہ کہے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَاإِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللّٰہِ۔

اور کہے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ذُوالْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْعَظْمَۃِ وَالْجَلَالِ وَالْقُدْرَۃِ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ بَھَاءُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَمَنْ عَلَیْھِنَّ أَنْتَ الْحَقُّ وَلِقَاءُ کَ حَقٌّ وَالْجَنَّۃُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ علیہ السلام حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ أَسْلَمْتُ وَبِکَ آمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَإِلَیْکَ حَاکَمْتُ فَاغْفِرْ لِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَنْتُ أَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَاإِلٰہَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا إِلٰہَ اَللّٰھُمَّ آتِ نَفْسِیْ تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا أَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا أَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا، اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَایَھْدِیْ لِاَحْسَنِھَا إِلَّاأَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَھَا لَایَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَھَا إِلَّاأَنْتَ، أَسْأَلُکَ مَسْئَلَۃَ الْبَائِسِ الْمِسْکِیْنِ وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْفَقِیْرِ الذَّلِیْلِ فَلَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ رَبِّ شَقِیًّا وَکُنْ لِیْ رَؤُوْفاً رَّحِیْماً یَاخَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَااَکْرَمَ الْمُطِیْعِیْنَ۔

پھر دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھے، پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد وَلَوْأَنَّھُمْ إِذْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَھُمْ جَاءُ وْکَ فَاسْتَغْفَرُوااللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَلَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوْا اللّٰہَ تَوَّاباًرَّحِیْماً (سورہ نساء: ۶۴) پڑھے، اور دوسری رکعت میں وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْءً أَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًارَّحِیْماً (سورہ نساء: ۱۱۰) پڑھے، اور ان دو

رکعتوں کے بعد بار بار استغفار پڑھے، پھر تہجد کی نماز دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے، اور جی چاہے تو پہلی رکعت میں آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمن الرسول سے آخر تک پڑھے، اور اگر چاہے تو کچھ اور پڑھے، پھر دو رکعت طویل پڑھے، رسول اللہ ﷺ کی نمازِ تہجد کی یہی کیفیت منقول ہے، پھر دو رکعت طویل مگر پہلی سے کچھ کم پڑھے، اسی طرح بتدریج ہلکی کرتا جائے، یہاں تک کہ بارہ رکعت یا آٹھ رکعت ہو جائے، یا اس سے بھی زیادہ، اس نماز کی بڑی فضیلت ہے۔ (عوارف المعارف باب ۴۷)

حضرت شیخ سہروردی علیہ الرحمہ کی یہ کتاب مشائخ صوفیہ میں ہمیشہ مقبول ومتداول رہی، خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ اپنے صاحب ارادت علماء کو سبقاً سبقاً پڑھایا کرتے تھے۔

امام ذہبی سیر اعلام النبلاء، ج:۱۶، ص:۳۰۲ میں شیخ سہروردی کے تذکرے میں فرماتے ہیں کہ: **ألبسني خرق التصوف شيخنا المحدث الزاهد ضياء الدين عيسىٰ بن يحيىٰ الانصارى بالقاهرة وقال: ألبسنيها الشيخ شهاب الدين السهروردى بمكة من عمه أبي النجيب۔**

مجھے خرقۂ تصوف شیخ محدث زاہد ضیاء الدین عیسیٰ بن یحییٰ انصاری (۱) نے قاہرہ میں عطا فرمایا، اور فرمایا کہ مجھے یہ خرقہ شیخ شہاب الدین سہروردی نے مکہ مکرمہ میں اپنے چچا شیخ ابوالنجیب کے حوالہ سے عطا فرمایا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ذہبی بھی سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ میں ہیں، اور صاحب اجازت وخرقہ ہیں۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اخیر عمر میں نابینا اور حد درجہ ضعیف ہو گئے تھے، ۹۲ر برس عمر شریف ہوئی، مگر اوراد و وظائف اور شب خیزی کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، آپ بکثرت حج کیا کرتے تھے، آخری حج ۶۲۸ھ میں کیا، ۶۳۲ھ کا آغاز ہو رہا تھا، سال کی پہلی ہی شب میں جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ ان کی اولاد میں بڑے علماء

وفضلاء ہوئے۔

ہندوستان میں ان کا سلسلہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ سے پھیلا، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کا تذکرہ مستقلاً کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

مشہور بزرگ اور شاعر حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ بھی شیخ سہروردی کے حلقۂ ارادت وصحبت میں داخل تھے، چنانچہ وہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مرا پیر دانائے فرخ شہاب   دواندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ برخویش خودبیں مباش   دگر آنکہ بر غیر بدبیں مباش

☆ مجھے شیخ دانا اور مبارک حضرت شہاب الدین نے سمندری سفر میں جہاز پر دو نصیحتیں فرمائی تھیں۔ ☆ ایک یہ کہ اپنے اوپر خودبیں نہ بننا، یعنی اپنے محاسن وکمالات پر نظر نہ رکھنا، دوسرے یہ کہ دوسرے پر بدبیں نہ بننا، کہ دوسروں کے معائب دیکھتے پھرو۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ: شیخ، امام، محدث، زاہد، بقیۃ السلف ضیاء الدین عیسیٰ بن یحییٰ انصاری ۶۱۳ھ میں پیدا ہوئے، علم حدیث میں مہارت کے ساتھ شیخ سہروردی سے مکہ مکرمہ میں خرقۂ تصوف حاصل کیا، انھوں نے مجھے عطا فرمایا۔ میں نے جماعت کے ساتھ کچھ حدیث کے اجزاء کی سماعت ان سے کی ہے، وہ بہت صاحب خیر، عبادت گزار، عالم، متواضع، بلند مرتبہ بزرگ تھے۔ ۶۹۶ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ج: ۱۷، ص: ۱۹۵)

حضرت امام ابو یوسفؒ (قاضی القضاۃ حکومت عباسیہ)

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کمالاتِ علمی اور فضائل عملی کے لحاظ سے نہایت زرخیز امت ہے، ہر دور میں ایک طرف باکمال علماء کی لامتناہی صفیں نظر آتی ہیں، تو دوسری طرف وہ اصحابِ عمل ہیں، جن کی سیرت کا امتیاز اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ ہیں۔ اور ایسا نہیں ہے کہ دونوں الگ الگ گروہ ہوں کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے فضائل ومناقب سے خالی اور برکنار ہو، بلکہ ایک ہی شخصیت جہاں علم وفضل کے مقام بلند پر فائز ہے، وہیں کمالاتِ عملی میں امتیازی شان رکھتی ہے، البتہ اتنا ہے کہ کسی پر علم کا غلبہ ہے، تو اس کا وہی پہلو نمایاں ہے، اور کسی پر عمل کا غلبہ ہے تو اس کا وہ پہلو نمایاں ہے، اور بعض بزرگوں میں دونوں حیثیتیں موجود ہیں، وہ ہر اعتبار سے باکمال نظر آتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی علمی شان بہت ارفع واعلیٰ ہے، اور عملی شان بھی اتنی ممتاز ہے کہ اسی سلسلۂ مضامین میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ مدتوں وہ رات کو سوئے نہیں اور ساری ساری رات عبادت میں مشغول رہے، علم کا حال تو سب کے سامنے ظاہر ہے کہ ان کا سلسلۂ فقہ سدابہار ہے۔

استاذ کا جب یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ تلامذہ میں بھی قدرۃً یہ رنگ آئے گا، امام صاحب کے بزرگ ترین اور نمایاں شاگرد امام ابو یوسف علیہ الرحمہ ہیں۔ یہ ان کے ان تلامذہ میں ہیں، جن سے امام صاحب کے مکتبہ فکر کو شہرتِ عام ملی اور قبولِ دوام حاصل ہوا۔

امام ذہبیؒ نے ان کا تذکرہ جن الفاظ سے شروع کیا ہے، وہ یہ ہیں: **هو الامام المجتهد، العلامة المحدث، قاضي القضاة**، ان کے سلسلۂ اجداد میں ایک صحابیٔ رسول حضرت سعد بن بجیر رضی اللہ عنہ ہیں، یہ اپنی ماں حبتة کی طرف منسوب ہو کر سعد بن حبتة کہلاتے ہیں،

انصار کے حلیف تھے، اس لئے انصاری کہے جاتے ہیں، ورنہ یہ ''بجلی'' تھے، غزوہ احد میں شریک تھے، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اکرم ﷺ کی تلاش میں جارہا تھا کہ میں مسعدہ سے ٹکرا گیا، میں نے اس پر ایک وار کیا، پھر اسے سعد بن حبتہ پا گئے، توانھوں نے ایسا ہاتھ مارا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ (اصابہ، ج:۲، ص:۳۰۸)

سیّدنا امام ابویوسف کی ولادت ۱۱۳ھ میں ہوئی۔ وہ ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید انصاری اور امام اعمش وغیرہ کے علم حدیث میں شاگرد ہیں، لیکن ہر جہت سے ان کے استاذ جن کے ساتھ وہ دائماً منسوب ہوگئے ہیں وہ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ہیں۔

ان کے والد تنگ دست تھے، اس لئے وہ فکر معاش میں بیٹے کو ساتھ رکھنا چاہتے تھے، مگر امام ابویوسف کو تحصیل علم کا شوق تھا، وہ اس مقصد کے لئے امام اعظم کے پاس حاضری دیا کرتے تھے، ان کے والد نے ایک بار ان سے کہا، کہ تم ابوحنیفہ کی ریس مت کرو، تم غریب اور محتاج آدمی ہو، انھوں نے والد کی بات کا اثر لیا، امام صاحب کو جب معلوم ہوا، تو انھوں نے سو درہم دئے، کہ تم لزوماً آیا کرو، جب یہ رقم ختم ہوجائے تو مجھے بتاؤ، پھر کچھ دنوں کے بعد دوبارہ سو درہم دئے، پھر کچھ کچھ وقفے کے بعد سو سو درہم دیتے رہے، اور امام ابویوسف کا تعلیمی سلسلہ بغیر انقطاع کے جاری رہا۔

امام صاحب کے یہاں ان کی قدر ومنزلت اس درجہ تھی کہ ایک مرتبہ امام ابویوسف بیمار ہوئے، ان کی عیادت کے لئے امام صاحب تشریف لے گئے، باہر نکل کر فرمایا، کہ اگر یہ جوان مرگیا، تو یہ روئے زمین کا بزرگ ترین عالم ہے۔ امام ابویوسف علیہ الرحمہ، امام صاحب کی خدمت میں سترہ سال رہے، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ امام ابویوسف نے علمی سیادت کے اس مقام کو حاصل کرلیا تھا، جس کے آگے جانا مشکل ہے۔

یہ تو ان کے علم وفضل کی شان تھی، اب عبادت کا حال ملاحظہ ہو، حضرت ابن سماعہ فرماتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ روزانہ دوسو رکعتیں نفل پڑھا کرتے تھے۔

حضرت امام ابویوسفؒ کا وصال ۵؍ربیع الاول ۱۸۲ھ میں ہوا۔

(سیر اعلام النبلاء، ج:۷، ص:۷۰۷)

امام دار الہجرۃ سیّدنا مالک بن انس رحمہ اللہ

المتوفیٰ (۱۷۹ھ)

فقہ اسلامی کے چار ائمہ معروف ہیں، جن کی تدوین کردہ فقہ کا رواج تمام عالم اسلام میں ہوا، زمانہ کی ترتیب کے لحاظ سے پہلے امام، امام اعظم ابوحنیفہ، المتوفی ۱۵۰ھ ہیں۔ دوسرے امام مالک بن انس، المتوفی ۱۷۹ھ ہیں۔ تیسرے حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی، المتوفی ۲۰۴ھ ہیں۔ چوتھے امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل شیبانی، المتوفی ۲۴۱ھ ہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ کی فقہ کا پھیلاؤ مغرب اقصیٰ اور اندلس میں ہوا۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یوشک أن یضرب الناس من أکبادالابل یطلبون العلم فلایجدون أحداً أعلم من عالم المدینة۔ (ترمذی شریف، **باب ماجاء فی عالم المدینة**)

عنقریب لوگ طلب علم کے لئے سواریوں پر سفر کریں گے، اور مدینے کے عالم سے بڑا عالم نہیں پائیں گے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ راویٔ حدیث حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عالم مدینہ سے مراد حضرت امام مالک علیہ الرحمہ ہیں۔

ائمہ حدیث کے نزدیک **مالک عن نافع عن ابن عمر** کی سند سلسلۃ الذہب ہے، یعنی سنہری کڑی ہے جس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے، تو حجاز سے علم ختم ہوگیا ہوتا، جب حدیث واثر کی بات ہو تو مالک **نجم** (روشن ستارہ) ہیں، جب حدیث کے بعض اجزاء میں شک ہوجاتا تھا، تو وہ پوری حدیث چھوڑ دیتے تھے۔

(ائمہ اربعہ، مصنفہ: قاضی اطہر مبارکپوری، ص: ۱۲۸)

قاضی اطہر صاحب مبارکپوری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

> ”امام مالک ان تمام اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کے جامع تھے، جو صحابہ اور تابعین میں موجود تھے، اور جن کے حاملین کی ذات اسلامی تعلیمات کا اُسوہ اور نمونہ تھی۔ امام صاحب کے مکان واقع عقیق کے دروازے پر ماشاء اللہ لکھا تھا، بعض لوگوں نے اس کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے بتایا کہ قرآن حکیم میں ایک واقعہ کے ضمن میں ہے: **ولولا إذ دخلت جنتک قلت ماشاء الله**، جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے، تو ماشاء اللہ کیوں نہ کہا۔
>
> اور باغ بھی گھر ہی ہے۔ (ص: ۱۲۳)

امام مالک علیہ الرحمہ مدینہ منورہ میں سواری پر کبھی نہیں چلتے تھے، کہتے تھے کہ جس سرزمین پر رسول اللہ ﷺ دفن ہیں، اور جس خاک پر آپ چلے پھرے ہیں، اس پر سواری کرنا خلافِ ادب ہے، امام صاحب کثیر الصمت اور قلیل الکلام تھے، کھل کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ مسکراتے تھے۔

سلف صالحین کے یہاں علم وعمل، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا مطلب دین تھا، اور وہ جملہ صفات کے جامع اور ترجمان تھے، امام مالکؒ میں یہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم تھے۔

امام صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا قلب روشن ہو، موت کی سختی سے اسے نجات ملے، روزِ قیامت کے شدائد سے وہ محفوظ رہے، اس کا باطنی عمل، ظاہری عمل سے زیادہ ہونا چاہئے۔

مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب امام صاحب کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر مبارک ہوتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا اور وہ سر جھکا لیتے، اور فرماتے کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے، اگر تم لوگ دیکھتے تو میری حالت پر تعجب نہ کرتے۔ فرماتے کہ محمد بن منکدر سیّد القراء تھے، ہم لوگ ان سے کوئی حدیث معلوم کرتے، تو وہ رونے لگتے، میں نے

مدتوں ان کے یہاں آیا گیا ہوں اور ہمیشہ ان کو تین حالتوں میں سے کسی حالت میں پایا ہے ۔ نماز میں مشغول رہتے، یا روزہ سے ہوتے، یا تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ حدیث رسول باوضو بیان کرتے تھے، وہ عباد وزہاد میں سے تھے، میں ان کے یہاں جاتا تو تکیہ رکھ دیتے تھے، جب میں اپنے دل میں سختی اور غفلت پاتا ہوں تو محمد بن منکدر کو ایک نظر دیکھ لیتا ہوں اور کئی دن تک میرا نفس نیک اثرات سے متاثر رہتا ہے۔ امام صاحب ہر ماہ کی پہلی رات کو پوری رات عبادت کرتے تھے، دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ آپ اس ماہ کا استقبال وافتتاح عبادت سے کر رہے ہیں۔ صاحبزادی فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ امام صاحب ہر رات اپنا وظیفہ (نوافل وغیرہ) پورا کرتے تھے، اور جمعہ کی رات میں پوری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے۔

مغیرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات گئے میں امام صاحب کے پاس سے گذر رہا تھا، وہ **الحمد للہ** کے بعد **الھاکم التکاثر** پڑھ رہے تھے، میں ٹھہر گیا، امام صاحب جب **لتسئلن یومئذٍ عن النعیم** پر پہونچے تو دیر تک روتے رہے، اور یہی آیت دہراتے رہے، ان کا یہ حال دیکھ کر میں وہیں رہ گیا، صبح ہوتے ہوتے رکوع کیا۔ میں وضو کر کے مسجد میں گیا، دیکھا کہ امام صاحب اسی حال میں ہیں، اور ان کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔

امام صاحب نوافل میں طویل رکوع وسجود کرتے تھے، کوڑے کی سزا کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ہلکی نماز پڑھیں، فرمایا کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ کیلئے جو عمل کرے اچھی طرح کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **لیبلو کم أیکم أحسن عملاً**۔

امام صاحب کے اخفاءِ حال کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے رومال کو تہ کر کے رکھتے تھے، اور نماز کے وقت اسی پر سجدہ کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ میری پیشانی پر سجدے کا نشان نہ پڑ جائے، جس کو دیکھ کر لوگ سمجھیں کہ میں قیام لیل کرتا ہوں۔

فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے قلب کی اصلاح گھور پر بیٹھنے سے ہو جائے گی، تو میں اس پر جا کر ضرور بیٹھوں گا۔ امام صاحب نفل عبادت تنہائی میں

کرتے تھے، تاکہ کوئی نہ دیکھ سکے اور ان کی بزرگی کا شہرہ نہ ہو۔ (ائمہ اربعہ، تذکرہ امام مالک)

امام صاحب کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی، ۱۷۹ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

امام صاحب زندگی کے آخری سالوں میں گوشہ نشین ہوگئے تھے، حتیٰ کہ جمعہ اور جماعت کے لئے بھی باہر نہیں آتے تھے، اور فرماتے تھے کہ ہر شخص کھل کر اپنا عذر بیان نہیں کرسکتا، اس کے باوجود آپ کی مقبولیت ومرجعیت میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آخر میں بتایا تھا کہ مجھے سلسل البول کا مرض ہوگیا ہے، میں اس حالت میں مسجد نبوی میں نہیں جانا چاہتا، کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم میں فرق آئے، اور میں نہیں چاہتا کہ اپنی بیماری کا تذکرہ کرکے اللہ کا شکوہ کروں، امام صاحب بائیس دن بیمار رہے، ۱۴؍ربیع الاول شنبہ کے دن وفات پائی، انتقال سے پہلے کلمہ شہادت پڑھا اور یہ جملہ کہا: **للہ الامر من قبل ومن بعد** (اللہ ہی کے اختیار میں سب امر ہے، اوّل بھی، آخر بھی)

جنت البقیع میں دفن کئے گئے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جب بغداد میں آپ کی وفات کی خبر سنی تو **إنالله وإنا إليه راجعون** پڑھ کر فرمایا:

مصيبة ماأعظمها مات مالك بن انس، مات امير المومنين في الحديث۔

کتنی بڑی مصیبت آپڑی، مالک بن انس وفات پاگئے، حدیث کے امیر المومنین کی وفات ہوگئی۔

امام صاحب کا رنگ گورا سرخی مائل تھا، قد لمبا، سر بڑا، آنکھیں فراخ، نہایت وجیہ وشکیل تھے، داڑھی دراز، مونچھیں مناسب، خضاب استعمال نہیں کرتے تھے، نہایت خوش پوشاک تھے، انگوٹھی میں سیاہ نگ تھا، جس میں **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** کندہ تھا، **رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً** (تلخیص از ''ائمہ اربعہ'' مولفہ: قاضی اطہر مبارکپوری ؒ)

☆☆☆☆☆

حضرت حسّان بن ابی سنان رحمہ اللہ

صاحب حلیۃ الاولیاء امام ابونعیم اصفہانی نے حضرت حسّان کا تذکرہ ان الفاظ میں شروع کیا ہے:

حافظ الطرف واللسان، رابط القلب والجنان حسان بن ابی سنان۔

نگاہ اور زبان کی حفاظت کرنے والے، قلب اور طبیعت کے پختہ۔

حضرت حسان کے ایک شاگرد ابن شوذب فرماتے ہیں کہ حسان بصرہ کے ایک تاجر تھے، اور وہ ایک شخص کی شرکت میں تجارت کیا کرتے تھے، ان کا شریک بصرہ میں رہتا تھا اور وہ خود اہواز میں مقیم تھے، وہ اہواز سے مالِ تجارت بصرہ بھیجا کرتے تھے، پھر دونوں سال کے شروع اکٹھا ہوتے، اور حساب کرکے نفع تقسیم کرلیا کرتے، حضرت حسان بقدر ضروری اخراجات کے مال رکھ لیتے، اور باقی صدقہ کردیتے، اور ان کا شریک مکان بنواتا، زمینیں خریدتا۔ ایک مرتبہ حضرت حسان بصرہ تشریف لائے اور جو تقسیم کرنا تھا تقسیم کردیا، اس کے بعد ان سے ایک خاندان کا تذکرہ کیا گیا، جو اہل حاجت تھے، لیکن اس وقت ان کی حاجت کا انکشاف نہ ہوا تھا، انھوں نے فرمایا کہ پہلے کیوں نہیں بتایا؟ پھر تین سو درہم قرض لے کر ان کے پاس بھیجا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۳، ص:۱۳۸)

تجارت میں ان کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان کے غلام نے ایک مرتبہ انھیں خط لکھا کہ اہواز میں گنے کی کھیتی برباد ہوگئی ہے، اس لئے اگر شکر مل جائے تو اسی وقت لے لیجئے، بعد میں گراں ہوگی، انھوں نے ایک شخص سے شکر خریدلی، مگر چند ہی دنوں کے بعد انھیں اس میں تیس ہزار کا نفع ملنے لگا، انھیں کچھ خیال ہوا، وہ اس شخص کے پاس پہونچے جس سے

شکر خریدی تھی، اور فرمایا کہ مجھے میرے غلام نے ایسے ایسے لکھا تھا، تب میں نے تم سے شکر خریدی تھی، تم کو میں نے بتایا نہ تھا کہ گنے کی کھیتی برباد ہوگئی ہے، تو یہ ایک طرح کا دھوکہ تھا، اب تم شکر واپس لے لو، اور سابقہ بیع کو ختم کردو، اس نے کہا، اب تو آپ نے بتادیا اور میں سابقہ بیع پر راضی ہوں، یہ سن کر وہ واپس آگئے، مگر ان سے رہا نہ گیا، دوبارہ گئے اور فرمایا کہ میں نے قاعدے کے مطابق تم سے معاملہ نہیں کیا ہے، مجھے پہلے ہی بتادینا تھا، وہ نہیں ہوا، اس لئے اس بیع کو ختم کردو، انھوں نے اس پر اتنا اصرار کیا کہ اس نے بیع واپس کرلی۔

(**حلیۃ الاولیاء**، ج:۳، ص:۱۴۰، **صفوۃ الصفوۃ**، ص:۶۷۵)

تاجر اتنی احتیاط کرلے کہ ذرا سا شبہ کی وجہ سے ایک بڑا نفع کھودے، یہ بڑی عزیمت اور حوصلے کی بات ہے، ایسے ہی تاجر قیامت کے دن انبیاء کے ساتھ ہوں گے۔

حضرت حسان تاجر بھی تھے اور بڑے عالم بھی تھے، حضرت حسن بصریؒ اور حضرت ثابت بنانیؒ کے شاگرد ہیں، لیکن عبادت نے تجارت اور علم دونوں جہتوں کو چھپالیا تھا، عبادت کی کیفیت ان کی اہلیہ بیان کرتی ہیں کہ:

> ”وہ رات میں آتے، اور میرے ساتھ بستر پر لیٹ جاتے، پھر مجھے اس طرح بہلاتے جیسے مائیں اپنے بچوں کو بہلاتی ہیں، پھر جب سو جاتی، تو آہستہ سے کھسکتے اور اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے، ایک روز میں نے کہا کہ اے ابوعبداللہ! اپنے آپ کو کب تک عذاب میں ڈالے رہوگے؟ کچھ تو اپنے اوپر نرمی کرو، فرمایا خاموش رہو، وہ وقت قریب ہے کہ میں ایک ایسی نیند سوؤں گا کہ مدتوں بیدار نہیں ہوں گا۔ (حوالہ بالا)

حضرت حسان سے ان کے مرض الموت میں دریافت کیا گیا کہ آپ اپنے کو کیسا محسوس کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اگر جہنم سے نجات پاجاؤں تو بخیر ہوں، کہا گیا کہ آپ کچھ چاہتے ہیں؟ فرمایا کہ ایسی رات جس کے دونوں کناروں کے درمیان فاصلہ لمبا ہو، یعنی لمبی رات ہو کہ میں اس میں عبادت کروں۔ (صفوۃ الصفوۃ، ص:۶۷۵)

حضرت حسان بڑے عابد و زاہد تھے، تجارت سے ان کی غرض غریبوں کی

امداد و اعانت تھی، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ **لولا المساکین مااتجرتہ** اگر مساکین نہ ہوتے تو میں تجارت نہ کرتا۔ (تاریخ الاسلام، ج:۵، ص:۷۴)

اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ وہ غریبوں کی مدد کس کس طرح مدد کرتے تھے، اوپر گزر چکا ہے کہ سال بھر میں نفع کی جو رقم انھیں ملتی تھی، اس میں سے اپنے ناگزیر اخراجات نکال لینے کے بعد باقی سب رقم صدقہ کردیتے تھے، اس میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ سب کچھ تقسیم کردینے کے بعد ایک ضرورت مند گھرانے کا انھیں پتہ چلا تو قرض لے کر ان کی مدد کی۔

ایک اور واقعہ صاحب حلیۃ الاولیاء نے ان کا نقل کیا ہے، جسے علامہ ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں بھی درج کیا ہے، کہ ایک عورت ان کی خدمت میں آئی، اس کے کپڑے سے رنگ جھڑ رہا تھا، اس نے ان سے کچھ سوال کیا، حضرت حسان نے اپنے شریک تجارت کو اپنی دو انگلیوں شہادت کی انگلی اور اس سے متصل لمبی انگلی سے اشارہ کیا، جس سے دو کا عدد مفہوم ہو رہا تھا، ان کا شریک دو درہم دینے لگا، فرمایا کہ نہیں دو سو درہم! لوگوں نے کہا کہ حضرت اس جیسا سائل تو دو درہم پر بھی راضی ہے، فرمایا میں جو کچھ سوچ رہا ہوں تم نہیں سوچ رہے ہو، وہ یہ کہ اس عورت کی جوانی ابھی باقی ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اپنی غربت کی وجہ سے کسی نامناسب کام میں گرفتار نہ ہو جائے۔ (ج:۳، ص:۱۳۸)

ایک بار مشہور بزرگ حضرت یونس بن عبید اور حسان بن ابی سنان ایک مجلس میں تھے، حضرت یونس نے فرمایا کہ ورع یعنی احتیاط و تقویٰ سے زیادہ مشکل کوئی اور چیز میرے تجربے میں نہیں آئی، حضرت حسان نے فرمایا: مگر میرے نزدیک تو وہ بہت آسان ہے، یونس نے کہا وہ کیسے؟ جس چیز میں شبہ ہوتا ہے اسے ترک کردیتا ہوں، اور بے شبہ چیز کو اختیار کرلیتا ہوں۔ (**حلیۃ الاولیاء** ج:۳، ص:۱۳۷)

حضرت حسان اپنی دکان میں بھی نمازیں پڑھا کرتے تھے، عمارہ زاذان کہتے ہیں کہ حضرت حسان اپنی دکان کا دروازہ کھولتے اور بہی کھاتہ پھیلاتے اور قلم دوات رکھ دیتے، اور پردہ ڈال کر نماز پڑھتے، کوئی آجاتا تو حساب کتاب پر متوجہ ہو جاتے، اس طرح اپنی

عبادت کو مخفی رکھنے کا اہتمام کرتے۔ (**حلیۃ الاولیاء** ج:۳، ص:۱۳۷)

حضرت حسان ذکر الٰہی اور باطن کی مشغولیت میں مستغرق رہتے تھے، یہ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے اللہ کی یاد میں دنیا کی لذتیں محو کردی تھیں، ایک مرتبہ عید کے دن نماز سے فارغ ہوکر گھر آئے، تو ان کی بیوی ان سے کہنے لگیں کہ آج تو بہت سی خوبصورت لڑکیوں نے آپ کو دیکھا ہوگا، اور آپ نے بھی انھیں دیکھا ہوگا، فرمایا کہ کیا بات کرتی ہو؟ میں نے تو گھر سے نکلنے سے واپس آنے تک بجز اپنے پاؤں کے انگوٹھے کے اور کوئی چیز دیکھی ہی نہیں، کسی نے عید ہی کے دن ان سے کہا کہ آج تو بہت سی عورتیں باہر نکلی تھیں، فرمایا کہ مجھے تو کوئی عورت نہیں ملی۔ (حوالہ سابق)

اس عبادت اور احتیاط کے بعد انھیں مرتبہ کی کتنی بلندی نصیب ہوئی ہوگی، خالق تعالیٰ ہی جانتے ہوں گے۔ اس کا کچھ اندازہ ان مبشرات سے ہوتا ہے جنھیں صاحب حلیۃ الاولیاء اور علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے۔

مشہور تابعی وہب بن منبہ کی مجلس میں حاضر باش ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت رسول کریم ﷺ کو دیکھا، میں نے عرض کیا کہ آپ کی امت میں ابدال کہاں ہیں؟ آپ نے ملک شام کی طرف اشارہ کیا، میں نے عرض کیا حضرت! عراق میں بھی کوئی ہے؟ فرمایا ہاں، محمد بن واسع، حسان بن ابی سنان اور مالک بن دینار۔

ایک اور شخص کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا کہ اگر حسان دعا کریں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے گا۔ (حلیۃ الاولیاء ج:۳، ص:۱۳۶)

رسول اکرم ﷺ کی بعض احادیث میں ''اَبدال'' کا ذکر آیا ہے، مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے ایک روایت منقول ہے، شریح بن عبید کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا گیا جب وہ عراق میں تھے، کہ اہل شام پر لعنت بھیجئے، فرمایا نہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے کہ ابدال شام میں ہوں گے، وہ چالیس ہوں گے، ایک کا انتقال ہوگا، تو اس کی جگہ پر

اللہ تعالیٰ دوسرے کو متعین فرمادیں گے، ان کی برکت سے بارش ہوگی، دشمنوں پر غلبہ ہوگا، اور اہل شام سے بلائیں ٹلیں گی۔ (ج:۱، ص:۱۱۲)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت میں تیس ابدال ہوں گے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیر قدم ہوں گے، جب کسی ایک کا انتقال ہوگا، تو اس کے بدلے میں دوسرا مقرر ہوگا۔ (مسند احمد، ج:۵، ص:۵۲۳)

ان دونوں روایتوں میں محدثین کے اصول وقواعد کے اعتبار سے قدرے ضعف ہے، اجمالاً سنن ابی داؤد میں بھی ابدال کا تذکرہ ہے (دیکھئے: کتاب المہدی) حضرات ابدال کا ذکر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں بھی ہے، جو مختلف الفاظ میں منقول ہے، اور امام سخاوی نے لکھا ہے کہ وہ سب روایتیں ضعیف ہیں، خلال نے کرامات الاولیاء، طبرانی نے المعجم الاوسط میں، ابن عدی نے الکامل میں یہ روایتیں قدرے الفاظ کے فرق سے نقل کی ہیں، طبرانی نے معجم کبیر میں بھی حدیث ذکر کی ہے۔

امام ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر دور میں میری امت میں پانچ سو بہترین لوگ ہوں گے، اور ابدال چالیس ہوں گے، نہ یہ پانچ سو سے کم ہوں گے اور نہ وہ چالیس سے کم ہوں گے، جب کسی کا انتقال ہوگا، تو دوسرا آدمی اس کی جگہ آجائے گا، لوگوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ان کے اعمال کیا ہوں گے؟ فرمایا کہ جو کوئی ان پر ظلم کرے گا اسے معاف کردیں گے، جو ان کے ساتھ بُرا برتاؤ کرے، یہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے، اور جو کچھ اللہ نے انھیں دیا ہے، اس میں مسلسل بخشش کرتے رہیں گے۔

حلیۃ الاولیاء ہی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوعاً منقول ہے کہ چالیس آدمی میری امت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے مطابق رہا کریں گے، ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے بلائیں دفع فرمائیں گے، انھیں ابدال کہا جاتا ہے، انھوں نے یہ مرتبہ نماز، روزے اور صدقہ کی وجہ سے نہ پایا ہوگا، لوگوں نے سوال کیا، پھر

کیونکر ملے گا؟ فرمایا سخاوت سے اور مسلمانوں کی قلبی خیر خواہی سے۔

اور بھی کئی ایک روایتیں ہیں جنھیں امام سخاوی نے **المقاصد الحسنة** میں نقل کیا ہے، اور ان سب پر ضعیف کا حکم لگایا ہے، ضعف کی شدت میں کمی بیشی ہے، ان سب میں بہتر امام سخاوی نے اس روایت کو قرار دیا ہے جس کو ہم نے ابتداء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

روایات کے اس مجموعے سے یہ بات بالکل بے غبار ہو جاتی ہے کہ ابدال کا تصور بے بنیاد نہیں ہے، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں اس کی اصل موجود ہے، امام سخاوی فرماتے ہیں کہ

”ان قرائن میں سے جن سے اس حدیث کی قوت ثابت ہوتی ہے، اور جن سے ائمہ کے درمیان اس حدیث کی شہرت معلوم ہوتی ہے، ایک قرینہ یہ ہے کہ ہمارے امام شافعی علیہ الرحمہ نے بعض حضرات کے بارے میں فرمایا کہ ہم انھیں ابدال میں شمار کرتے تھے، نیز امام بخاری بھی بعض اکابر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ لوگوں کو فلاں کے ابدال میں سے ہونے میں شک وشبہ نہیں ہے، ایسے ہی متعدد ائمہ، حفاظِ حدیث اور اصحابِ نقد ونظر نے متعدد لوگوں کے ابدال میں ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

(المقاصد الحسنة، ص: ۲۲/۲۳)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سلف میں ابدال کی اور ان کے اوصاف وکمالات کی نہ صرف شہرت تھی بلکہ متعدد حضرات کو اس کا مصداق قرار دیا جاتا تھا، ظاہر ہے کہ ابدال کا ہونا اگر محض افسانہ ہوتا، تو ان جلیل القدر ائمہ کے یہاں اعتراف واحترام کا رویہ نہ پایا جاتا۔

اور تو اور علامہ ابن تیمیہ بھی، جو اس طرح کی اصطلاحات کے سلسلے میں ذرا متشدد سمجھے جاتے ہیں وہ بھی اجمالاً اعتراف کرتے ہیں، چنانچہ انھوں نے ملائکہ پر بشر کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

”فرشتوں میں کہاں کوئی ہے، جس کے بارے میں **وما أرسلناك إلا رحمة**

للعالمین وارد ہو؟ کیا ان میں کوئی ایسا بھی ہے جس کے حق میں **ویؤثرون علیٰ أنفسھم ولو کان بھم خصاصة** کی بشارت ہو، ان کا ان لوگوں سے کیا مقابلہ جو ہدایت اور دین حق کی دعوت دیتے ہیں، اور جن کے حق میں یہ خوشخبری ہے کہ **من سن سنة حسنة الخ** پھر کیا فرشتوں میں کوئی ایسا بھی ہے جیسا حضور فرماتے ہیں کہ میری امت میں ایسے بھی لوگ ہیں جو قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کے افراد سے زیادہ تعداد میں شفاعت کریں گے، پھر فرماتے ہیں:

وأین ھم من الاقطاب والاوتاد والاغواث والابدال والنجباء، اور اقطاب، اوتاد، اغواث، ابدال، نجباء کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے؟

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ج:۴، ص:۳۷۹)

ملاحظہ فرمایئے! امام ابن تیمیہ نے اپنی اس عبارت میں اجمالاً اور ضمناً ہی سہی نہ صرف ابدال کا اعتراف کیا، بلکہ قطب، غوث، اوتاد اور نجباء تک تسلیم کرلیا ہے۔

یہ اللہ کے مخصوص بندے ہیں، جن کے ذریعے حق تعالیٰ زمین پر برکتیں نازل فرماتے ہیں، ان کا قلب بہت صاف ستھرا ہوتا ہے، یہ ساری امت بلکہ ساری انسانیت کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ **کثر اللہ أمثالھم**

☆☆☆☆☆

حضرت محمد بن اسلم طوسی رحمہ اللہ

امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں **الامام الحافظ الربانی شیخ الاسلام**، کے القاب کے ساتھ ان کا تذکرہ شروع کیا ہے۔ ۱۸۰ھ کے قریب قریب ان کی ولادت ہوئی۔

امام حاکم نے فرمایا کہ یہ ابدال میں سے تھے، بہت متبع سنت تھے، مشہور محدث امام ابن خزیمہ ان کے شاگرد تھے، ان سے روایت کرتے تو کبھی اس طرح ارشاد فرماتے: **سمعت من لم تر عيناى مثله ابو عبد الله محمد بن اسلم** (میں نے اس بزرگ سے سنا جن کے مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا، یعنی محمد بن اسلم سے) مشہور محدث محمد بن رافع فرماتے ہیں کہ میں محمد بن اسلم کے پاس گیا، میں نے ان کے حالات دیکھے، تو بجز صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کسی اور سے ان کو مشابہ نہیں قرار دے سکتا۔

ایک اور مشہور محدث حضرت قبیصہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تر تھے، یعنی سیرت و اخلاق میں۔ ان کے مثنیٰ حضرت علقمہ تھے، علقمہ کے مشابہ تر ابراہیم نخعی، ان کے قریب قریب منصور تھے، منصور کے مشابہ سفیان ثوری، اور سفیان ثوری سے قریب تر وکیع بن جراح تھے۔

اس پر امام حاکم فرماتے ہیں کہ حضرت وکیع بن جراح کے جانشین محمد بن اسلم تھے، بلکہ زہد و ورع اور اتباع سنت میں ان سے بھی سبقت لے گئے تھے۔

امام ذہبی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت محمد بن اسلم کے خادم محمد بن قاسم طوسی ...... جو ان کی خدمت میں بیس سال سے زیادہ رہے ہیں ...... نے فرمایا کہ حضرت اسحاق بن راہویہ کے درس میں یہ حدیث آئی: **إن الله لا يجمع أمة محمدٍ ﷺ علىٰ ضلالةٍ فإذا رأيتم الاختلاف فعليكم بالسواد الاعظم** (بلاشبہ اللہ تعالیٰ امت

محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو گمراہی پر جمع نہیں ہونے دیں گے، تو اگر تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ التزاماً لگے رہو) کسی نے پوچھا کہ اے ابو یعقوب! سواد اعظم کون ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ محمد بن اسلم اور ان کے تلامذہ، اور وہ جوان کا اتباع کرتے ہیں، پھر انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے یہی سوال حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمہ سے کیا تھا، تو انھوں نے فرمایا ابو حمزہ سکری، پھر فرمایا کہ ان کے دور میں ابو حمزہ تھے، ہمارے زمانے میں محمد بن اسلم ہیں۔

حضرت اسحاق نے مزید یہ بھی فرمایا کہ ہم نے پچاس سال سے کسی کو نہیں سنا کہ وہ محمد بن اسلم سے زیادہ متبع سنت ہو۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۹، ص:۲۵۱/ سیر اعلام النبلاء، ج:۱۰، ص:۱۵۵)

ان کے شاگرد محمد بن القاسم فرماتے ہیں کہ میں محمد بن اسلم کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت تک رہا، مگر انھوں نے کبھی کسی ایسی جگہ نفل نماز نہیں پڑھی، جہاں میں انھیں دیکھ سکتا، بجز جمعہ کے دن، کہ اس روز وہ مسجد میں نفل پڑھتے دکھائی دے جاتے، وہ عبادت بہت پوشیدہ طور پر کرتے تھے، انھوں نے ایک بار فرمایا کہ میرا بس چلے تو میں نفلی عبادات ایسی جگہ کروں کہ فرشتے بھی نہ دیکھ سکیں، تاکہ ریاء کا اندیشہ نہ رہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، ریاکاری چاہے تھوڑی ہی ہو شرک ہے، پھر انھوں نے ایک چھوٹا سا پتھر ہاتھ میں لیا اور فرمایا کیا یہ پتھر نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، فرمایا کہ پہاڑ بھی پتھر نہیں ہے؟ میں نے کہا ہے تو، فرمایا کہ چھوٹا ہو یا بڑا، وہ جب پتھر ہی ہے، تو ریاء تھوڑی ہو یا زیادہ، وہ شرک ہے۔

ان کا طریقہ یہ تھا کہ حجرہ میں داخل ہوتے، اور اندر سے دروازہ بند کر لیتے، ساتھ میں کچھ پانی رکھ لیتے، پھر کچھ معلوم نہ ہوتا کہ اندر کیا کر رہے ہیں، ایک روز میں نے ان کے ایک چھوٹے بچے کو روتے ہوئے سنا، تو ماں نے منع کیا، میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے بتایا کہ ابو الحسن (محمد بن اسلم) اس گھر میں داخل ہوتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں اور روتے ہیں، بچہ سنتا ہے تو نقل کرتا ہے۔

پھر جب حجرے سے نکلتے ہیں تو منہ دھو لیتے ہیں، سرمہ لگا لیتے ہیں، تا کہ رونے کا اثر چہرے پر نہ رہے، یہی حال ان کے مالی عطیات کا بھی تھا، وہ حاجت مندوں اور رشتہ داروں کے پاس کپڑے وغیرہ بھیجتے، اور لے جانے والے کو تاکید کر دیتے کہ کس نے بھیجا ہے، اس کی خبر انھیں نہ ہو، لے جانے والا رات میں لے جاتا اور چپکے سے اپنے کو پوشیدہ رکھ کر دے آتا، کپڑا پرانا ہو کر پھٹ جاتا مگر پہننے والا نہیں جانتا کہ کس نے دیا ہے۔ محمد بن القاسم فرماتے ہیں کہ سو درہم سے کم کا عطیہ کسی کو نہیں دیتے تھے، الا یہ کہ مجبوری ہو۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۹، ص:۲۵۴)

بعض عجیب حالات

ان کے خصوصی خادم محمد بن القاسم کہتے ہیں کہ میں ایک روز ان کی صحبت میں تھا، مجھے ٹھنڈی ثرید کھلائی، میں نے عرض کیا حضرت! ٹھنڈی ثرید کیوں لائے، کیا آپ ایسی ہی کھاتے ہیں، فرمایا کہ میں نے علم اس لئے سیکھا ہے کہ اس پر عمل کروں، اور نبی ﷺ سے مروی ہے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۹، ص:۲۵۵)

حکیمانہ کلام

حضرت محمد بن اسلم علیہ الرحمہ جیسے زاہد و متقی تھے، اسی طرح ان کا کلام بھی بڑا حکیمانہ ہوتا تھا، حافظ ابونعیم اصفہانی نے ان کے خادم محمد بن القاسم سے نقل کیا ہے، کہ وہ کھانے پینے کے لذائذ سے اجتناب کرتے تھے، میں ان کے لئے بغیر چھنے آٹے کی روٹی پکا لیا کرتا تھا، اگر کبھی آٹا چھان کر روٹی بناتا تو ناراض ہوتے، اور فرماتے کہ میرے لئے وہ جَو لایا کرو، جو لوگوں نے خراب سمجھ کر چھوڑ دیا ہو، آخر اس کا انجام بیت الخلاء ہی تو ہے، اور اتنا ہی خریدو جو میرے لئے ایک دن کی کفایت کرتا ہو،

وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھے ایک سفر درپیش آیا، جس میں مجھے چار ماہ لگنے والے تھے، میں ان کے لئے ایک بورا جَو عمدہ قسم کا خرید لایا، میں نے اسے صاف کیا، اسے پیسکر آٹا بنایا، پھر میں نے عرض کیا کہ میں کچھ مدت کیلئے غیر حاضر ہو رہا ہوں، یہ آٹا آپ کے لئے پیش کر رہا ہوں، میرے لوٹنے تک کام دے گا، فرمایا کیا تم نے میرے واسطے

صاف کیا ہے، اور عمدہ بنایا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں، یہ سن کر ان کا رنگ بدل گیا، اگر تم نے صاف ستھرا کر کے اسے خوب تر بنایا ہے تو تم خود ہی کھاؤ، ہوسکتا ہے کہ تمہارے پاس ایسے اعمال ہوں جن کے ساتھ اس عمدہ غذا کا استعمال تمہارے لئے روا ہو، میں نے تو زمین میں چل پھر کر خوب دیکھ لیا ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، قبلہ کی طرف نماز پڑھنے والوں میں اپنے سے زیادہ برا میں نے کسی کو نہیں دیکھا، میں اتنا عمدہ کھانا کھا کر اللہ کو کیا جواب دوں گا؟ یہ اچھی غذا تمہیں رکھو، میرے لئے سیاہ اور خراب جَو لے آؤ، اسے بالآخر کنیف (بیت الخلاء) میں جانا ہے۔

تو میرے لئے ایک چکی خرید لاؤ، اور خراب سا جَو لاؤ، جسے لوگوں نے چھوڑ دیا ہو، میں اسے اپنے ہاتھ سے پیس لوں گا اور پکا کر کر کھا لوں گا، شاید اس عمل کی وجہ سے میں بھی اس حال میں شامل ہو جاؤں، جس میں حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما تھے۔

فرمایا: اے ابو عبد اللہ (مراد ان کے خادم ہیں) میں تمہارے ساتھ ہوں، میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ میرے کرتے کے اندر وہ ہے، جو میرے خلاف کل گواہی دے گا، تو کیونکر یہ بات مجھے زیب دیتی ہے کہ میں گناہ کا ارتکاب کروں؟ گناہ تو وہ نادان کرتا ہے جو دیکھتا ہے اور اسے کوئی نظر نہیں آتا، تو وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی دیکھ نہیں رہا ہے، اس لئے میں گناہ کر لوں، لیکن میرے لئے یہ کیونکر ممکن ہوگا، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ میرے کرتے کے اندر ہی میرے خلاف گواہ موجود ہے۔

پھر فرمایا: اے ابو عبد اللہ! مجھے اس مخلوق سے کیا واسطہ، میں اپنے والد کے صلب میں تنہا تھا، پھر شکم مادر میں تنہا رہا، پھر اس دنیا میں اکیلا آیا، پھر جب روح قبض ہوگی، تو اس وقت بھی تنہا ہوں گا، پھر قبر میں تن تنہا ہوں گا، منکر نکیر آئیں گے، تو مجھ سے سوال کریں گے اور میں تنہا ہوں گا، پھر اگر قبر میں انجام بھلائی ہوا تو یا برائی ہوا تو میں تنہا ہی ہوں گا، پھر اللہ کے سامنے اکیلا کھڑا ہوں گا، پھر میزان میں میرے اعمال اور میرے گناہ تولے جائیں گے تب بھی اکیلا ہی ہوں گا، پھر اگر جنت میں بھیجا گیا تو اکیلا، اور جہنم میں بھیجا گیا تو اکیلا، تو

بتاؤ! لوگوں سے مجھے کیا تعلق؟ پھر کچھ دیر سوچتے رہے، ان پر ایک کپکپی طاری ہوئی، مجھے خوف ہوا کہ یہ گر جائیں گے، کچھ دیر کے بعد افاقہ ہوا۔ (حوالہ سابق)

وفات: حضرت محمد بن القاسم (خادم) فرماتے ہیں کہ میں ان کی وفات سے چار روز پہلے نیشاپور میں ان کے پاس حاضر ہوا، تو فرمایا اے ابوعبداللہ! آؤ! میں تمہیں بشارت سناؤں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بھائی کے ساتھ کیسا خیر کا معاملہ فرمایا ہے، موت کا وقت آگیا ہے اور حق تعالیٰ کا احسان ہے کہ میرے پاس ایک درہم نہیں ہے، جس کا حساب اللہ تعالیٰ مجھ سے لیں، حق تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں کتنا کمزور ہوں، مجھے حساب دینے کی سکت نہیں ہے، اس لئے انھوں نے میرے پاس کوئی ایسی چیز چھوڑی ہی نہیں جس کا مجھے حساب دینا پڑے۔

پھر فرمایا: دروازہ بند کردو، اور کسی کو میرے پاس مت آنے دو، جب میں مر جاؤں تو میری کتابوں کو دفن کردو، اور یہ بات سمجھ لو کہ میری میراث کچھ نہیں ہے، بجز میری کتابوں، میری چادر، میرے لحاف اور میرے اس برتن کے، جس سے میں وضو کرتا ہوں، میری کتابیں یہ ہیں، ان کی ذمہ داری کسی کو مت دینا۔

ان کے پاس ایک تھیلی بھی تھی، جس میں ۳۰/درہم تھے، اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ میرے بیٹے کی ہے، جو اسے بطور ہدیہ کے ایک رشتہ دار نے دی ہے، اور میں نہیں جانتا کہ اس سے زیادہ حلال چیز میرے لئے اور کوئی شے بھی ہوگی؟ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: **أنت ومالک لأبیک** ،تم اور تمہارا مال دونوں تمہارے باپ کا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے: **أطیب مایا کل الرجل من کسبه، وولده من کسبه** ،سب سے پاکیزہ چیز جو آدمی کھاتا ہے، وہ ہے جو وہ اپنے ہاتھ سے کماتا ہے، اور اس کا بیٹا بھی اس کی کمائی ہے۔ تو میرا کام اسی میں چلانا، اگر ۱۰/درہم میں اتنا کپڑا مل جائے جس سے میری ستر پوشی ہوجائے، تو ۱۵/درہم کا مت خریدنا، اور میرے جنازے پر میرا لحاف ڈال دینا، اور میری چادر سے میرا جنازہ چھپا دینا، اور کسی کو مکلّف مت بنانا کہ میرے جنازے کے لئے کچھ لائے، اور میرے برتن کو صدقہ کردینا، کسی مسکین کو دے دینا کہ وہ اس سے وضو کرتا رہے،

پھر چوتھے دن ان کا انتقال ہو گیا۔

جب ان کا جنازہ نکلا، تو مجھے حیرت ہوئی کہ جو بات تنہائی میں مجھ سے انھوں نے فرمائی تھی وہ چھتوں کے اوپر عورتوں کی زبان سے ادا ہو رہی تھی، وہ کہہ رہی تھیں، اے لوگو! یہ عالم ہیں، جو دنیا سے نکل گئے، اور یہ ان کی میراث ہے، جو ان کے جنازہ پر ہے، یہ ہمارے علماء کی طرح نہیں ہیں، یہ لوگ تو اپنے پیٹ کے غلام ہیں، یہ لوگ دو تین سال تعلیم کے لئے بیٹھتے ہیں، اور جائداد خرید لیتے ہیں، اور مال جمع کر لیتے ہیں۔

محمد بن القاسم کہتے ہیں کہ میں نیشاپور میں حضرت احمد بن نصر علیہ الرحمہ کی خدمت میں، حضرت محمد بن اسلم کی وفات کے ایک روز بعد بیٹھا تھا، ان کے پاس علمائے حدیث کی ایک جماعت آئی، کچھ بوڑھے، کچھ جوان، انھوں نے بتایا کہ ہم حضرت ابوالنصر کے پاس سے آرہے ہیں، وہ آپ کو سلام کہہ رہے ہیں، اور فرمارہے ہیں کہ مناسب ہے کہ ہم لوگ اکٹھا بیٹھیں، اور اس بزرگ کی وفات پر ایک دوسرے کی تعزیت کریں، حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے دور سے اب تک ان کے جیسا آدمی ہم نے نہیں دیکھا۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۹، ص:۲۵۲۔۲۵۳)

عین وفات کے روز کا حال امام ذہبیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ احمد بن اسلم کہتے ہیں کہ محمد بن اسلم اہل طوس میں سے ایک آدمی کے گھر پر تھے، وہیں بیمار ہوئے، اس سے انھوں نے فرمایا کہ آج کہیں مت جانا، مجھے امید ہے کہ آج رات میں صبح ہونے سے پہلے اللہ کا حکم آجائے گا، جب میں مرجاؤں تو کسی کا انتظار مت کرنا، اس وقت مجھے غسل دینا، تجہیز و تکفین کرنا، پھر آدھی رات میں ان کا وصال ہو گیا، وہاں کا حاکم طاہر بن عبداللہ آیا، اس کے حکم سے جنازہ اٹھایا گیا، اسی نے نماز جنازہ پڑھائی، اس وقت فجر کی اذان ہو رہی تھی، ان کے جنازے کی نہ کہیں اطلاع کی گئی، اور نہ کوئی اعلان کیا گیا، مگر جنازہ پر اتنا مجمع اکٹھا ہوا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی، تقریباً ایک لاکھ کا مجمع تھا۔

حضرت محمد بن اسلم کا انتقال ۲۷ محرم ۲۴۲ھ میں ہوا۔

حضرت سیّدنا موسیٰ کاظم بن سیّدنا جعفر صادق رحمہما اللہ

خاندان نبوت نے چشم و چراغ، رسول اکرم ﷺ کے نواسے سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ایک امتیازی حیثیت کے مالک، حضرت جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن سعید شہید سیّدنا حسین بن امیر المومنین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند گرامی!

بڑے عبادت گزار، شب زندہ دار اور متقی و پرہیز گار تھے، انھیں لوگ ''عبد صالح'' کہا کرتے تھے، بہت بزرگ، صاحب حلم وسخاوت تھے، جب انھیں معلوم ہوتا کہ کوئی انھیں برا بھلا کہتا ہے، تو اس کے پاس کچھ مال بطور ہدیہ بھیج دیا کرتے، ان کی ولادت مدینہ طیبہ میں ۱۲۸ھ میں ہوئی، انھیں عباسی خلیفہ مہدی مدینہ سے بغداد لے آیا، وہاں کچھ دنوں تک قید میں رکھا، پھر چھوڑ دیا، اور مدینہ شریف پہونچا دیا، قید سے رہائی کا واقعہ بھی عجیب ہوا۔

مہدی کا پیش کار ربیع کہتا ہے کہ جب مہدی نے موسیٰ بن جعفر کو گرفتار زنداں کیا، تو ایک روز خواب میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کو دیکھا، وہ فرما رہے تھے: اَی محمد!

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ ، (سورہ محمد: ۲۲) پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے، تو ملک میں خرابی ڈالو، اور قرابتیں قطع کرو۔

اس خواب کے بعد رات ہی میں مہدی نے ربیع کو بلوایا، ربیع کہتا ہے کہ میں گھبرا گیا کہ اللہ خیر کرے، جب مہدی کے پاس پہونچا تو وہ اسی آیت کو دہرا رہے تھے، مہدی بہت خوش آواز تھے، انھوں نے حکم دیا کہ موسیٰ بن جعفر کو میرے پاس لاؤ، میں انھیں لے

آیا، مہدی نے ان سے معانقہ کیا، اور اپنے برابر میں بیٹھایا، اور کہا کہ اے ابوالحسن! میں نے امیرالمومنین علی بن ابی طالب کو خواب میں دیکھا، وہ یہ آیت پڑھ رہے تھے، تو کیا آپ مجھے مطمئن کرتے ہیں کہ میرے خلاف اور میری اولاد کے خلاف آپ بغاوت نہ کریں گے؟ فرمایا واللہ! نہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور نہ یہ میرا حال ہے، خلیفہ نے کہا آپ سچ کہتے ہیں، اے ربیع انھیں تین ہزار دینار دے دو، پھر انھیں مدینہ گھر والوں کے پاس بھیج دیا۔ ربیع کہتا ہے کہ یہ سب کام رات ہی میں مکمل ہوگیا، جب صبح ہوئی تو وہ راستے میں تھے، یہ عجلت اس لئے کی گئی کہ کہیں صبح ہونے تک کوئی رکاوٹ نہ پیش آجائے۔

(صفۃ الصفوۃ: ۳۶۳، تاریخ بغداد، ج: ۱۳، ص: ۳۲)

شانِ عبادت: جن دنوں قید میں تھے، تو قید خانہ کے نگراں سندی بن شاہک کی بہن نے جو کہ بہت دیندار تھی، حضرت موسیٰ کاظم کی خدمت کی ذمہ داری اس سے مانگ لی تھی، وہی ان کی خدمت کرتی تھی، اس کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوتے، تو اللہ کی حمد اور اس کی بڑائی کے کلمات پڑھتے اور دعائیں کرتے، مسلسل اسی میں مشغول رہتے، جب رات ڈھل جاتی تو اٹھ کر نماز پڑھنے لگتے، صبح تک یہی مشغولیت رہتی، نماز فجر کے بعد سورج کے طلوع ہونے تک ذکر کرتے رہتے، پھر چاشت تک بیٹھے رہتے، پھر اٹھتے، مسواک کرتے اور کھانا تناول فرماتے، پھر سو جاتے، زوالِ شمس سے کچھ پہلے بیدار ہوتے، وضو کرتے، نماز ظہر ادا کرتے، پھر مسلسل عصر تک نوافل میں مشغول رہتے، وقت ہوجاتا تو عصر کی نماز ادا کرتے، پھر قبلہ رو بیٹھے مغرب تک ذکر الٰہی میں لگے رہتے، مغرب پڑھتے اور عشاء تک نوافل پڑھتے رہتے، یہی ان کا طریقہ مسلسل رہتا۔

سندی کی بہن کبھی کبھی کہتی، وہ لوگ برباد ہوں جنھوں نے اس بزرگ ہستی کو پریشان کیا ہے۔ (تاریخ بغداد، ج: ۱۳، ص: ۳۲)

تاریخ بغداد کے مصنف علامہ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے ان کے حالات

کے سلسلے میں نقل کیا ہے کہ سیّد موسیٰ کاظم ایک رات مسجد نبوی میں داخل ہوئے، اور ابتداء شب میں نماز شروع کی، سجدے میں ان سے یہ دعا سنی گئی: **عظیم الذنب عندی فلیحسن العفو عندک یا أھل التقویٰ ویا أھل المغفرۃ** ۔ بڑا گناہ میرے پاس ہے، تو بہترین معافی آپ کے پاس ہونی چاہئے، اے اہل تقویٰ اور اے اہل مغفرت! یہی دعا مسلسل دہراتے رہے، تا آنکہ صبح ہوگئی۔

وہ بہت سخی اور کریم تھے، انھیں جب معلوم ہوتا کہ کوئی انھیں ستا رہا ہے، تو اس کے پاس ایک ہزار دینار کی تھیلی بھیجتے، وہ مختلف تھیلیاں تیار رکھتے، کوئی چار سو دینار کی، کوئی تین سو دینار کی، کوئی دو سو دینار کی، پھر انھیں مدینہ میں تقسیم فرماتے، ان کی تھیلیوں کے بارے میں مشہور تھا کہ کسی کے پاس ان کی تھیلی پہونچ جائے تو وہ مالدار ہو جائے۔

(تاریخ بغداد، ج:۱۳، ص:۲۹)

علامہ ابن جوزی نے صفۃ الصفوۃ میں حضرت موسیٰ کاظم کا ایک عجیب واقعہ مشہور صوفی زاہد حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کے لئے نکلا، جب قادسیہ میں پہونچا، تو کافی ہجوم تھا، وہاں ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا جو ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا، پاؤں میں چپل تھے، لوگوں سے الگ تھلگ بیٹھا تھا، میں نے اپنے جی میں کہا یہ نوجوان صوفی معلوم ہوتا ہے، راستے میں شاید لوگوں پر بوجھ بنے گا، چلوں میں اسے سمجھاؤں، یہ سوچ کر میں اس کے قریب گیا، تو اس نے برجستہ کہا اے شقیق! **اِجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ** (سورۃ الحجرات: ۱۲) بہت سے گمان سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ پھر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا، میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ تو بڑی بات ہوگئی، اس نے میرے دل کی بات کا جواب دے دیا، اور میرا نام بھی لیا، یہ کوئی بہت نیک بندہ ہے، مجھے اس کے پاس جانا چاہئے، اور معافی مانگنی چاہئے، میں تیزی سے اس کے پیچھے چلا، لیکن میں اسے پا نہ سکا، وہ میری نگاہوں سے غائب ہوگیا، پھر جب مقام ''واقصہ'' میں پہونچے تو وہ وہاں نماز پڑھ رہا تھا،

اس کے اعضاء تھرتھرا رہے تھے اور اس کے آنسو بہ رہے تھے، میں نے جی میں کہا، یہی وہ شخص ہے، مجھے اس سے معافی مانگنی ہے، میں انتظار میں رہا، وہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو میں اس کی طرف متوجہ ہوا، مجھے آتا دیکھ کر اس نے کہا اے شقیق! یہ آیت پڑھئے: وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدىٰ (طٰہٰ: ۸۲) اور میں اس شخص کو بخش دینے والا ہوں، جو توبہ کرے، ایمان لائے اور عمل صالح کرے، پھر سیدھی راہ پر رہے۔ یہ کہا اور مجھے چھوڑ کر چل دیا، میں نے کہا کہ یہ جوان یقیناً ابدال میں ہے، اس نے دوبارہ میرے راز پر بات کی ہے۔

پھر جب ہم نے مقام ''رمال'' پر پڑاؤ کیا، تو دیکھا کہ وہی نوجوان ایک کنویں پر کھڑا ہے، اس کے ہاتھ میں ایک برتن ہے جس سے وہ پانی نکالنا چاہتا ہے، اچانک وہ برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کنویں میں گر گیا، میں اسے دیکھ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ اس نے آسمان کی جانب نظر اٹھائی اور یہ شعر پڑھا

أنت ربی إذا ظمئت من الما ء وقوتی إذا أردت الطعاما

آپ میرے رب ہیں، جب میں پیاسا ہوتا ہوں، اور آپ ہی میری قوت (روزی) ہیں
جب میں کھانے کا ارادہ کرتا ہوں۔

پھر کہا: اے اللہ! اے میرے آقا! میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی برتن نہیں ہے، مجھے اس سے محروم نہ کیجئے، میں نے دیکھا کہ کنویں کا پانی اوپر آ گیا، اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور برتن کو پانی سے نکال لیا، پھر وضو کیا اور چار رکعت نماز پڑھی، پھر ریت کے ایک ٹیلے کی طرف متوجہ ہوا، اور اپنے ہاتھ سے ریت اٹھا کر برتن میں ڈالنے اور اسے ہلا کر پینے لگا، میں اس کے پاس گیا اور سلام کیا، اس نے جواب دیا، میں نے کہا کہ اللہ نے آپ پر جو انعام کیا ہے اس کا کچھ بچا ہوا حصہ مجھے بھی ملے۔

کہنے لگا اے شقیق! اللہ تعالیٰ کی کھلی اور پوشیدہ نعمتیں ہم پر مسلسل ہیں، اس لئے اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھو، پھر مجھے وہ برتن دیا، میں نے اسے پیا تو وہ میٹھا ستو تھا، واللہ

میں نے اس سے زیادہ لذیذ چیز نہیں پی، اور نہ اس سے زیادہ خوشبودار! میں نے پیٹ بھر کر پیا اور آسودہ ہوگیا، پھر کئی دن تک مجھے کسی کھانے کی خواہش ہوئی نہ پینے کی، پھر میں نے اسے مکہ میں داخل ہونے تک نہیں دیکھا، جب ہم مکہ شریف پہونچ گئے، تو میں نے آدھی رات کو دیکھا کہ وہی نوجوان خشوع وخضوع اور گریہ وزاری کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے، اسی حال میں اس نے رات پوری کردی، جب صبح صادق ہوگئی تو مصلے پر بیٹھا ذکر الٰہی کرتا رہا، پھر فجر کی نماز پڑھی اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور باہر نکلا، وہاں میں نے راستے کی حالت کے برخلاف اس کے خدام اور غلام دیکھے، اور دیکھا کہ لوگ اس کے پاس آرہے ہیں اور اسے سلام کررہے ہیں، اس کے چاروں طرف لوگوں کا ہجوم ہے، میں نے ایک آدمی سے جو اس کے قریب تھا، پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے اپنے جی میں سوچا کہ اس جیسے عجائب ایسے ہی بزرگ سے ظاہر ہوسکتے ہیں۔ (ص: ۳۶۳)

وفات: حضرت موسیٰ کاظم مدینہ شریف میں ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے، خلیفہ مہدی انھیں بغداد لایا تھا، پھر اس نے واپس مدینہ بھیج دیا تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا ہارون رشید انھیں مدینہ سے بغداد لایا اور جیل خانہ میں بند کردیا، وہیں ان کا ۲۵/ رجب ۱۸۳ھ کو انتقال ہوگیا۔ (ایضاً ص: ۳۶۴)

☆☆☆☆☆

سیّدنا احمد بن ابی الحَوارِی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ احمد بن ابی الحواری متقدمین مشائخ صوفیہ میں ہیں، حضرت ابوسلیمان دارانیؒ کے مخصوص اصحاب وتلامذہ میں ہیں۔ امام ذہبیؒ نے ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

الامام الحافظ ، القدوۃ ، شیخ اھل الشام، الزاھد، أحد الاعلام۔

امام ہیں، حافظ حدیث ہیں، پیشوا ہیں، اہل شام کے شیخ ہیں، صاحب زُہد ہیں، بڑے حضرات میں ہیں۔ اصلاً کوفہ کے تھے، ان کی ولادت ۱۶۴ھ میں ہوئی، یہی سنہ ولادت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کا بھی ہے، اکابر محدثین مثلاً حضرت سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن ادریس، وکیع ابن الجراح اور حفص بن غیاث وغیرہ کے شاگرد ہیں، طلب علم کے سلسلے میں دمشق تشریف لے گئے، تو تحصیل علم کے ساتھ حضرت ابوسلیمان دارانی کی صحبت اختیار کی، اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں عبادت وریاضت اور نسبت باطنی کے حصول میں مشغول رہے۔

ان کے تلامذہ میں امام ابوزرعہ رازی، امام ابوداؤد، امام ابن ماجہ، امام ابوحاتم جیسے اکابر ہیں۔

مشہور محدث اور ناقد حدیث حضرت یحییٰ بن معین کے سامنے احمد بن ابی الحواری کا تذکرہ ہوا، تو انھوں نے فرمایا، اہل شام پر بارش انھیں کی برکت سے ہوتی ہے، ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ میرے والد، حضرت احمد بن ابی الحواری کی بہت تعریف فرماتے تھے محمود بن خالد فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں ان جیسا آدمی روئے زمین پر اس وقت نہیں ہے، حضرت جنید بغدادیؒ انھیں ''ریحانۃ الشام'' شام کی خوشبو فرمایا کرتے تھے۔

محمد بن عوف حمصی کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت احمد بن ابی الحواری نے قیام کیا، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے، تو نوافل شروع کر دئے، سورۂ فاتحہ میں جب **إیاک نعبد و إیاک نستعین** پر پہونچے، تو ان پر ایک حال طاری ہوگیا، وہ اسی آیت کو دہرانے لگے، میں کچھ دیر تک اپنے باغ میں رہا، پھر لوٹ کر آیا، تو یہی مکرر پڑھ رہے تھے، پھر میں جا کر سو گیا، سویرے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ اب بھی اسی کو پڑھ رہے تھے، صبح صادق ہوئی تب یہ سلسلہ موقوف ہوا۔

اللہ اکبر! دل کا کیسا حال تھا؟ اللہ کی بندگی اور اس سے استعانت کا ذکر آیا، تو سراپا کیف بن گئے، اور رات ختم ہوگئی، مگر اس کے ذکر سے آسودگی نہ ہوئی، غلبۂ مادیت کے اس دور میں روحانیت کے اس حال کا تصور بھی مشکل ہے، مگر خواص امت نے نبی کریم ﷺ سے محبت وعبادت کا جو ورثہ پایا تھا، وہ ابتدائی صدیوں میں بہت عام تھا۔ اب تو لوگوں کو اللہ کی بندگی کا ہلکا ہلکا سا تصور کبھی آتا ہو، ورنہ دنیا اور متاعِ دنیا قلوب واذہان پر اس طرح حاوی ہے کہ دوسری کسی چیز کی شاید جگہ باقی نہیں۔

احمد بن ابی الحواری کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ راتوں کو ہم اپنے والد کا گریہ، ان کی زاری اور ان کی ہچکیاں سنا کرتے تھے، ہمیں ایسا گمان ہوتا تھا کہ اب یہ مر جائیں گے، پھر کبھی ان کی ہنسی کی آواز سنائی دیتی تھی، جس سے ہمیں گمان ہوتا تھا کہ شاید پاگل ہو گئے ہیں۔

دو کیفیات ہیں، ان میں سے پہلی کیفیت کا ورود بزرگوں کے قلب پر بیشتر اوقات ہوتا ہے، اللہ کی محبت میں، اللہ کے خوف میں، اپنی خطاؤں اور غلطیوں کے اعتراف میں، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اندیشے میں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن وحدیث میں وارد شدہ کسی بشارت کی خوشی میں بسا اوقات دل امنڈنے لگتا ہے، آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو جاتا ہے، ہچکیوں اور سسکیوں کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے، یہ حال اہل اللہ کا اکثر ہوتا ہے، اس لئے اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا، بلکہ بزرگوں کے احوال میں اس کا انتظار ہوتا ہے۔

لیکن دورانِ عبادت میں ہنسی کا غلبہ ہوجائے، یہ کم سننے میں آتا ہے، لیکن یہ بھی ہوتا ہے، حق تعالیٰ کی رحمت بے انتہا کا استحضار ہوتا ہے، یا اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کے ساتھ کسی خاص معاملہ کا تصور ہوتا ہے، تو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے، خود رسول اللہ ﷺ کے متعلق منقول ہے کہ بعض اوقات بے ساختہ آپ کو ہنسی آگئی ہے، دریافت کرنے پر حق تعالیٰ کی کسی خاص شانِ رحمت کا ذکر فرمایا۔ یہ قلب کا زبردست حال ہے، کہ حق تعالیٰ کی جس شان کا دل پر ورود ہوا، دل اسی میں ڈوب گیا، اور اس کے آثار اعضاء و جوارح پر ظاہر ہوگئے۔

حضرت احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ جس نے اتباع سنت سے ہٹ کر کوئی عمل کیا، اس کا عمل باطل ہے، نیز فرمایا کہ جس نے دنیا کو مراد بنا کر محبت کی نظر ڈالی، اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے یقین اور زہد کا نور سلب کرلیتے ہیں۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ احمد بن ابی الحواری علم، حدیث، زہد اور استقامت میں ثابت قدم تھے۔ (تاریخ الاسلام، ج:۶، ص:۳۶۱ و سیر اعلام النبلاء، ج:۹، ص:۴۷۳)

حضرت احمد بن ابی الحواری فرماتے ہیں کہ میں نے ابوصفوان اعینی سے دریافت کیا کہ وہ دنیا جس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کی ہے، جس سے عاقل کو بچنا چاہئے، وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ جو چیز تم کو ملے اور اس میں تمہارا ارادہ حصولِ دنیا کا ہو وہ مذموم ہے، اور جو چیز تمہیں حاصل ہو اور تمہارا ارادہ حصول آخرت کا ہو، تو مذموم نہیں ہے۔

فرمایا کہ جب کبھی ابوسلیمان دارانی سے قلب کی سختی کی شکایت کرتا، یا کسی وظیفہ عبادت وذکر کے چھوٹ جانے اور سوئے رہ جانے کی شکایت کرتا تو فرماتے تمہاری کسی حرکت کی وجہ سے ایسا ہوا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتے، ضرور تم نے کسی خواہش نفس پر عمل کرلیا ہوگا۔

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کی طاعت سے محبت ہوجائے۔

فرماتے ہیں کہ، جو دنیا کو پہچان لے گا، وہ اس سے بے رغبت ہو جائے گا یعنی زاہد، اور جو آخرت کو پہچان لے گا، وہ اس کی رغبت کرے گا، اور جس کو اللہ کی معرفت حاصل ہوگی وہ اس کی خوشنودی کو ترجیح دے گا، اور جس کی اپنی معرفت نہ ہوگی، وہ دین کے بارے میں دھوکے میں پڑا رہے گا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج: ۱۰، ص: ۳۰)

حضرت احمد بن ابی الحواری کا ۲۴۶ھ میں وصال ہوا۔

رحمه الله رحمةً واسعةً و كثر أمثاله۔ (تاريخ الاسلام للذهبى)

* * *

حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی رحمہ اللہ

حضرت شقیق بڑے عابد وزاہد، فقیہ ومحدث اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ حضرت ابراہیم ادہم کے جلیس ومصاحب، ابتداء میں بہت مالدار تھے، پھر مال سے بے زار ہوکر زہد اختیار کیا، اور تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔

ان کے پوتے علی بن محمد بن شقیق فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد کی ملکیت میں تین سو گاؤں تھے، لیکن جب انتقال ہوا تو وہ ایک کفن کے بھی مالک نہ تھے، البتہ ان کی تلوار ابھی تک ہے، جس سے لوگ برکت حاصل کرتے ہیں۔

مالداری سے زہد کی طرف:

یہی ان کے حفید رشید علی بن محمد ان کے زہد کے آغاز کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک بار تجارت کی غرض سے ترکستان گئے، وہاں ایک بت خانہ میں پہونچے، تو اس کے بڑے پجاری کو دیکھا کہ اس نے داڑھی منڈا رکھی ہے، انھوں نے فرمایا کہ تمہارا یہ طریقہ غلط ہے، تمہارا ایک خالق و مالک ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اس نے کہا کہ تمہارا قول، تمہارے عمل کے مطابق نہیں ہے، انھوں نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ تم کہہ رہے ہو کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور تم روزی کی تلاش میں اس قدر مشقت اٹھا رہے ہو کہ یہاں تک آگئے ہو، تم جیسا کہہ رہے ہو اگر وہ بات ہوتی، تو جو تمہیں یہاں روزی دے رہا ہے وہ وہاں بھی روزی دیتا، اور تم مشقت سے آرام پا جاتے۔ حضرت شقیق فرماتے ہیں کہ پھر میری طبیعت دنیا طلبی سے ہٹ گئی، یہ میرے زہد کا آغاز تھا۔

خود حضرت شقیق فرماتے ہیں، کہ میں سودی کاروبار کرتا تھا، جب میں اس سے

نکلا ہوں تو میرے پاس تین لاکھ درہم تھے، میں نے سب چھوڑ دیا، میں نے زہد وعبادت کی راہ اختیار کی، تو میں نے بیس سال تک کملی پہنی، اور میرے پاس علم نہ تھا، ایک بار عبدالعزیز بن رواد سے ملاقات ہوئی، تو انھوں نے فرمایا کہ جَو کھانے اور کملی پہننے سے کچھ نہیں ہوتا، اپنے دل سے اللہ کی معرفت حاصل کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، دوسرے یہ کہ اللہ سے راضی رہو، تیسرے یہ کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر تمہیں اس سے زیادہ اعتماد ہو، جتنا اس پر ہوتا ہے، جو لوگوں کے پاس ہے، اس پر حضرت شقیقؒ نے کہا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا کہ عبادت میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، جو بھی عمل کرو خواہ روزہ ہو، نماز ہو، حج ہو، جہاد ہو، کوئی فرض عبادت ہو، یا اس کے علاوہ کوئی عمل ہو، سب خالص اللہ کے لئے ہو، پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی: **فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ أَحَداً** (سورۃ الکہف:۱۱۰) جو کوئی اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ عمل صالح کرے، اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۸، ص:۶۳)

حضرت شقیقؒ کے اوصاف:

حسین بن داؤد حضرت شقیقؒ کے حوالے سے حدیث بیان کرتے ہوئے ان کے اوصاف اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ مجھ سے شقیقؒ نے بیان، کہ جو دنیا میں بے رغبت ہیں (زاہد) اور آخرت میں بڑی رغبت رکھتے ہیں اور عبادت الٰہی پر استقامت ودوام رکھتے ہیں الخ

حضرت شقیقؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہونچا، میں نے ان سے معمولی لباس پہننا سیکھا، میں انھیں ایسی لنگی پہنے ہوئے دیکھا جس کی قیمت صرف چار درہم تھی، جب چہار زانو بیٹھتے یا پاؤں پھیلاتے تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہوتا، اور خشوع وخضوع میں نے اسرائیل سے سیکھا۔

(تاریخ الاسلام للذہبی، ج:۵، ص:۲۴۸، الطبعۃ العشرون)

اس کی مزید تفصیل امام ذہبی نے دوسری جگہ لکھی ہے، حضرت شقیق بلخی فرماتے ہیں کہ میں نے متعدد علماء کی خدمت میں باریابی پائی اور میں نے ان سے آداب سیکھے، چنانچہ حضرت سفیان ثوری کی خدمت میں پہونچا، میں نے معمولی لباس پہننا سیکھا، جوان کے مرتبہ سے بہت کم تھا، میں نے دیکھا کہ وہ چار درہم کی لنگی پہنے ہوئے تھے۔

اور خشوع وخضوع کا سبق مجھے حضرت اسرائیل بن یونس سے ملا، ہم ان کے آس پاس بیٹھے ہوتے، مگر وہ آخرت کی فکر میں اس درجہ ڈوبے رہتے کہ دائیں بائیں والوں کو بھی نہیں پہچان پاتے تھے، ان کے اس حال سے مجھے یقین ہوگیا کہ وہ ایک مرد صالح ہیں، جنھیں دنیا سے کوئی کام نہیں۔

اور زندگی کی میانہ روی حضرت ورقاء بن عمر سے حاصل کی، ہم نے قرآن کریم کی تفسیر پڑھنے کی درخواست کی، فرمایا کہ اس شرط پر پڑھاؤں گا کہ صبح، دوپہر اور رات کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے، پھر ہمارے سامنے کھانے پر جَو کی روٹی لاتے اور سالن میں سرکہ اور زیتون کا تیل پیش کرتے، اور فرماتے کہ یہ اس شخص کا کھانا، جو جنت الفردوس کا طالب ہے اور جہنم سے بھاگتا ہے۔

اور میں نے زُہد کا سلیقہ حضرت عباد بن کثیر سے حاصل کیا، ان سے میں نے کتاب الزہد' مانگی تو انھوں نے دعا دی **أللھم اجعله من الزاھدين في الدنيا** ، اے اللہ! اسے دنیا میں زاہد (بے رغبت) بنا، مجھے ان کی دعا کی برکت کی امید ہے۔ میں ایک روز ان کے گھر میں داخل ہوا، تو ان کے یہاں چند ہانڈیاں کھٹے میٹھے کی پک رہی تھیں، مجھے حیرت ہوئی، تو ان کے خادم نے کہا، اے خراسانی! تم اچنبھے میں مت پڑو، انھوں نے سات سال سے کوئی گوشت نہیں کھایا ہے، اور یہ ہر روز نو ہانڈیاں پکا کر مسکینوں اور مریضوں کو کھلاتے ہیں، اور ان لوگوں کو بھی جن کے پاس ذریعۂ معاش نہیں ہے۔

اور تعاون وتوکل کا سبق میں نے حضرت ابراہیم ادہم سے لیا ہے، ہم ان کے پاس رمضان شریف میں تھے، انھیں کسی نے ایک ٹوکرے میں انجیر ہدیہ کئے، انھوں نے

سب مسکینوں میں بانٹ دیا، ہم نے کہا کچھ تو بچا لئے ہوتے؟ فرمایا کیا تم روزے سے نہیں ہو؟ ہم نے عرض کیا کیوں نہیں، فرمایا تمہارے بال بچے نہیں ہیں، تم نے عشاء تک کی لمبی امید باندھ رکھی ہے، پھر فرمایا اللہ پر بھروسہ رکھو، اور اس کی جناب میں حسن ظن رکھو۔

اور حلال اور ترک شبہات کو میں نے حضرت وہیب مکی سے پایا، انھوں نے مکہ شریف کے پھلوں میں شبہ پایا، تو انھوں نے پھل کھانا چھوڑ دیا، کسی نے ان سے کہا کہ آپ مصر کا غلہ کھاتے ہیں، حالانکہ وہ بھی مشتبہ ہے، فرمایا: میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ میں کھانا اسی وقت کھاتا ہوں جب مردار میرے لئے حلال ہو جاتا ہے، چنانچہ تین روز تک کچھ نہیں کھاتے تھے، پھر جب افطار کا ارادہ ہوتا، تو دعا کرتے، اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں عبادت میں کمزوری سے ڈرتا ہوں، ورنہ نہ کھاتا، اے اللہ! اگر اس کھانے میں کوئی خرابی ہو تو مجھ سے اس کا مواخذہ نہ فرمایئے، پھر روٹی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے۔ رحمہ اللہ

(تاریخ الاسلام للذہبی، ج:۴، ص:۳۵۱، الطبعة السابعة العشرة)

حضرت شقیق نے جن اکابر کا نام لیا ہے، یہ سب بڑے رتبے کے حضرات ہیں، ان کی زندگی، ان کی عبادت، ان کا خشوع، ان کا زہد اور ان کی احتیاط دیکھئے، ان کے احوال و واقعات کو نقل کرنے والے ثقہ اور معتبر علماء ہیں، ان لوگوں نے زندگی کا بھی حق ادا کیا، اور عبادت میں بھی ممتاز رہے، یہ ہمارے لئے قدوہ اور نمونہ ہیں، حضرت شقیق بلخی نے کتنے اہتمام سے بزرگوں اور علماء کی خدمت میں رہ کر یہ چیزیں حاصل کیں، خود ان کا حال کیا ہوا ہوگا، سمجھا جا سکتا ہے۔

اس زہد و عبادت کے ساتھ حضرت شقیق بلخی علیہ الرحمہ اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا کرتے تھے، اور انھوں نے جہاد میں شہادت کا مرتبہ پایا۔ سنئے حضرت امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

’’حضرت شقیق اپنے زہد اور دنیا سے انقطاع کے ساتھ بڑے مجاہدین میں شمار ہوتے ہیں، واقعی اولیاء کا زہد ایسا ہی ہونا چاہئے۔ (ج:۵، ص:۲۴۶)

ان کی شجاعت اور قوت قلب اور اللہ پر اعتماد کا حال ان کے شاگرد، مشہور بزرگ

زاہد حضرت حاتم اصم علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں، یہ واقعہ ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء میں بھی ہے، اور امام ذہبیؒ کی تاریخ الاسلام میں ہے، فرماتے ہیں:

"ہم لوگ حضرت شقیق کے ساتھ میدان جہاد میں دشمنوں کے بالمقابل صف بستہ تھے، جنگ شروع ہو چکی تھی، میں صرف سروں کو لڑھکتے، تلواروں اور نیزوں کو ٹوٹتے دیکھ رہا تھا، مجھ سے شقیق نے فرمایا، اس وقت تم اپنے آپ کو کس حال میں پا رہے ہو؟ کیا تم اپنے کو اس حال میں پا رہے ہو، جس رات تمہاری بیوی تمہاری خلوت گاہ میں پہلی مرتبہ داخل ہوئی تھی؟ میں نے کہا نہیں! فرمایا میرا تو یہی حال ہو رہا ہے، پھر وہ دو صفوں کے درمیان سر کے نیچے ڈھال رکھ کر سو گئے، یہاں تک کہ میں نے ان کا خراٹا سنا۔

اللہ اکبر! جنگ ہو رہی ہے، تلواروں کے وار سے سر اڑ رہے ہیں، اور بے خوفی اور اطمینان کا یہ عالم ہے کہ گہری نیند سو رہے ہیں، حضرت شقیق اس امت کے حکیم تھے، ان کے چند ملفوظات نقل کر رہا ہوں۔

فرمایا: میں نے بیس سال تک قرآن کریم میں غور و تدبر کیا، تب مجھے دنیا و آخرت کے درمیان امتیاز حاصل ہوا۔ اس امتیاز کو میں نے دو حرفوں میں پایا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى

(سورۃ القصص: ۶۰)

جو بھی چیز تمہیں دی گئی ہے، وہ دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

اس آیت میں غور کرنے سے دنیا و آخرت الگ الگ ممتاز ہو جاتی ہے۔

فرمایا: مجھے مہمان سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہیں ہے، کیونکہ اس کی روزی تو اللہ کے ذمے ہے، اور اس کا اجر مجھے حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا: تم کسی کو کچھ دو، اور تم کو کوئی کچھ دے، دونوں کے درمیان امتیاز کرو۔

جس نے تم کو کچھ دیا، اگر وہ تمہیں زیادہ محبوب ہے، تو تم دنیا کی محبت میں گرفتار ہو۔

اور جس کو تم کچھ دیا، اور وہ تمہیں زیادہ محبوب ہے، تو تم آخرت کو چاہنے والے ہو۔

فرمایا: تین باتیں ہیں جو زہد کا تاج ہیں۔ اول یہ کہ خواہش نفس سے اعراض کرے اور خواہش نفس کے ساتھ نہ چلے۔ دوسرے یہ کہ زاہد اپنے قلب سے زہد کی طرف یکسو رہے۔ تیسرے یہ کہ خلوت میں یہ یاد کرے اور سوچے کہ قبر میں کیسے داخلہ ہوگا، اور اس سے نکلنے کے وقت کیا ہوگا، اور اس وقت کی بھوک، پیاس اور ننگے ہونے کو سوچے، نیز قیامت کے دن کی درازی کو، حساب کو، صراط کو، طول حساب کو، کھلی ہوئی رسوائی کو دھیان میں لائے، اگر ان باتوں کو سوچے گا تو دھوکے کے گھر یعنی دنیا سے بے نیاز ہوگا، اور جب یہ ہوگا تو وہ زاہدوں سے محبت کرنے والا ہوگا، اور جو جس سے محبت کرتا ہے، اسی کے ساتھ ہوتا ہے۔

فرمایا: اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اسے خدا کی معرفت حاصل ہے یا نہیں؟ تو وہ یہ دیکھ لے کہ جس چیز کا اللہ نے وعدہ کیا ہے، اس پر اسے زیادہ اطمینان ہے یا جس چیز کا بندہ نے وعدہ کیا ہے، اس پر اسے زیادہ اطمینان ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے روزی دینے کا وعدہ کیا ہے، اور کبھی کوئی آدمی کسی کو کھانا کھلانے کا یا ضروریات کے تکفل کا وعدہ کرلیتا ہے، دیکھ لینا چاہئے کہ کس پر زیادہ اطمینان حاصل ہے، اگر اللہ کے وعدے پر زیادہ اطمینان ہے تو اسے اللہ کی معرفت حاصل ہے ورنہ نہیں۔

اہل مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا: مسئلہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں آج دنیا سے اٹھالیں، تو کل آئندہ کی نماز کا تم سے مطالبہ کریں گے؟ لوگوں نے کہا نہیں، جس زندگی کو ہم نے پایا ہی نہیں اس کی نماز کا مطالبہ کیونکر ہوگا؟ فرمایا: جب کل آئندہ کی نماز کا تم سے مطالبہ نہیں ہے تو تم بھی اس سے کل آئندہ کی روزی کا مطالبہ مت کرو، کیا پتہ کل تک نہ رہو۔ (حلیۃ، ج:۸، تاریخ الاسلام، ج:۵)

حضرت شقیق بلخی غزوہ کولان میں ۱۹۴ھ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

حضرت وہیب بن الورد مکی قدس سرہ

حضرت وہیب کا نام عبدالوہاب تھا، وہاب کی تصغیر وُھَیُب کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت وہیب نہایت عابد زاہد اور متقی بزرگ تھے، ان کا شمار تبع تابعین میں ہے، تابعین میں حضرت عطا بن ابی رباح، حضرت منصور بن زاذان اور ابان بن ابی عیاش رحمہم اللہ جیسے اکابر کے صحبت یافتہ تھے، مگر انھوں نے تحدیث و روایت کے مقابلے میں عبادت کی مشغولیت کو زیادہ اختیار کر رکھا تھا۔

حضرت عبدالعزیز بن ابی رواد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایک رات مکہ کی ٹھنڈی تھی، اور بارش بھی ہو رہی تھی، میں مقام ابراہیم کے پاس پہونچا تو دیکھا ایک بزرگ سجدے کی حالت میں رو رہے ہیں اور دعا کر رہے ہیں، میں نے طواف پورا کیا، اور وہ ابھی اسی حال میں تھے میں پھر تمام رات ان کے پاس کھڑا رہا، جب رات کا آخر ہوا، میں نے سنا کہ کوئی پکار رہا، اے وہیب! سر اٹھاؤ، تمہاری بخشش ہوگئی میں نے سر اٹھایا تو کوئی پکارنے والا نظر نہ آ رہا تھا، جب صبح ہوئی تو انھوں نے اپنا سر اٹھایا اور وہاں سے چلے، میں بھی ان کے پیچھے ہولیا، میں نے پوچھا آپ نے آواز نہیں سنی؟ پوچھا کیسی آواز؟ میں نے بتایا تو فرمایا کسی کو بتانا مت، پھر میں نے ان کی زندگی بھر اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

(صفة الصفوة ص:۳۷۹)

حضرت سفیان بن عیینہؒ، حضرت وہیب سے نقل کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ بطن وادی میں کھڑا تھا، اچانک ایک آدمی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور

کہا اے وہیب! اللہ سے ڈرو، کیونکہ وہ تم پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور اللہ سے حیا کرو، کیونکہ وہ تم سے بہت قریب ہیں، میں پیچھے متوجہ ہوا، کوئی نظر نہ آیا۔

حضرت وھیب نہایت متورع اور متقی انسان تھے، کوئی مشتبہ لقمہ وہ منہ میں نہیں ڈالتے تھے، حضرت بشر حافی فرماتے ہیں کہ چار شخصوں کا مرتبہ اللہ تعالیٰ غذا کی پاکیزگی کی وجہ سے بہت بلند کیا، وھیب بن الورد، ابراہیم بن ادہم یوسف بن اسباط، اور سالم خواص۔

ایک جگہ حضرت فضیل بن عیاض، عبداللہ بن مبارک اور وھیب بن الورد اکٹھا بیٹھے ہوئے تھے، ان لوگوں میں رطب (تازہ کھجوروں) کا تذکرہ نکلا، حضرت وہیب نے پوچھا کہ کیا رطب کا موسم آگیا، حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا، اللہ آپ پر رحم کرے یہ موسم کا آخر ہے، کیا آپ نے رطب کھایا نہیں؟ فرمایا نہیں، پوچھا کیوں؟ وھیب نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے، کہ مکہ مکرمہ کے پھل تمام طور صوافی اور قطائع ((صوافی اور قطائع وہ زمینیں ہیں جو غیر شرعی طور پر کسی کے قبضے میں ہوا کرتی تھیں) کے ہوتے ہیں، اس لئے مجھے اس کے کھانے کراہت ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ نے فرمایا، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ صوافی اور قطائع کے ہیں، تو بازار سے خریدنے میں کیا رخصت نہیں ہے؟ اگر ایسا نہ ہو تو لوگوں کو روٹی کھانا مشکل ہو جائے گا، مصر سے جو غلہ آتا ہے، وہ بھی عموماً صوافی اور قطائع کا ہوتا ہے، اور میرا خیال ہے کہ گیہوں سے بے نیاز تو آپ بھی نہ ہوں گے، تو لوگوں پر معاملہ سہل کیجئے، یہ سن کر وہ بیہوش ہو کر گر گئے، حضرت فضیل نے کہا، یہ آپ نے کیا کیا؟ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا مجھے اندازہ نہیں، کہ اتنا زیادہ خوف انھیں حاصل ہے، جب انھیں ہوش آیا تو فرمایا، اے ابن مبارک! اپنی رخصت سے مجھے معاف کرو، میں گیہوں بھی اسی وقت کھاتا ہوں اور اسی طرح کھاتا ہوں جیسا حالت اضطرار میں مردہ کھایا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں، میں جتنے لوگوں کے پاس بیٹھا ہوں، سب سے زیادہ نفع مجھے وہیب کے پاس بیٹھنے سے ہوتا تھا، وہ میوے نہیں کھاتے تھے، جب وقت

تمام ہو جاتا اور میوے ختم ہو جاتے، تو اپنا پیٹ کھول کر دیکھتے اور کہتے، اے وہیب! تمہیں کچھ ہوا تو نہیں، میووں کے ترک کرنے نے تمہیں کوئی ضرر تو نہیں پہونچایا۔

تقویٰ کی شان یہی ہے کہ حرام تو حرام ہے، مشتبہ امور سے بھی آدمی پرہیز کرے، عام لوگوں کے لئے فتویٰ تو وہی دیا جائے گا جس میں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے آسانی ہو، مگر جو لوگ متقی ہیں، اللہ کے یہاں کچھ مقام ومرتبہ رکھتے ہیں، انھیں سہولتوں اور رخصتوں پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، وہ عزیمت پر کاربند رہیں، ان کی عزیمت کی روشنی میں لوگ رخصتوں تک محدود رہیں گے، ورنہ یہ خاص حضرات رخصت کی سہولت سے فائدہ حاصل کرنے کا دستور بنالیں، تو عام لوگ رخصتوں کی حد سے نکل کر حرام چیزوں میں جا پڑیں گے۔

بخاری شریف کی روایت ہے، اور یہ حدیث صحاح ستّہ کی ہر کتاب میں ہے، روایت کرنے والے صحابی نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے یہ ارشاد سنا ہے، آپ ﷺ فرما رہے تھے: **الحلال بین والحرام بین وبینهما مشتبهات لایعلمها کثیر من الناس فمن اتقیٰ المشتبهات استبرأ لدینه وعرضه ومن وقع فی الشبهات کراعٍ یرع حول الحمی یوشک أن یواقعه ألاوإن لملک حمیً ألا إن حمی الله فی ارضه محارمه (باب فضل من استبرأ لدینه)** ۔ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے، ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، تو جو کوئی ان مشتبہ چیزوں سے بچ نکلے گا، وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے جائے گا، اور جو ان شبہات میں پڑے گا، اس کی مثال اس چرواہے جیسی ہے جو اپنے مویشی کو باڑھ کے قریب چراتا ہے، قریب ہے کہ وہ باڑھ کے اندر جا پڑے، سنو! ہر بادشاہ کے لئے اس کی حد ہوتی ہے، اور اللہ کی حد اس کی زمین میں حرام چیزیں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں وہ ہیں، جو حرام کے آس پاس ہوتی ہیں، کسی اعتبار

سے دیکھئے تو وہ حلال اور جائز معلوم ہوتی ہیں، اور کسی جہت سے دیکھئے تو ان میں حرمت کا رنگ نظر آتا ہے، ان سے بچتے رہنا ہی دین وایمان کا تقاضا ہے۔

سلف کا اندازِ زندگی یہی تھا کہ وہ حلال روزی کا بہت اہتمام کرتے تھے، اور حرام سے قطعی اجتناب کرتے تھے، حرام تو حرام ہے وہ مشتبہ امور سے بھی احتیاط کرتے تھے۔

حضرت وہیب کا وصال ۱۵۳ھ میں ہوا۔

(صفة الصفوة لابن جوزی)

◆ ◆ ◆ ◆ ◆

حضرت زمعہ بن صالح مکی قدس سرہ

ابن طاووس کے شاگرد اور حضرت وکیع بن جراح کے شیخ ہیں۔

قاسم بن راشد شیبانی کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت زمعہ کا قیام ہمارے پاس تھا، ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور بچیاں تھیں، وہ رات کے زیادہ تر حصے میں نماز میں مشغول ہوتے، جب صبح صادق قریب ہوتی، تو باآواز بلند پکارتے

یاایھاالمرکب المعرسونا　　　　أکل هٰذا اللیل ترقدونا
ألا تقومون فترحلونا

اے رات کے آخری حصہ میں آرام کرنے والے مسافرو! کیا ساری رات تم سوتے رہو گے؟
اٹھو گے نہیں کہ سفر آگے بڑھے

یہ سن کر گھر کے تمام افراد بستر سے اچھل پڑتے، پھر یہ منظر ہوتا کہ یہاں کوئی رو رہا ہے اور وہاں کوئی دعا کر رہا ہے، اس جگہ کوئی قرآن پڑھ رہا ہے، کسی طرف کوئی وضو کر رہا ہے۔

اور جب صبح صادق ہوتی تو پھر پکارتے، صبح کے وقت خوش نصیب لوگ حمد وثنا کرتے ہیں۔

(صفة الصفوة لابن جوزی)

* * * * *

امام عبدالملک بن عبدالعزیز: ابن جریج، العلامة الحافظ شيخ الحرم

مکہ شریف کے بڑے عالموں میں ہیں، مکہ مکرمہ میں علم کی تدوین کرنے والے پہلے بزرگ ہیں، مشہور تابعی حضرت عطا بن ابی رباح کے شاگرد ہیں، ان کی خدمت میں اٹھارہ سال رہے ہیں، بڑے عبادت گزار تھے، نماز بہت اچھی پڑھتے تھے، مشہور محدث عبد الرزاق فرماتے ہیں کہ حضرت ابن جریج نے نماز حضرت عطاء سے سیکھی ہے، حضرت عطاء نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا صدیق اکبر سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے، اورانھوں نے سیّد المرسلین حضور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

سبحان اللہ! یہ حضرات اپنے بزرگوں سے نماز سیکھنے کا اہتمام کرتے تھے، تب اس درجہ باکمال ہوئے۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ابن جریج صاحب لیل تھے، یعنی تہجد گزار، شب زندہ دار تھے۔

حضرت امام عبدالرزاق فرماتے ہیں، حضرت ابن جریج بہت عمدہ نماز پڑھتے تھے ، اور میں انھیں جب بھی دیکھتا مجھے بداہۃً معلوم ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خشیت میں ڈوبے ہوئے ہیں، میں نے ان کے جیسی نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا۔

حضرت عطاء ان کے استاذ فرماتے تھے کہ ابن جریج حجاز کے جوانوں کے سردار ہیں، ابو عاصم نبیل فرماتے ہیں کہ ابن جریج بڑے عبادت گزار تھے، روزہ تو ہمیشہ رکھتے ، مہینہ میں صرف تین دن روزہ نہ رکھتے، ان کی بیوی بھی بڑی عبادت گزار تھیں۔

حضرت ابن جریج کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا۔

(صفة الصفوة لابن جوزی وسیر اعلام النبلاء ، ج:٦، ص:۳۰۹)

☆☆☆☆☆

حضرت صفوان بن سلیم قدس سرہ

امام، حافظ، ثقہ، فقیہ، ابوعبداللہ یا ابوالحارث صفوان بن سلیم زہری۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت حمید کے موالی میں ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، بڑے بڑے ائمۂ حدیث ان کے تلامذہ میں ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ یہ معتبر ترین محدث ہیں، ان کی حدیث سے شفا ملتی ہے، اور ان کے تذکرے سے آسمان سے بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے، اللہ کے صالح بندوں میں نیک تر ہیں۔

حضرت یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ پختہ ہیں، ثقہ ہیں، عبادت میں معروف ہیں، میں نے علی بن عبداللہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ٹھنڈی راتوں میں صفوان چھت پر نمازیں پڑھتے تھے، تاکہ نیند نہ آئے۔

امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں صفوان بن سلیم جاڑوں میں چھت پر اور گرمیوں میں کمرے کے اندر نماز پڑھا کرتے تھے، گرمی اور ٹھنڈک دونوں کی تکلیف اٹھاتے تھے، اسی حال میں صبح ہوجاتی، پھر کہتے: اے اللہ! صفوان کی محنت یہ ہے، اور آپ خوب جانتے ہیں۔ رات کی طویل نمازوں کی وجہ سے ان کے پیروں پر ورم آجاتا تھا، اور ان میں ہری ہری رگیں دکھائی دینے لگتی تھیں۔

وہ سفر حضر ہر حال میں قیام اللیل کے پابند تھے، پوری رات نماز میں گزاردیتے تھے، جب ان کی عمر چالیس سال کو پہونچی، تو انھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اب وہ اپنا پہلو زمین پر نہیں رکھیں گے، یعنی لیٹنا موقوف! پھر تیس سال سے زیادہ وہ اسی حال پر رہے، کبھی زمین یا بستر سے پہلو نہیں لگایا، یہاں تک کہ جوارِ رحمت میں پہونچ گئے۔

ایک بزرگ عبد العزیز بن ابو حازم کہتے ہیں کہ ایک بار میں اور صفوان دونوں اونٹ کی محمل کے دونوں حصوں میں ساتھ رہے، مدینہ سے مکہ تک وہ کہیں نہیں لیٹے، اور پھر اسی حال میں واپسی بھی ہوئی۔

حضرت صفوان کے قلب وجگر میں اللہ کا خوف اور اس کی خشیت اس طرح سمائی ہوئی تھی کہ چہرہ پر اس کا اثر صاف نمایاں تھا، ان کے شاگرد اور مشہور محدث وامام حضرت سفیان بن عیینہ ان سے اپنی پہلی ملاقات کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ حج میں تشریف لائے تھے، میں ان کی تلاش میں منیٰ حاضر ہوا۔ میں انھیں تلاش کر رہا تھا، ان کا پتہ کسی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ مسجد خیف میں جائیے، منارہ کے سامنے تھوڑے فاصلے پر ایک بزرگ ہیں، انھیں دیکھئے گا تو محسوس کریں گے وہ حق تعالیٰ کی خشیت میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہی صفوان بن سلیم ہوں گے۔

پھر میں نے کسی سے کچھ دریافت نہیں کیا، سیدھا وہیں پہونچا، میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا، جو کیفیت ان کی بتائی گئی تھی ٹھیک اسی کیفیت میں تھے، میں ان کے پاس بیٹھ گیا، اور پوچھا کہ آپ صفوان بن سلیم ہیں؟ فرمایا ہاں!

ان بزرگوں کو خدا کی ذات پر اور خدا کی بات پر اتنا یقین اور شرح صدر ہوا کرتا تھا کہ شاید اس سے آگے سوچا بھی نہ جاسکے۔ حضرت سفیان بن عیینہ ہی فرماتے ہیں کہ حج میں ان کے پاس صرف سات دینار تھے، اس کے علاوہ کچھ نہ تھا، انھوں نے ان ساتوں کو ایک اونٹ کی خریداری میں صرف کردیا کہ قربانی کریں۔ ان سے اس کے بارے میں کچھ عرض کیا گیا کہ ساری رقم کیوں خرچ کردی، کوئی ہلکا پھلکا جانور بھی قربانی کے لئے خریدا جاسکتا تھا۔ فرمایا کہ میں نے اللہ کا فرمان سنا ہے: **وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ** (سورۃ الحج: ۳۶) ہم نے اونٹوں کو تمہارے لئے اللہ کے شعائر (خاص علامتوں) میں قرار دیا ہے، تمہارے لئے ان میں خیر ہے۔

اس خیر کے حاصل کرنے میں ان کی کل پونجی خرچ ہوگئی، اور وہ خوش تھے۔

ان کی ایک اور کیفیت ملاحظہ کیجیے، اور دیکھئے کہ یہ حضرات کس بات کا کتنا اہتمام کرتے تھے۔ محمد بن صالح تمار بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن سلیم کچھ دنوں بقیع (مدینہ کے متبرک قبرستان) میں آیا کئے، وہ میرے پاس سے گزرتے تھے، ایک دن میں ان کے پیچھے چلا کہ دیکھوں وہ کیا کرتے ہیں، انھوں نے اپنے سر پر رومال ڈال لیا، اور ایک قبر کے پاس بیٹھ کر رونا شروع کیا، اتنا روئے کہ مجھے ترس آ گیا، مجھے خیال ہوا کہ شاید ان کے گھر کے کسی فرد کی قبر ہے، دوسرے دن وہ پھر میرے پاس سے گزرے، میں پھر ان کے پیچھے چلا کہ آج دیکھوں کیا کرتے ہیں؟ آج وہ دوسری قبر کے پاس بیٹھے، اور وہاں بھی خوب روئے، میں نے اس کا تذکرہ محمد بن منکدر علیہ الرحمہ سے کیا، اور یہ بھی کہا کہ میں سمجھا تھا کہ ان کے کسی گھر والے کی قبر ہے، انھوں نے فرمایا، یہ سب ان کے اہل اور بھائی ہیں۔ بات یہ ہے کہ صفوان بن سلیم کو جب اپنے دل میں کچھ غفلت اور سختی محسوس ہوتی ہے، تو وہ اس طرح اپنا علاج کرتے ہیں، پھر دیکھا کہ محمد بن منکدر بھی بقیع جانے لگے، ایک دن میں نے سلام کیا، تو فرمایا کہ کیا تم کو صفوان کی نصیحت کا اثر نہیں ہوا، تب میں نے سمجھا، کہ میں نے صفوان کا جو حال ان سے بیان کیا تھا، اس سے یہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

وہ اتنی کثرت سے نماز پڑھتے اور سجدہ کرتے تھے کہ ان کی پیشانی کی ہڈی پر اس کا اثر آ گیا تھا، انھوں نے عہد کر رکھا تھا کہ مرتے دم تک لیٹیں گے نہیں، چنانچہ انھوں نے یہ عہد پورا کیا۔ ابن ابوحازم بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ حضرت صفوان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اپنی جائے نماز پر بیٹھے ہوئے تھے، یہ ان کا بالکل آخری وقت تھا، میرے والد بہت اصرار کر کے انھیں بستر تک لائے، پھر ہم وہاں سے واپس آ گئے، ان کی باندی نے بتایا کہ جیسے ہی آپ لوگ باہر گئے، اسی وقت ان کی روح پرواز کر گئی۔ دوسرے حضرات کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لیٹے نہیں، بیٹھے ہی بیٹھے جاں بحق تسلیم ہوئے۔

استغناء: عبادت کے اس شغف کے ساتھ ان کے استغناء کی شان اور بے نیازی وقناعت کا حال بھی قابل ملاحظہ ہے، یہ وہ حضرات ہیں، جنھوں نے دنیا اور متاعِ دنیا

کو کبھی عظمت واہمیت کی نظر سے نہیں دیکھا، اور نہ کبھی دل کی رغبت اس کی طرف ہوئی۔ دنیا ان کے سامنے آئی، مگر انھوں نے اسے متاعِ قلیل سمجھ کر اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ ان کے نزدیک اگر قیمت تھی، تو دنیا کی نہیں اس چیز کی تھی جس سے آج دنیا والے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ صاحب سیر اعلام النبلاء نے، اور ان سے صاحب حلیۃ الاولیاء نے اور صاحب صفۃ الصفوۃ نے ایک سرگزشت ان کی نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

"جس دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ مدینہ شریف کے گورنر تھے، اس وقت کا اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ طیبہ حاضر ہوا، اس نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر محراب میں لوگوں کی طرف رُخ کرکے بیٹھ گیا، اس کی نظر صفوان پر پڑی، وہ انھیں دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ مجھے اس جیسا کوئی آدمی نظر نہیں آیا، انھوں نے فرمایا کہ یہ صفوان بن سلیم ہیں، خلیفہ نے غلام کو آواز دی کہ ایک تھیلی میں پانچ سو اشرفیاں حاضر کرو، وہ لے آیا۔ بادشاہ نے خادم سے کہا، اسے لے جاؤ اور وہ صاحب جو کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں انھیں دے آؤ۔ وہ ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو خادم سے پوچھا کیا بات ہے؟ خادم نے جواب دیا کہ امیر المومنین فرماتے ہیں کہ اسے قبول کر لیجئے، صفوان نے فرمایا کہ جس کے پاس امیر المومنین نے تمہیں بھیجا ہے وہ میں نہیں ہوں۔ وہ بولا کیا آپ صفوان بن سلیم نہیں ہیں؟ فرمایا ہوں تو! بولا مجھے آپ ہی کے پاس بھیجا گیا ہے، فرمایا جاؤ اچھی طرح تحقیق کرو، وہ خادم ادھر گیا اور یہ اپنا جوتا لے کر آہستہ سے دوسری طرف چلے گئے، پھر جب تک سلیمان مدینہ میں مقیم رہا، وہ کہیں دکھائی نہیں دیئے۔"

مال دنیا، جس کی آتش ہوس کسی طرح بجھتی ہی نہیں، جس کی جوع البقر کسی طرح سیر نہیں ہوتی، اور جس کی پیاس سمندروں پانی پی کر بھی آسودہ نہیں ہوتی، اس کے ساتھ ہمارے بزرگوں کا برتاؤ یہ تھا، اور واللہ یہی لوگ کامیاب تھے، رات کی چند رکعتیں ان کے لئے دنیا اور تمام اسبابِ دنیا سے بڑھ کر تھیں۔

حضرت صفوان علیہ الرحمہ کا وصال ۷۲ سال کی عمر میں ۱۳۲ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً (سیر اعلام النبلاء، ج:۶ ص:۹۹/ حلیۃ الاولیاء، ج:۳ ص:۱۸۵/ صفۃ الصفوۃ، ص:۳۵۰)

حضرت کہمس بن حسن قیسی قدس سرہ

حضرت کہمس بن الحسن البصری، عابد وزاہد، بڑے ثقات ہیں۔ بڑے عالم وفاضل تھے، اکابر محدثین میں ان کا شمار ہے، عبداللہ بن مبارک، یحیٰ بن سعید قطان، وکیع بن جراح جیسے ائمہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔

حضرت کہمس محدث وعلام ہونے کے ساتھ بہت عابد وزاہد تھے۔ عبادت کا حال یہ تھا کہ شب وروز میں ایک ہزار رکعت نفل پڑھنے کا معمول تھا، جب کبھی طبیعت کو اکتاہٹ محسوس ہوتی تو اپنے نفس سے مخاطب ہوکر فرماتے: اے مرکز شرور! اُٹھ اور نماز پڑھ، میں ایک لحظہ کے لئے تم سے راضی نہیں ہوں، اور یہ ناراضگی محض للہ فی اللہ ہے۔

کبھی کبھی رات کی تنہائی میں اللہ کی محبت قلب وجگر میں غیر معمولی طور پر موجزن ہوتی، تو حق تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہتے: اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اے میرے دل کے محبوب! کیا آپ مجھے عذاب دیں گے؟ اور عذاب میں دیکھیں گے؟ بشر بن حارث (بشر حافی) فرماتے ہیں کہ کبھی نماز کے مجاہدے کی شدت سے کہمس پر بے ہوشی طاری ہوجاتی۔

اس عبادت کے ساتھ وہ گچ بنانے کا کام کرتے تھے، اور اس سے روزانہ دو دانق (تہائی درہم) مزدوری پاتے، شام کو اس سے کچھ میوہ خریدتے اور اپنی والدہ کو پیش کرتے، والدہ کے بڑے خدمت گزار تھے، یہ بصرہ کے رہنے والے تھے، جب تک والدہ حیات رہیں ان کی خدمت میں لگے رہے، جب ان کا انتقال ہوگیا تو مکہ شریف چلے گئے اور وہاں بھی عبادت کے ساتھ محنت مزدوری کرتے رہے۔

حضرت کہمس بہت متقی اور محتاط تھے، ایک مرتبہ ان کا ایک دینار کھو گیا، وہ تلاش میں رہے، پھر وہ مل گیا لیکن انھوں نے اسے نہیں لیا، کہ شاید یہ میرا دینار نہ ہو کسی اور کا ہو۔

اس تقویٰ اور عبادت کا اثر یہ تھا کہ ان کے مال میں برکت بہت تھی، یحییٰ بن کثیر بصری فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایک مرتبہ ایک درہم کا آٹا خریدا، اور اس میں سے نکال نکال کر روٹی پکاتے اور کھاتے رہے، جب ایک لمبی مدت گزر گئی، تو انھوں نے اسے کیل میں ناپا تو جتنا رکھا تھا اتنا ہی تھا، اس کے بعد البتہ کچھ دنوں کے بعد وہ ختم ہوگیا۔

حضرت کہمس کی وفات ۱۴۹ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ وغفرلہ

◆ ◆ ◆ ◆ ◆

حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم علیہ الرحمہ

مدینہ شریف میں منصب قضا پر فائز تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے، تو انھیں مدینہ کا گورنر بنا دیا۔ حضرت ابوبکر کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ چالیس سال کی مدت تک حضرت ابوبکر اپنے بستر پر نہیں لیٹے۔

وہ بہت عبادت گزار اور تہجد گزار تھے، حضرت امام مالک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن حزم کے مثل کسی کو صاحب مروت اور اچھے حال والا نہیں دیکھا۔

حضرت ابوبکر کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت ابوحیّان بن سعید تیمی قدس سرہ

امام شعبی کے تلامذہ میں ہیں، ثقہ اور صالح تھے، بہت کثیر العبادت اور تہجد گزار تھے، حضرت عبداللہ بن ادریس فرماتے ہیں کہ ابوحیان کے لئے رات کا جاگنا اتنا آسان تھا، اور رات اتنی ہلکی تھی کہ میں نے ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں دیکھا اس پر اتنی ہلکی ہو۔ ایک مرتبہ میں ان کے ساتھ مکہ شریف گیا، تو راہ میں جب رات اندھیری ہوتی، تو ان کا وہ حال ہوتا جیسے بھڑ کو اس کے چھتے سے برانگیختہ کر دیا گیا ہو اور وہ بھنبھناتی ہے، اسی طرح یہ بھی نماز میں کھڑے ہو کر ہلکی آواز سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کر دیتے۔

(صفۃ الصفوۃ، ص: ۵۷۰)

* * *

حضرت معروف بن واصل تیمی قدس سرہ

حضرت معروف بنی عمرو بن سعد کی مسجد کے امام تھے، ہر تین روز میں ایک قرآن ختم کرتے، خواہ سفر میں یا حضر ہوں، انھوں نے ساٹھ سال تک اپنی قوم کی امامت کی، اس دوران انھیں کبھی کسی نماز میں سہو نہیں ہوا۔

یہ کمال استحضار تھا، دل کا نور تھا، قلب دنیا سے خالی تھا، اللہ تعالیٰ اس صفت کو عام فرمائیں۔

* * *

حضرت کُرز بن وبرہ حارثی قدس سرہ

حضرت کُرز بن وبرہ، تابعین میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، کوفہ کے رہنے والے ہیں، ۹۸ھ میں یزید بن مہلب کے ساتھ جہاد کے لئے جرجان آئے اور پھر یہیں رہ گئے، جرجان میں انھوں نے ایک مسجد بنالی، جس کے قریب وہ انتقال کے بعد مدفون ہوئے۔

حافظ ابونعیم صاحب حلیۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ عبادات میں ان کی بڑی شہرت اور بلند مقام تھا۔ نماز کے بڑے شیدائی تھے، سفر میں ہوتے تو جہاں بھی موقع ملتا صاف ستھری جگہ دیکھ کر نماز میں مشغول ہوجاتے۔

ایک بزرگ حضرت ابوسلیمان المکتب فرماتے ہیں کہ میں مکہ شریف کے سفر میں حضرت کُرز کے ساتھ تھا، جب کہیں قافلہ کا پڑاؤ ہوتا، تو یہ آرام کرنے کے بجائے کسی طرف ہٹ کر نماز میں مشغول ہوجاتے، پھر قافلہ کا کوچ ہوتا اور اونٹ بلبلانے لگتے تو یہ آجاتے، ایک روز کوچ کا وقت آیا مگر کُرز نہیں آئے تو لوگ انھیں تلاش کرنے لگے، میں بھی تلاش میں نکلا، میں نے دیکھا کہ ایک نشیبی جگہ میں نماز پڑھ رہے ہیں، گرمی شدید تھی، دھوپ چمک رہی تھی، میں نے دیکھا کہ ایک بادل ان پر سایہ کئے ہوئے ہے، مجھے دیکھا تو میری جانب آئے اور پھر فرمایا، ابوسلیمان! مجھے تم سے ایک ضرورت ہے؟ میں نے عرض کی فرمائیے فرمایا کہ جو حال تم نے دیکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے کسی پر ظاہر نہ کرو، میں نے کہا ٹھیک ہے! فرمایا پختہ وعدہ کرو، تب میں نے قسم کھائی کہ ان کے مرنے تک کسی سے اس کا تذکرہ نہ کروں گا۔

نماز میں ان کا قیام بہت طویل ہوتا، اتنا طویل کہ پاؤں شل ہونے لگتا، کھڑا ہونا

مشکل ہو جاتا، انھوں نے اپنے گھر میں ایک گڑھا کھود رکھا تھا، جس میں بھوسہ بھر دیا تھا، اور اس پر ایک موٹا بستر بچھا دیا تھا، تاکہ اس پر کھڑا ہونا آسان ہو، وہ ہر روز و شب میں تین ختم قرآن پڑھا کرتے تھے۔

تین ختم ہوا واقعہ بھی عجیب ہوا، مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ، ابن شبرمہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، حضرت کُرز نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں اسم اعظم عطا ہو (اللہ کا وہ نام جسے پکارا جائے تو دعا ضرور قبول ہو) اور انھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ یہ دولت مل جائے گی تو اس کے واسطے سے کبھی دنیا اور سامانِ دنیا کی دعا نہ کریں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسم اعظم کی دولت عطا کی۔

انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، ایک شب و روز میں تین ختم پڑھنے کی انھیں قوت اور توفیق عطا ہو، چنانچہ حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔

حضرت کُرز زیادہ تر عبادت اور نماز میں مشغول رہا کرتے، لوگوں کے درمیان ہوتے تب بھی کلام نہ فرماتے، ایک مرتبہ جرجان سے کوفہ تشریف لائے، کوفہ کے علماء اور قراء نے سنا، تو ان کے پاس بکثرت جمع ہوئے، مگر انھوں نے اس مجمع میں بجز دو باتوں کے کچھ نہ فرمایا، ایک بات یہ فرمائی کہ نبی ﷺ پر درور پڑھو، کیونکہ تمہارا درود آپ پر پیش کیا جاتا ہے، اور دوسری بات! یہ فرمائی اَللّٰھُمَّ اخْتِمْ لَنَا بِخَیْرٍ! اے اللہ! ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائیے۔

حضرت خلف بن تمیم کوفی اپنے والد سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں، ان کے والد نے مزید فرمایا، اس امت میں مَیں نے کُرز بن وبرہ سے بڑھ کر عبادت گزار نہیں دیکھا، سواری پر بھی وہ نماز پڑھنے میں سستی نہ کرتے تھے، اور اترتے ہی نماز شروع کر دیتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی بھی ان کی تعریف کرتے تھے، انھوں نے فرمایا، حضرت کُرز نے چالیس سال تک آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی۔

جو لوگ اپنے اوقات کو عبادتِ الٰہی کے لئے وقف کر دیتے ہیں، ان کی

ضروریات کا تکفل غیب سے اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، احمد بن کثیر کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے ان کی باندی اور خادمہ سے پوچھا کہ حضرت کُرز کا خرچ کیسے چلتا ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھ سے انھوں نے فرما رکھا تھا، جب تم کوئی کسی چیز کا ارادہ ہو، فلاں طاق سے لے لیا کرو، تو میں جب کچھ چاہتی اسی طاق سے لے لیا کرتی تھی۔

حضرت محمد بن فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ میں نے ابن شبرمہ سے یہ دو شعر سنے، وہ پڑھ رہے تھے،

لو شئت کنت ککرز فی تعبده   او کابن طارق حول البیت فی الحرم
قد حال دون لذیذ العیش خوفهما   وسارعا فی طلاب الفوز والکرم

☆ اگر تم کچھ ہونا چاہتے، تو عبادت گزاری میں کُرز کی طرح ہو جاؤ، یا حرم میں کعبہ شریف کے اردگرد ابن طارق کی طرح ہوئے۔ ☆ خوف الٰہی ان دونوں کے درمیان اور لذت عیش کے درمیان حائل ہو گیا تھا، اور یہ دونوں کامیابی اور کرم خداوندی کی طلب میں بہت تیز چلے۔

یہ دونوں شعر ابن شبرمہ نے ابن ہبیرہ کو مخاطب کر کے کہا تھا، ابن ہبیرہ نے پوچھا کُرز کون ہیں؟ اور ابن طارق کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ:

"کُرز وہ ہیں کہ جب کبھی سفر میں ہوتے ہیں، اور پڑاؤ ڈال کر آرام کرتے ہیں، تو یہ نماز کی جگہ متعین کر لیتے ہیں، اور ابن طارق وہ ہیں کہ اگر کسی کو ایک مٹھی مٹی کفایت کرتی، تو ابن طارق کو ضرور کفایت کرتی، مطلب یہ ہے کہ ابن طارق دنیا کا حصہ بہت کم، کم سے کم لیتے تھے۔

مشہور تھا کہ ان کا ہر روز کا طواف دس فرسخ ہوا کرتا تھا۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، یعنی تیس میل، آج کل کے پیمانے سے تقریباً ۴۵ر کلومیٹر۔ محمد بن فضیل فرماتے ہیں کہ وہ روزانہ ستر طواف کرتے تھے۔

امام ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں ابوالبشر سے نقل کیا ہے، کہ کُرز بن وبرہ عابد

ترین بزرگ تھے، بہت قلیل الطعام تھے، ان کے بدن پر صرف اتنا گوشت رہ گیا تھا جتنا چڑیا کے بدن پر ہوتا ہے، وہ کئی کئی دنوں تک کچھ کھاتے ہی نہ تھے، اور جب نماز شروع کرتے تو سراپا خشوع وخضوع ہوتے، نگاہ ذرا بھی اِدھر اُدھر نہ ہوتی، محبت الٰہی میں غرق تھے، اور اللہ کے حضور بڑے نیاز مند تھے، انھیں محبت الٰہی کا استغراق اس درجہ تھا، کہ بعض اوقات ان سے کوئی بات کرتا، تو بڑی دیر کے بعد جواب دیتے، قلب کو اللہ کے ساتھ مشغولی ہوتی۔

ان کے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ جرجان کے تمام مردے قبروں کے باہر زرق برق کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے ہیں، دیکھنے والے نے پوچھا اے اہل قبور! کیا بات ہے؟ وہ لوگ بولے، کُرز بن وبرہ کے آنے کی تقریب میں ہمیں نئے لباس عطا کئے گئے ہیں۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

’’ہمارے اسلاف میں عابد وزاہد ایسے ہوا کرتے تھے، اللہ سے ڈرنے والے، خاشع وخاضع، عابد وقانع، جو نہ دنیا میں داخل ہوتے اور دنیا کی خواہشات میں، اللہ سے توفیق، اخلاص اور اتباع سنت کے لزوم کا سوال کرتے ہیں۔

(حلیۃ الاولیاء، ج:۵، ص:۹۱/ صفۃ الصفوۃ، ص:۱۷۵/ سیر اعلام النبلاء، ج:۶، ص:۲۴۴)

* * *

حضرت موسیٰ بن ابی عائشہ قدس سرہ

موسیٰ بن ابی عائشہ ہمدانی کوفی ، عابد، علماء عابدین میں شمار ہونیوالے، حضرت سعید بن جبیر کے شاگرد ہیں، ان کے تلامذہ میں مشہور محدث وناقد حضرت شعبہ، حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ وغیرہ اکابر ہیں۔

حضرت جریر عبد الحمید کہتے ہیں کہ میں نے موسیٰ بن ابی عائشہ کو دیکھا ہے، جب میں انھیں دیکھتا تو محض ان کے دیکھنے سے اللہ کی یاد دل میں آجاتی ، ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان سجدے کا اثر تھا۔

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پڑوسی عمرو بن قیس کہتے تھے، کہ رات میں جب میری آنکھ کھلتی، تو میں دیکھتا کہ موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں، رات میں کثرت نماز کی وجہ سے ان کا نام لوگوں نے ''متہجد'' تہجد گزار رکھ دیا تھا۔

سبحان اللہ! اللہ کی محبت اور اللہ کے خوف نے، ان لوگوں کی رات کی نیند اُڑا دی تھی ، انھیں سکون ملتا تھا، تو اللہ کے حضور کھڑے ہونے سے! عات بھر سونے والے بلکہ رات کی سرحد پار کر کے سورج کے بیدار ہونے کے بعد تک سونے والے عبرت ونصیحت حاصل کریں۔

* * *

حضرت ابو العباس بن عطاء قدس سرہ

حضرت ابو العباس کا نام احمد بن محمد بن سہل بن عطاء ہے، حضرت ابو العباس اپنے زمانے کے بڑے عابد وزاہد اور صاحب ریاضت ومجاہدہ تھے، دن رات کے بیشتر اوقات میں مصروفِ عبادت رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے روحانی طاقت اور وقت میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی تھی، ان کا حال یہ تھا کہ شب وروز کی چوبیس ساعات میں صرف دو گھنٹے سوتے تھے، باقی سارا وقت عبادت، ذکر الٰہی اور مراقبہ میں گزرتا تھا، وہ ہر روز قرآن کریم کی ایک ختم تلاوت کرتے اور رمضان شریف میں ہر روز تین ختم پڑھتے، اس کے علاوہ ایک ختم کا اس طرح اہتمام تھا کہ اس کے معانی ومطالب، اس کے اسرار ورموز اور اس کے نکات ومعارف پر غور وتدبر کرتے، اس میں دس سال سے زیادہ مدت صرف ہوئی، اور ختم سے پہلے ہی ان کا وصال ہوگیا۔ چنانچہ وہ اپنے شاگرد سے خود فرماتے ہیں کہ اے ابو جعفر! مجھ پر کئی سال...... ان برسوں کو شمار کر کے بتایا بھی تھا...... اس طرح گزرے کہ میں ہر روز ایک ختم تلاوت کرتا تھا، اور اس میں کبھی ناغہ نہ ہوتا اور رمضان شریف میں ہر روز تین ختم کر لیتا تھا، اور ایک ختم چودہ سال سے اس طرح چل رہا ہے کہ ابھی نصف قرآن تک نہیں پہونچا ہوں، یہ تلاوت غور وتدبر اور معانی ومطالب کے اہتمام کے ساتھ تھی۔

آج کی دنیا کیلئے یہ بات بہت حیرتناک ہے، لیکن جب کی یہ بات ہے اس وقت اس پر کسی کو حیرت نہ تھی۔ لوگوں میں عبادت کا ذوق وشوق تھا، یہ ذوق وشوق اور یہ حسن نیت وہ خوبی ہے کہ حق تعالیٰ کی رحمت ونعمت اس پر بارش کی طرح موسلا دھار برستی ہے، دنیا داری اور اسباب پر اعتماد کے اس زمانے میں لوگوں کو کرنا تو درکنار تصور بھی مشکل ہے، عجب نہیں کہ وہ

انکار پر آمادہ ہو جائیں۔ مگر اے لوگو! انکار نہ کرو، تصدیق کرو، شاید اس تصدیق کی برکت سے تم کو بھی ان انعامات کا کچھ حصہ مل جائے۔

حضرت ابو العباس کے چند حکیمانہ اقوال وارشادات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) فرمایا کہ جو شخص سنت کے آداب کا التزام واہتمام کرتا ہے، اس کے قلب کو اللہ تعالیٰ معرفت کے نور سے منور اور آباد کرتے ہیں، اور اس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ومقام نہیں کہ آدمی اپنے محبوب ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کرے، ان کے حکموں میں بھی، ان کے کاموں میں بھی، ان کے اخلاق میں بھی اور ان کے آداب میں بھی!

(۲) ان سے پوچھا گیا کہ کون سی چیز ایسی ہے جس پر اللہ کی ناراضگی کے جلد آنے کا اندیشہ ہے، فرمایا اپنے آپ کو اور اپنے افعال کو اپنی نگاہ میں اہم جاننا۔

(۳) فرمایا کہ ولی کی علامتیں چار ہیں۔ (۱) اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان جو پوشیدہ چیز ہے اس کی حفاظت کرنا، یعنی اللہ کے ساتھ اس کے خصوصی احوال ہیں، انھیں لوگوں میں خود ظاہر نہ کرے۔ (۲) جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ہے، ان کے متعلق اپنے اعضاء کی حفاظت کرے۔ (۳) جو معاملات اس کے درمیان اور مخلوق کے درمیان ہوں ان میں ناگواریوں پر تحمل کرے۔ (۴) لوگوں سے ان کی عقلوں کے فرق کے مطابق گفتگو کرے۔

حضرت ابو العباس کا وصال سنہ ۳۰۹ھ میں ہوا۔

* * * * *

حضرت ابوبکر زقاق قدس سرہ

بغداد کے باشندے، صوفیہ کے بڑے مشائخ میں ان کا شمار ہے، انھوں نے عبادتِ الٰہی میں بڑے مجاہدات کئے ہیں، صاحب احوالِ عجیبہ وکراماتِ ظاہرہ تھے۔

یہ ان بزرگوں میں تھے، جو راتوں کے عبادت گزار ہیں، ان سے شیطان ڈرتا اور بھاگتا تھا، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ مادرزاد ننگا ہے، میں نے اس سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، کہ آدمیوں کے درمیان اس طرح برہنہ ہو؟ اس نے کہا حیرت ہے، کیا یہ لوگ تمہارے نزدیک آدمی ہیں؟ اگر یہ لوگ آدمی ہوتے تو میں ان کے ساتھ اس طرح کھلواڑ نہ کر پاتا، جیسے بچے گیند کے ساتھ کھیلتے ہیں، لیکن آدمی تو دوسرے ہی لوگ ہیں، میں نے پوچھا، وہ کون لوگ ہیں؟ بولا کہ مسجد شونیزی میں کچھ لوگ ہیں، انھوں نے میرے دل کو تھکا دیا ہے اور میرے جسم کو گھلا دیا ہے، میں جب بھی ان کا قصد کرتا ہوں، تو اللہ کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں جل جاؤں گا۔

حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میری آنکھ کھل گئی اور ابھی رات بقی تھی، میں نے کپڑے پہنے اور مسجد شونیزی کی جانب چل پڑا، میں مسجد میں داخل ہوا، تو وہاں تین بزرگ گریبان میں سر ڈالے ہوئے بیٹھے تھے، انھیں میرے آنے کا احساس ہوا، تو ایک صاحب نے سر اٹھایا اور فرمایا ابوالقاسم! کیا تم سے کچھ کہا جائے، اس کا اعتبار کرلو گے؟

معلوم ہوا کہ حضرت جنید کے خواب کا معاملہ ان بزرگوں پر منجاب اللہ منکشف ہو چکا تھا، اندازہ کرسکتے ہیں یہ تینوں بزرگ کس پائے کے ہوں گے؟ یہ تینوں بزرگ کون تھے جن کا یہ مقام ومرتبہ تھا، اس واقعے کے راوی ابوالحسن علی بن عبداللہ ہمدانی فرماتے ہیں

کہ ابوعبداللہ بن جابار نے فرمایا کہ یہ تین بزرگ جو مسجد میں مصروف ذکر الٰہی تھے ایک حضرت ابوحمزہ تھے، دوسرے ابوالحسن نوری تھے، تیسرے حضرت ابوبکر زقاق تھے۔

حضرت ابوبکر زقاق فرمایا کرتے تھے کہ میں ستّر سال سے فقر ودرویشی کا تجربہ کررہا ہوں، اگر کوئی شخص فقر ودرویشی اختیار کرے، اور ساتھ میں ورع وتقویٰ کو مضبوط نہ پکڑے تو حرام کھانے میں ضرور مبتلا ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ تصوف وسلوک اور فقر ودرویشی کے ساتھ ورع وتقویٰ ضروری ہے، ورنہ نفس انسانی اسی فقر ودرویشی کی راہ سے اسے حرام میں ڈال کر رہے گا۔ نفس کی لگام تقویٰ ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ ہی عبادت کا خلاصہ ہے، حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اتق المحارم تکن أعبد الناس، حرام چیزوں سے بچو، تم سب سے بڑے عبادت گزار ہوگے۔

حضرت ابوبکر زقاق کے مریدوں اور شاگردوں میں ایک بزرگ ابوالادیان نامی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے استاذ ومرشد حضرت ابوبکر زقاق کے ہمراہ تھا، ایک نوعمر خوبصورت لڑکا گزر رہا تھا، میں اسے دیکھنے لگا، میرے استاذ نے میری یہ حرکت دیکھ لی، فرمایا اسے میرے بیٹے! تم اس کا انجام دیکھوگے، اگرچہ ایک مدت کے بعد ہو، میں بیس سال تک اس کے انجامِ بد پر غور کرتا رہا کہ دیکھیں تو کیا ہوتا ہے؟ پھر ایک رات میں سویا اور میں سوچ رہا تھا، جب صبح ہوئی تو سارا قرآن میرے سینے سے نکل گیا تھا۔ اللہ اکبر! بدنظری کا یہ انجام ہوا، أعاذنا اللہ من خائنۃ الاعین وماتخفی الصدور (تاریخ بغداد)

☆☆☆☆☆

حضرت ابوبکر بن عبد الرحمٰن علیہ الرحمہ

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے، بہت پرہیزگار اور شب بیدار و عبادت گزار تھے، کثرت عبادت اور دنیا سے انقطاع کی وجہ سے انھیں ”راہب قریش“ کہا جاتا تھا، حضرت زبیر بن بکار فرماتے ہیں کہ یہ ”راہب مدینہ“ بھی کہے جاتے تھے۔

صحابۂ کرام میں حضرت ابو مسعود انصاری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

بہت محتاط اور متقی تھے، یک بار کسی شخص نے ان کے پاس اپنا مال بطور امانت رکھا، کسی حادثہ میں وہ مال ضائع ہوگیا، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فتویٰ دیا کہ آپ کے ذمے اس کا تاوان نہیں ہے، انھوں نے فرمایا کہ ہاں مجھے معلوم ہے، لیکن کسی کا منہ کون بند کرے گا، قریش کے لوگ کہتے پھریں گے کہ میرے پاس امانت ضائع ہوگئی، انھوں نے اپنا مال فروخت کرکے وہ امانت ادا کی۔ اخیر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی، ۹۴ھ میں وصال ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت محمد بن کعب قرظی قدس سرہ

حضرت محمد بن کعب یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنو قریظہ سے تعلق رکھتے تھے، اس قبیلہ نے غزوۂ خندق کے موقع پر نبی کریم ﷺ سے بڑی خطرناک بدعہدی کی تھی، حق تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی کہ یہ اپنے ناپاک منصوبوں میں کامیاب نہیں ہوئے۔ غزوۂ خندق میں جب کفار ناکام بھاگ گئے اور رسول اللہ ﷺ کو ایک طویل اور سخت جنگ سے فرصت ہوئی، تو آپ گھر تشریف لاکر ہتھیار اتارنے جارہے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، اور فرمایا کہ قریظہ سے نمٹ لیجئے، پھر ہتھیار اتاریئے۔ حضرت ہتھیار بند باہر تشریف لائے اور صحابہ کو حکم دیا کہ بعجلت ممکنہ قریظہ تک پہونچو۔ کئی دنوں کے محاصرے کے بعد وہ مشہور صحابی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہوئے، حضرت سعد جو پہلے ان کے حلیف انھوں نے فیصلہ کیا کہ ہر جنگ کے قابل افراد کو قتل کردیا جائے، ان کی عورتیں باندی بنالی جائیں۔

اس وقت کعب کمسن تھے، وہ قتل سے بچالئے گئے، بعد میں وہ کوفہ منتقل ہوگئے، حضرت محمد کوفہ میں پیدا ہوئے، امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت قتیبہ سے سنا کہ محمد حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، بعد میں کعب انھیں مدینہ لے کر آگئے۔

حضرت محمد بن کعب بہت عبادت گزار تھے، قرآن کریم کی تلاوت بہت گوروتدبر اوراطمینان سے کرتے تھے، فرماتے تھے میں رات میں صبح تک سورۂ إذا زلزلت اور سورۃ القارعة باربار غور وفکر کے ساتھ پڑھتا رہوں، یہ تیز تیز قرآن پڑھنے سے زیادہ مجھے پسند ہے، حضرت محمد بن فضیل فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن کعب کے کئی مصاحبین تھے اور سب تفسیر قرآن کے ماہر تھے۔

حضرت محمد بن کعب بہت عبادت گزار اور اللہ سے ڈرنے والے تھے، ان کی کثرت عبادت اور کثرت گریہ سے متاثر ہو کر ایک روز ان کی ماں کہنے لگیں کہ اے میرے بیٹے! میں جانتی ہوں کہ جب تم بچے تھے، تب بھی بہت پاکیزہ تھے، اور جب بڑے ہوئے تب بھی بہت پاک وصاف ہو، اگر یہ بات مجھے معلوم نہ ہوتی، تو رات دن جو تمہارا حال رہتا ہے، میں سمجھتی کہ تم نے کوئی بہت بڑا اور مہلک گناہ کیا ہے۔

انھوں نے کہا: اے امی! مجھے یہ خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی گناہ میں کبھی دیکھا ہو، بس فرما دیا ہو، کہ جاؤ میں تمہیں نہیں بخشوں گا، نیز یہ بات بھی ہے کہ قرآن کریم کے مضامین جو بہت عجیب وغریب ہیں، مجھے اس طرح مشغول کر لیتے ہیں کہ رات ختم ہو جاتی ہے، اور میں انھیں مضامین میں کھویا رہتا ہوں۔

یہ تو عبادت اور قرآن میں غور وتدبر کا حال تھا، اس کے ساتھ دنیا سے بے رغبتی اور زہد وبے طمعی کا حال یہ تھا کہ ایک دن انھیں کہیں سے وافر مقدار میں مال مل گیا، کسی نے کہا کہ اپنی اولاد کے لئے اسے بچا کر رکھ لیجئے، فرمایا نہیں، میں اسے اپنے لئے اپنے رب کے پاس ذخیرہ بناؤں گا، اور اپنے بچوں کے لئے خداوند تعالیٰ کو ذخیرہ بناؤں گا۔ (یعنی میرے بچوں کے لئے خداوند تعالیٰ کافی ہیں)

حضرت محمد بن کعب نے فرمایا:

(۱) جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، تو اسے تین خوبیوں سے نوازتے ہیں۔ (۱) دنیا میں زہد، یعنی اس سے بے رغبتی، (۲) دین کی سمجھ، (۳) اپنے عیبوں پر نظر۔

(۲) فرمایا کہ اللہ کی توفیق سے محرومی کی علامت یہ ہے کہ جو چیز اچھی ہے وہ بری لگنے لگے، اور جو چیز بری ہے وہ اچھی لگے۔

(۳) فرمایا: اگر کسی کو ذکر الٰہی کے ترک کی اجازت ملتی، تو حضرت زکریا علیہ السلام کو ضرور ملتی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: آيَتُكَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا

رَمْزًا وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ (آل عمران:۴۱)

ترجمہ: تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا کوئی بات نہ کرسکو گے، اور اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرتے رہو۔

پس اگر کسی کو اجازت ملتی کہ وہ ذکر نہ کرے تو، تو حضرت زکریا کو ضرور اجازت ملتی۔ اسی طرح مجاہدین کو بھی اجازت ملتی، جو اللہ کے راستے میں جہاد کررہے ہوتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (انفال:۴۵) **ترجمہ**: اے ایمان والو! جب تمہاری مڈبھیڑ کسی لشکر سے ہو، تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

(**تشریح**) حضرت زکریا علیہ السلام نے بڑھاپے میں اولاد کی دعا کی تھی، جبکہ ان کی اہلیہ بانجھ بھی تھیں، حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، اور انھیں اطلاع دی کہ ان کے یہاں ایک فرزند تولد ہوگا۔ ارشاد ہے: فَنَادَتْهُ الْمَلٰئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِيْنَ (آل عمران:۳۹)

ترجمہ: زکریا اپنی عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی حالت میں فرشتوں نے انھیں آواز دی کہ اللہ آپ کو یحییٰ (کی پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے، وہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے، لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو شہوت سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے، نبی ہوں گے، اور صالحین میں شمار ہوں گے۔

انھیں جب یہ خوش کن اور عجیب بشارت ملی، تو وہ حیرت میں پڑ گئے کہ یہ بڑھاپا اور عورت کی یہ معذوری، پھر حق تعالیٰ کی بشارت، جو ہر یقینی سے بڑھ کر یقینی! پھر دعا کی قبولیت کی خوشی بھی، یقین، خوشی اور حیرت کی ملی جلی کیفیت میں انھوں نے سوال کیا، یہ سوال بھی ہے، اظہارِ مسرت بھی ہے، جذبۂ شکر گزاری بھی ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَايَشَآءُ ۔ **ترجمہ**: عرض کیا، یارب میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپا آپہونچا ہے، اور میری بیوی بھی بانجھ ہے، فرمایا: اسی طرح! اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

بشارت پر یقین تو ہے ہی، لیکن یہ حیرت فزا معاملہ کب ہوگا؟ اس کے لئے انھوں نے چاہا کہ کوئی نشانی عطا ہوجاتی، تو مزید کرم ہوتا۔ انھوں نے درخواست پیش کردی قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ آيَةً ، پروردگار میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے، اس پر ارشاد ہوا آيَتُكَ اَنْ لَّا تُكَلِّمَ النَّاسالخ تمہاری نشانی یہ ہے کہ بغیر کسی بیماری اور علت کے از خود تمہاری زبان تین روز تک گفتگو کرنے سے بند ہوجائے گی، ظاہر ہے کہ جب گفتگو پر زبان کو قدرت نہ ہوگی تو ذکر کلمات بھی زبان سے ادا نہ ہوسکیں گے، لیکن حق تعالیٰ نے ذکر کے لئے زبان کو اذن تکلم دے دیا۔ اسی کو حضرت محمد بن کعب نے فرمایا کہ اگر ذکر سے کسی کو رخصت مل سکتی، تو حضرت زکریا علیہ السلام کو جب تین روز کے لئے تکلم سے زبان بند کردی گئی تھی، تو ذکر پر بھی نہ کھلتی، مگر زبان پر ذکر کثیر جاری کرنے کا حکم دیا گیا۔

اسی طرح جنگ کا موقع بہت نازک ہوتا ہے، اگر ذکر کی رخصت کی گنجائش ہوتی، تو بحالت جنگ ضرور ملتی، مگر جنگ میں جہاں ثابت قدمی کا حکم ہوا، وہیں ذکر کثیر کا بھی حکم ہوا، اس سے ذکر الٰہی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فرمایا: دنیا رنج وقلق کی جگہ ہے، جو خوش بخت ہیں اس سے اعراض کرتے ہیں، اور بدبختوں کے ہاتھ سے چھین لی جاتی ہے۔ سب سے بڑا بدبخت وہ ہے، جس کو اس سے رغبت ہوتی ہے، اور سب سے بڑا خوش بخت وہ ہے جو اس سے بے رغبت ہے، جو اسے ضائع کرتا ہے اس کے حق میں گمراہ کن ہے، جو کوئی اس کے پیچھے چلتا ہے، اس کی اس میں ہلاکت ہے، جو اس کی اطاعت کرتا ہے اس کے ساتھ خیانت کرتی ہے، اس کا علم، جہل ہے، اس کی مالداری، فقر واحتیاج ہے، اس کا زیادہ ہونا نقصان ہے، اور اس کے شب وروز ادھر سے ادھر ہوتے رہتے ہیں۔

’’بدبختوں کے ہاتھ سے چھین لی جاتی ہے‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ جو اس کے لئے مرتے کھپتے ہیں، انھیں ملتی تو ضرور ہے، مگر پھر چھین لی جاتی ہے، کبھی اس طرح کہ زندگی میں ہی چھین جاتی ہے، کبھی اس طرح کہ آدمی سب کچھ یہیں چھوڑ کر چل دیتا ہے، اور اس کی بدبختی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

’’جو اسے ضائع کرتا ہے اس کے حق میں گمراہ کن ہے‘‘ یعنی جس دنیا کو اس کے مقصد یعنی آخرت کی تیاری میں نہیں صرف کیا اسے اس نے سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔

’’جو کوئی اس کے پیچھے چلتا ہے، اس کی اس میں ہلاکت ہے‘‘ یعنی دنیوی خواہش کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، ہر خواہش پوری کرنا چاہتا ہے وہ یقیناً مصیبت اور ہلاکت میں پڑتا ہے۔

’’اس کی اطاعت کرتا ہے اس کے ساتھ خیانت کرتی ہے‘‘ دنیا کا حکم خود غرضیوں کا ہے، خیانت ہے کہ اس کی غرض ہمیشہ اٹکتی رہتی ہے، کبھی خود غرضی پوری نہیں ہوتی۔

’’اس کا علم جہل ہے‘‘ دنیا سے متعلق جتنی معلومات ہیں، وہ انسان کی عاقبت اور آخرت کے لحاظ سے جہالت ہی ہے، کیونکہ دنیا کا علم اسے آخرت کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔

’’اس کی مالداری فقر و احتیاج ہے‘‘ سعدی صاحبؒ فرماتے ہیں: آنانکہ غنی ترند محتاج ترند، جو زیادہ غنی ہیں، وہ زیادہ محتاج ہیں۔

’’اس کا زیادہ ہونا نقصان ہے‘‘ واقعی دنیا اور سامانِ دنیا کی زیادتی عموماً آخرت کے نقصان کا باعث بنتی ہے۔

’’اس کے شب و روز ادھر سے ادھر ہوتے رہتے ہیں‘‘ دنیا کا یہی دستور ہے، کبھی اس کے پاس ہے اور کبھی اس کے پاس، کس کے پاس مستقل نہیں رہتی۔

۱۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ (صفۃ الصفوۃ، تاریخ الاسلام، البدایہ والنہایۃ)

☆☆☆☆☆

حضرت ابوعمرو بن حماس قدس سرہ

ان کا نام یوسف بن یونس ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ یونس بن یوسف ہے۔

حضرت ابوعمرو بہت عابد وزاہد اور تہجد گزار تھے، رات رات بھر نمازیں پڑھا کرتے تھے، ابتداء عمر میں عورتوں کو گھورنے کا جذبہ دل میں بہت اشتعال پیدا کرتا تھا، اس کے لئے وہ بے قرار ہوجاتے تھے اور بدنظری میں گرفتار ہوجایا کرتے تھے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یونس بن یوسف بڑے عبادت گزار تھے، یا یہ فرمایا کہ بہت صالح انسان تھے، ایک روز شام کو وہ مسجد سے آرہے تھے، راستے میں ایک عورت انھیں ملی اور دل میں اس کا خیال جم گیا، انھوں نے دعا کی، کہ

> ”اے اللہ! آپ نے میری آنکھ کو میرے لئے نعمت بنایا ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھ پر عذاب بن رہی ہے، تو اسے آپ لے لیجئے۔“

یہ دعا کی تھی کہ نابینا ہوگئے، اب ان کا ایک بھتیجا انھیں مسجد لے کر جاتا تھا، ایک کھمبے کے پاس انھیں وہ پہونچادیتا، پھر وہ بچوں کے ساتھ کھیلنے لگتا، اگر انھیں کوئی ضرورت ہوتی تو اسے بلاتے، وہ آجاتا، ایک دن وہ چاشت کے وقت مسجد میں تھے، انھیں شکم میں کچھ تکلیف محسوس ہوئی اور اجابت کا تقاضا ہوا، انھوں نے بچے کو بلایا، مگر وہ کھیل کی مشغولیت کی وجہ سے توجہ نہ کرسکا، انھیں اندیشہ ہوا کہ کپڑا بگڑ نہ جائے، اب دعا کی:

> ”اے اللہ! آپ نے میری آنکھ کو میرے لئے نعمت بنایا تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مجھ پر عذاب بن رہی ہے، تو میں نے دعا کی اور آپ نے لے لی، اور اس وقت میرے سامنے رسوائی کا مسئلہ ہے تو اسے واپس فرمادیجئے۔

یہ دعا کی، اور ان کی بینائی لوٹ آئی اور وہ چل کر گھر آگئے، امام مالک فرماتے

ہیں کہ میں نے انھیں نابینا بھی دیکھا ہے اور بینا بھی!

اس کے بعد وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے تھے، اگر کسی عورت کا احساس ہوتا، تو ہرگز اس پر نگاہ نہ ڈالتے۔

اللہ اکبر! تقویٰ کی یہ شان! اور اللہ کی یہ مہربانی! دعا کی اور منظور فرمائی، آنکھ چلی گئی، پھر دعا کی قبول ہوئی، اور بینائی لوٹ آئی جَلَّ جَلَالُہٗ۔

(صفة الصفوة، ص: ۳۴۲، تقریب التهذیب، تهذیب التهذیب)

☆☆☆☆☆

حضرت محمد بن منکدر ر قدس سرہ

مدینہ طیبہ میں تین بھائی تھے، اور تینوں نہایت عابد وزاہد، علم وعمل میں کامل اور حق تعالیٰ کے حضور نہایت خاشع وخاضع، اہل مدینہ میں نہایت مقبول اور نیک نام! یہ تین بھائی محمد اور ابوبکر اور عمر تھے، ان کے والد کا نام منکدر تھا، ان کی نیک نامی کا یہ حال تھا، کہ حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں سعید بن عامر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص دیہات کا رہنے والا مدینہ منورہ آیا، وہ کچھ دن مدینہ میں رہ کر جب واپس ہوا، تو کسی نے دریافت کیا، کہ تم نے اہل مدینہ کو کس حال میں دیکھا، اس نے کہا بہت اچھے حال میں، اور اگر تم سے ہوسکے تو منکدر کے بیٹوں کے خاندان میں شامل ہوجاؤ، اس نے یہ اس لئے کہا کہ مدینہ منورہ میں ان کے تینوں بیٹوں کی بہت تعریف سنی تھی ورنہایت مقبولیت دیکھی تھی۔

حضرت منکدر، ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قریبی رشتہ دار تھے، ایک بار وہ حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے دریافت کیا کہ تمہاری کوئی اولاد ہے؟ انھوں نے کہا نہیں، فرمایا کہ اگر میرے پاس دس ہزار بھی درہم ہوتے تو میں تمہیں ہبہ کردیتی، ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ ان کے پاس دس ہزار درہم آگئے، فرمانے لگیں کہ کتنی جلدی امتحان میں پڑگئی، پھر انھوں نے وہ پوری رقم منکدر کے پاس بھیج دی، انھوں نے ایک باندی خریدی، یہی باندی ان کے تینوں بیٹوں کی ماں ہوئی۔

حضرت محمد بن منکدر ر عبادت گزار بھی تھے اور صاحب گریہ وزاری بھی، ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے یا سنتے یا پڑھتے، تو اپنے گریہ کو ضبط نہیں کرسکتے تھے، بے اختیار روپڑتے، امام مالک علیہ الرحمہ انھیں ''سیّد القراء'' کہا

کرتے تھے۔

حضرت بن عیینہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات جب وہ رات میں نماز کے لئے اٹھتے ، تو فرماتے کہ کتنی آنکھیں اپنی بیماری اور تکلیف کی وجہ سے بیدار ہوں گی۔

بات یہ تھی کہ ان کا ایک پڑوسی بہت بیمار تھا، وہ تکلیف کی شدت میں زور زور سے چیخا کرتا تھا، اس وقت حضرت محمد بن منکدر باآواز بلند اللہ کی حمد وثنا کرتے تھے، کسی نے اس عمل کے بارے میں ان سے دریافت کیا، تو فرمایا کہ وہ اپنی تکلیف کو باآواز بلند ظاہر کرتا ہے تو میں اللہ کی نعمتوں اور احسانات کو پکار کر کہتا ہوں۔

ایک رات حضرت محمد بن منکدر تہجد پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان پر گریہ طاری ہوا، ایسا گریہ جو تھمنے کا نام نہ لیتا تھا، وہ مسلسل رو رہے تھے، ان کی کثرت گریہ کی وجہ سے گھر والے گھبرا گئے، وہ انھیں خاموش کرنے کی کوشش میں لگ گئے، اور اتنا زیادہ رونے کی وجہ دریافت کرنے لگے، مگر وہ کچھ بول نہ سکے، رونا تھم ہی نہ رہا تھا، گھر والوں نے مشہور تابعی بزرگ حضرت ابو حازم کو بلایا اور ان سے سارا حال بتایا، حضرت ابو حازم کو انھوں نے دیکھا تو قدرے افاقہ ہوا۔ انھوں نے پوچھا کیا بات ہے کہ اس قدر رو رہے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ پڑھتے پڑھتے ایک آیت آ گئی، اس سے میں گھبرا گیا، پوچھا کون سی آیت؟ فرمایا: وَبَدَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَالَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ (الزمر:۴۷) اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات آئی جس کا انھیں وہم بھی نہ تھا۔ یہ سن کر ابو حازم بھی رو پڑے، اور پھر دونوں بڑی شدت سے روئے، گھر والوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو اس لئے بلایا تھا کہ آپ تسلی کریں گے، مگر آپ نے تو کچھ اور ہی بڑھا دیا۔

واقعی بہت خوف کا مقام ہے، کہ آدمی دنیا میں بہت سارے کام کرتا ہے، اور اسے خیال بھی نہیں آتا کہ کل کو اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ کریں گے، بلکہ وہ اپنا عمل اچھا ہی سمجھتا ہے، لیکن کل میدان قیامت میں اگر فیصلہ جہنم اور سزا کا ہو گیا، تو اس وقت رنج وغم اور حسرت وافسوس کا کا عالم ہوگا، بس خون کے آنسو روئے گا، مگر وہ بھی کام نہ آئے گا۔ وَبَدَالَهُمْ مِّنَ

اللهِ مَالَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ

حضرت محمد بن منکدرؒ انتقال کے وقت بہت بے چین تھے، کسی نے پوچھا حضرت کیا بے چینی ہے؟ اس وقت بھی یہی فرمایا کہ کتاب اللہ کی ایک آیت کا خوف ہے، اور یہی آیت پڑھی وَبَدَالَهُمْ مِّنَ اللهِ مَالَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۔ فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ نہ ہو، کہ جس بات کا مجھے وہم نہ ہو وہی معاملہ حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے پیش آجائے مشہور بزرگ حضرت صفوان بن سلیم محمد بن منکدرؒ کے پاس ان کے انتقال کے وقت پہونچے، انھوں نے ان کا اضطراب دیکھ کر فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں، موت آپ کے لئے مشکل پڑ رہی ہے، پھر وہ مسلسل انھیں تسلی دیتے رہے، اور امید کی باتیں کرتے رہے، تھوڑی دیر کے بعد انھیں انشراح ہوا، اور ان کا چہرہ ایسا چمک اٹھا جیسے اس میں چراغ روشن ہوں، پھر انھوں نے فرمایا: اگر آپ ان نعمتوں کو ملاحظہ فرماتے جن میں ہوں، تو آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی، اس کے بعد انتقال کر گئے۔

فرماتے ہیں کہ، میں نے اپنے نفس کے ساتھ چالیس سال مجاہدہ کیا ہے تب یہ سیدھا ہوا۔

فرماتے ہیں کہ، میں رات میں داخل ہوتا ہوں، تو وہ مجھے بڑی اور بھاری معلوم ہوتی ہے، لیکن جب میں مشغول ہوتا ہوں، تو صبح ہو جاتی ہے اور میری طبیعت عبادت سے آسودہ نہیں ہو پاتی۔

حضرت ابراہیم بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن منکدرؒ کو مسجد کے اگلے حصے میں نماز پڑھتے دیکھا، جب وہ فارغ ہوئے، تو تھوڑی دور چلے، پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے اور ہاتھ پھیلا کر دعائیں کرنے لگے، پھر قبلہ کی طرف سے واپس ہوئے، لیکن ہاتھ پھیلائے ہی رہے اور دعائیں کرتے رہے، اور اسی حال میں مسجد سے باہر اس طرح نکلے جیسے کہیں سے رخصت ہونے والا عمل کرتا ہے۔

وہ اپنی والدہ کے بڑے خدمت گزار تھے، خود ہی فرماتے ہیں کہ ایک شب

میرے بھائی عمر رات بھر نماز پڑھتے رہے، اور میں رات بھر ماں کے پاؤں دباتا رہا اور مجھے ذرا بھی اس کی آرزو نہیں کہ میری یہ رات ان کی اس رات کے عوض میں دے دی جائے، ماں کے سامنے ان کے تواضع ومسکنت کا حال یہ تھا کہ وہ اپنا ایک رخسار زمین پر رکھ دیتے اور ماں سے کہتے کہ اپنا قدم دوسرے رخسار پر رکھ دیجئے۔

اس عبادت ومسکنت کے ساتھ ہی وہ بہت سخی اور فیاض بھی تھے، حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد بن منکدر سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل آپ کو محبوب ہے؟ فرمایا کہ مومن کو خوش کرنا، پوچھا گیا کہ آپ کے لئے کون سی لذت باقی ہے؟ کہا کہ بھائیوں پر مال خرچ کرنا۔

حضرت ابومعشر کہتے ہیں کہ محمد بن منکدر نے حضرت صفوان بن سلیم کے پاس چالیس اشرفیاں بھیجیں، پھر اپنے بیٹوں سے فرمایا: بیٹو! اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس نے صفوان کو رب تعالیٰ کی عبادت کے لئے فارغ کردیا ہے۔

ان بزرگوں کا حال بھی عجیب ہے، ہر عمل قابل تقلید، ہر نیت اسوۂ حسنہ، ہر بات میزانِ شرع پر پوری، ہر حال محبت الٰہی میں ڈوبا ہوا، اور ہر وقت خوفِ الٰہی سے لرزاں وترساں!

ارادہ کی خوبی ملاحظہ ہو، ان کے ایک صاحبزادے کا نام منکدر ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے والد اپنے بیٹوں کو حج میں لے گئے، کسی نے پوچھا کہ آپ انھیں کیوں لائے ہیں ، فرمایا انھیں اللہ کے حضور پیش کروں گا۔

علامہ ذہبیؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت محمد بن منکدر کے پاس ایک امانت رکھی گئی، انھوں نے صاحب امانت سے پوچھ لیا کہ میں اسے خرچ کرسکتا ہوں؟ جب ضرورت ہوگی میں تمہیں لوٹا دوں گا، اس نے اجازت دے دی، کچھ دنوں کے بعد وہ آیا اور اپنا مال طلب کیا، انھوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی، پھر یوں دعا کی: **یاساد الھواء بالسماء ویاکابس الارض علی الماء ویاواحد قبل کل احد وبعد کل احد ادعنی**

امانتی ۔ اے وہ ذات جس نے آسمان کے ذریعے فضا کو بند کر رکھا ہے اور زمین کو پانی پر تھام رکھا ہے، اے وہ واحد ذات جو ہر ایک سے پہلے ہے اور ہر ایک کے بعد ہے، میری امانت ادا کر دیجئے۔

یہ دعا ختم ہوئی تو ایک آواز آئی، یہ لو اور اپنی امانت ادا کرو۔ پھر انھوں نے اس کو دیکھا تو وہ سو اشرفیاں تھیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگی، اپنا ارادہ، اپنی خواہشیں، اپنا جذبہ سب کچھ اللہ کے لئے فنا کر دیا، تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ نوازش ہے، کہ بات منہ سے نکلی اور قبولیت کا دروازہ کھلا، **اللھم اجعل فی زمرتھم** سنہ ۱۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

☆☆☆☆☆

حضرت عمر بن المنکدر رقدس سرہ

حضرت محمد بن منکدرؒ کے بھائی ہیں، اور عبادت وریاضت میں انھیں کے مثیل وقرین ہیں، پوری رات نماز میں مشغول رہنا ان کا بھی معمول تھا۔

ان کی والدہ نے ان سے ایک بار کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ کبھی رات میں تمھیں سوتا ہوا بھی دیکھوں، انھوں نے کہا: میری امی! جب رات آتی ہے تو مجھے بڑی معلوم ہوتی ہے، لیکن پڑھنا شروع کرتا ہوں، تو جی بھرتا بھی نہیں اور رات ختم ہو جاتی ہے۔

صفۃ الصفوۃ میں ہے کہ سالم ابو بسطام فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن منکدرؒ، رات کو سوتے نہیں تھے اور بہت زیادہ روتے تھے، ان کا یہ نہ سونا اور بہت رونا، ان کی ماں پر بہت بھاری پڑتا تھا، انھوں نے ان کے بھائی محمد سے کہا کہ جو کچھ عمر کرتے ہیں مجھ پر بھاری پڑتا ہے، اگر اس مسئلے پر تم ان سے بات کرتے تو بہتر ہوتا، وہ حضرت ابو حازم کو بلا لائے، پھر دونوں نے ان سے کہا کہ تمہارا جاگنا والدہ کے اوپر بڑا بھاری پڑتا ہے، انھوں نے پوچھا پھر میں کیا کروں؟ جب رات آتی ہے تو مجھ پر ہول طاری ہو جاتا ہے، پھر میں قرآن پڑھنا شروع کرتا ہوں، مگر پوری رات میرا جذبۂ تلاوت آسودہ نہیں ہوتا، انھوں نے کہا اور یہ تمہارا رونا؟ بولے کہ قرآن کریم کی ایک آیت رلاتی ہے، پوچھا وہ کون سی؟ بولے: وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللهِ مَالَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ (الزمر:۴۷) اور ان کے لئے حق تعالیٰ کی جانب سے وہ بات ظاہر ہوئی، جس کا انھیں وہم بھی نہ تھا۔

غور کیجئے، دونوں بھائیوں کے واقعات میں کتنی مماثلت ہے، ان کے ایک بھائی اور تھے، ان کا نام ابوبکر تھا، یہ تینوں بھائی زہد وعبادت میں باہم ہم مثل تھے کہ فرق کرنا مشکل تھا۔

چنانچہ یحییٰ بن بکیر فرماتے ہیں، محمد، ابوبکر اور عمر تینوں منکدر کے بیٹے تھے، یہ تمیز کرنا مشکل تھا کہ کون افضل ہے، شب بیداری اور تہجد گزاری کے اہتمام کے علاوہ دنیا اور حطام دنیا سے وہ بے رغبتی تھی کہ گویا دنیا چھو کر نہ گذری تھی، عبدالرحمٰن بن حفص قریشی کے حوالے سے علامہ ابن جوزی صفۃ الصفوۃ میں ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

”وقت کے کسی امیر المومنین نے عمر بن منکدر کے پاس مال کی ایک مقدار بھیجی، قاصد نے وہ مال ان کے سامنے ڈھیر کر دیا، وہ اسے دیکھ کر رونے لگے، ان کے بھائی ابوبکر آئے، انھوں نے بھائی کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے، پھر محمد آئے، وہ بھی بیٹھ کر رونے میں شریک ہو گئے، پھر رونے کا یہ حال بڑھتا چلا گیا، حتیٰ کہ قاصد جو مال لے کر آیا تھا وہ بھی رونے لگا، پھر اس نے یہ خبر مال بھیجنے والے کے پاس بھیجی، اس نے مدینہ کے مشہور امام ربیعۃ الرائے کو حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا، حضرت ربیعہ آئے، انھوں نے پہلے محمد سے بات کی، انھوں نے کہا عمر سے پوچھئے، حقیقت حال سے وہی زیادہ واقف ہیں، انھوں نے ان سے پوچھا کہ اے میرے بھائی! امیر کے عطیے میں کیا بات تھی کہ آپ اس قدر روئے؟ فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں دنیا میرے قلب پر اتنی نہ چھا جائے کہ اس میں آخرت کا کوئی حصہ نہ باقی رہے، یہی سوچ کر مجھے رونا آیا، پھر انھوں نے حکم دیا، اور سارا مال مدینہ کے غرباء میں تقسیم کر دیا گیا، حضرت ربیعۃ الرائے نے امیر کے پاس آکر یہ خبر سنائی، وہ بھی رونے لگا اور بولا کی خدا کی قسم اہل خیر ایسے ہوتے ہیں۔

رحمہ اللہ

☆☆☆☆☆

حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ قدس سرہ

حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن مغیرہ، فقیہ مدینہ ''ابن ابی ذئب'' کے نام سے مشہور ہیں، علامہ ذہبی نے انھیں ثقہ، فاضل، حق کا اظہار کرنے والے اور بارعب لکھا ہے۔

مشہور صاحب مغازی محمد بن عمر الواقدی جو ابن ابی ذئب کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ ان کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، وہ بہت متقی اور پرہیزگار تھے، وہ پوری رات نماز میں مشغول رہا کرتے تھے، ان کے بھائی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک افطار کرتے تھے، انھیں دنوں ملک شام میں زلزلہ آیا۔ ایک آدمی ملک شام سے آیا اور اس حادثہ کی اس نے تفصیلات سنائیں، وہ دن ان کے افطار (روزہ نہ رکھنے) کا تھا، میں نے ان سے کہا کہ چلئے کھانا کھا لیجئے، فرمایا کہ آج رہنے دو، پھر اس دن سے مرتے دم تک بغیر ناغہ کے روزہ رکھا، (بجز ان دنوں کے جن کا روزہ ممنوع ہے)

حضرت ابن ابی ذئب تنگدست تھے، رات کا کھانا ان کا روٹی اور زیتون کا تیل ہوتا، پہننے کے لئے صرف ایک کُرتا اور ایک جبہ تھا، اسی میں گرمی اور جاڑا بسر کرتے، بہت نڈر اور حق گو تھے۔ واقدی کہتے ہیں کہ وہ جمعہ کی نماز کے لئے بہت سویرے مسجد میں پہونچ جاتے تھے اور مسلسل نمازیں پڑھتے رہتے، تا آں کہ امام آجائیں۔

ایک مرتبہ وہ کسی ضرورت سے مدینہ کے گورنر عبدالصمد کے پاس گئے، اس سے کسی مسئلے پر گفتگو کی، اس نے کہا کہ میں آپ کو ریاکار سمجھتا ہوں، انھوں نے زمین سے کوئی تنکا یا کچھ اور اٹھایا، اور فرمایا کسے دکھاوا کروں گا، خدا کی قسم میرے نزدیک لوگوں کی اتنی بھی اہمیت نہیں ہے جتنی اس تنکے کی ہے۔

اللہ اکبر! جس شخص کا حال یہ ہو کہ مخلوق کی اس کے نزدیک کوئی قیمت نہ ہو، وہ ریا کاری کس کے لئے کرے گا، ریا کاری کرنے والے کی نگاہ تو اللہ رب العزت سے ہٹ کر مخلوق کی اہمیت پر جمی ہوتی ہے، جبھی تو اس کے واسطے ریا کاری کرتا ہے۔

ایک بار عباسی خلیفہ مہدی حج کے سفر میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ مسجد نبوی میں داخل ہوا تو اس میں موجود تمام لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے ہوگئے، صرف ابن ابی ذئب نہیں اٹھے، ان سے کسی نے کہا کہ اٹھئے یہ امیر المومنین ہیں، فرمایا: **إنما يقوم الناس لرب العالمين**، لوگ محض رب العالمین کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ مہدی نے کہا انھیں چھوڑو، ان کی بات سن کر میرے سر کے تمام بال کھڑے ہوگئے۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابن ابی ذئب ایک خلیفہ عباسی منصور کے دربار میں گئے، وہاں بھی سچی بات کہنے سے نہ چوکے، انھوں نے اس سے برملا فرمایا کہ تمہارے دروازے پر ظلم نمایاں ہے، اور معلوم ہے کہ خلیفہ منصور کیسا جابر تھا۔

یہی خلیفہ منصور ایک بار حج کرنے پہونچا، اس سال حج میں ابن ابی ذئب اور امام مالک بھی تھے، اس نے امام ابن ابی ذئب کو دار الندوہ میں بلایا، اور ان سے پوچھا کہ حسن بن زید بن حسن کا کیا حال ہے؟ وہ اس وقت مدینہ کے امیر تھے، فرمایا کہ وہ عدل وانصاف کا اہتمام کرتے ہیں، اس نے کہا میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ دو مرتبہ اس نے یہ بات دہرائی، فرمایا کہ اس گھر کے پروردگار کی قسم تم تو ظالم ہو، یہ سن کر اس کے حاجب ربیع نے ان کی داڑھی پکڑ لی، منصور بولا: اے ابن اللخناء (یہ ایک طرح کی گالی ہے) ٹھہرو، پھر اس نے ان کو انعام کا حکم دیا۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ ابن ابی ذئب، سیّد التابعین حضرت سعید بن مسیّب کے مشابہ تھے، امام صاحب سے سوال کیا گیا، ان کے جیسا ان کے دیار میں کوئی ہے؟ فرمایا کہ نہیں، نہ ان کے دیار میں اور نہ دوسری کسی جگہ۔

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ تھے، بہت صالح تھے، امر بالمعروف اور

نہی عن المنکر خوب کرتے تھے، خلیفہ مہدی انھیں بغداد لے گیا تھا، پھر وہ مدینہ لوٹ رہے تھے کہ کوفہ میں وقت موعود آپہونچا، ۱۵۹ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ابن ابی ذئب عبادت وریاضت میں بڑا مجاہدہ کرتے تھے، اتنا کہ اگر ان کواطلاع دی جاتی کہ کل قیامت ہے تو انھیں مزید مجاہدہ کرنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ **رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔**

(تاریخ الاسلام للذہبی، صفۃ الصفوۃ، سیر اعلام ا لنبلاء)

☆☆☆☆☆

حضرت محمد بن یوسف بن معدان قدس سرہ

الزاھد ، العابد، القدوۃ ابو عبد اللہ الاصبھانی عروس الزھاد

اصفہان کے بڑے عبادت گزاروں میں ان کا شمار ہے، حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمہ نے ان کا لقب عروس الزہاد (زاہدوں کے دولہا) رکھا تھا، وہ ان سے بہت محبت رکھتے تھے، اوران کا بڑا اکرام کرتے تھے، حضرت یحییٰ بن سعید قطان مشہور محدث فرماتے تھے، کہ میں نے محمد بن یوسف سے بہتر آدمی نہیں دیکھا، وہ فرماتے تھے کہ اگر تم محمد بن یوسف کو دیکھو، تو ان کی حالت سے ایسا محسوس ہوگا کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے موت کو دیکھ رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک علیہ الرحمہ ایک مرتبہ دار الاسلام کے سرحدی علاقے میں بہ نیت جہاد تشریف لیجانے والے تھے، انھوں نے ایک واقف کار شخص سے دریافت کیا کہ میں سرحد جارہا ہوں مجھے وہاں کسی افضل ترین بزرگ کا پتہ بتاؤ، اس نے کہا کہ وہاں محمد بن یوسف اصبہانی سے ضرور ملئے گا، انھوں نے دریافت کیا کہ وہ کہاں رہتے ہیں؟ کہا کہ مصیصہ میں، اور ساحلی علاقے میں بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن مبارکؒ مصیصہ پہونچے، اوران کے متعلق لوگوں سے دریافت کیا، مگر کوئی نہ بتاسکا، فرمایا کہ یہ تمہاری فضیلت کی بات ہے کہ باوجود تمہارے فضل وکمال کے تمہیں کوئی نہیں جانتا۔

اور وہ اس کا بھی اہتمام کرتے تھے کہ لوگ انھیں نہ پہچانیں، حضرت عطاء بن مسلم حلبی ایک بزرگ عالم ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ محمد بن یوسف بیس سال تک میرے پاس مسائل دریافت کرنے کے لئے آتے رہے، مگر جب آتے تو بجائے اپنے تعارف کے صرف اتنا کہتے کہ ایک مسافر اور اجنبی آدمی آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے، ایک دن انھیں مسجد میں دیکھا، تو مجھے بتایا گیا کہ یہ محمد بن یوسف ہیں، مجھے حیرت ہوئی کہ یہ صاحب تو میرے پاس

بیس سال سے آتے جاتے ہیں، مگر میں نے آج انھیں جانا۔

یہ بصرہ میں رہتے تھے، ایک خاتون کا مکان انھوں نے لے رکھا تھا، رات کو اسی میں رہا کرتے تھے، عشاء کے بعد اس میں جاتے اور فجر کے لئے نکلتے، رات کے کھانے سے بے نیاز تھے، وہ خاتون کہتی ہیں کہ گھر کے کمرے میں وہ داخل ہوتے اور دروازہ بند کر لیتے۔ میں ایک رات ادھر سے گزری، تو دیکھا کہ اس میں ایک چراغ روشن ہے، حالانکہ گھر میں کوئی چراغ نہ تھا، انھیں میرے یہ حال دیکھ لینے کا احساس ہوگیا، پھر جو دوسرے دن وہاں سے نکلے تو پھر کبھی نہ آئے۔

اسی لئے وہ ایک دکان سے روٹی اور ترکاری نہ خریدتے، کبھی کسی دکان سے کبھی کسی دکان سے لیتے، فرماتے کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے پہچان جائیں، پھر میری محبت میں رعایت شروع کردیں، اور میری معاش میں میرے دین کا دخل ہو جائے۔

مشہور محدث حضرت عبد الرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن یوسف کو جاڑے میں بھی دیکھا ہے، اور گرمی میں بھی دیکھا ہے، وہ کبھی بستر پر پیٹھ نہیں لگاتے تھے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ محمد بن یوسف کے بھائی نے انھیں خط لکھا، کہ حکام کا ظلم بہت بڑھ گیا ہے، انھوں نے جواب میں لکھا:

”میرے بھائی! تمہارا خط ملا، تم نے اپنے حالات لکھے ہیں، جن سے تم گزر رہے ہو، خوب سمجھ لو کہ جو کوئی گناہ کے کام کا مرتکب ہوتا ہے، اسے اس کی سزا کا انکار نہیں کرنا چاہیئے، میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کے حالات گناہ کی نحوست کے اثرات ہیں۔“

ایک بار محمد بن یوسف مصیصہ میں ایک جنازہ کے ہمراہ قبرستان گئے، وہاں انھوں نے ابو اسحاق فزاری اور مخلد بن حسین کی قبریں دیکھیں، اور دیکھا کہ دونوں قبروں کے درمیان ایک قبر کی جگہ ہے، فرمایا کہ کاش ایک اور آدمی مرتا اور دونوں کے درمیان دفن کیا جاتا۔

اس واقعہ کے ابھی بمشکل دس دن گزرے ہوں گے کہ ان کا انتقال ہوا، اور وہیں دفن کئے گئے۔ ۱۸۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ عمر شریف ۴۰ سال سے کم تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن ابن القاسم قدس سرہ (مفتی وعالم مصر)

حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں، جن سے فقہ مالکی کی ترویج واشاعت ہوئی۔ استاذ کی خدمت میں مدتوں رہے، ان سے علم فقہ کے دقائق پوچھا کرتے تھے،، وہ بہت مالدار تھے اور تحصیل علم میں دل کھول کر مال صرف کرتے تھے، مصر کے رہنے والے تھے، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے تحصیل علم کے لئے بارہ مرتبہ حجاز کا سفر کیا ہے اور ہر سفر میں ایک ہزار دینار خرچ کیا ہے۔

مصر سے حجاز کی مسافت کا اندازہ لگایئے، پھر بارہ ہزار دینار کو سامنے رکھئے، ایک دینار کا وزن سات گرام کے قریب قریب ہے، تو بارہ ہزار دینار ۸۴؍ کیلو گرام سونا ہوا۔ اب آج کی قیمت سے اندازہ کرلیجئے۔

امام مالک کے ایک اور خصوصی شاگرد حضرت ابن وہب ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابن قاسم امام مالک کی خدمت میں دس سال سے زیادہ رہے ہیں، ایک سال میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوالات کرتا تھا، اور ایک سال ابن القاسم۔

امام مالک فرماتے تھے کہ ابن القاسم کی مثال ایسی ہے، جیسے مشک سے بھری ہوئی تھیلی، ایک مرتبہ کسی نے امام مالک سے ابن القاسم اور ابن وہب کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: ابن وہب عالم ہیں اور ابن القاسم فقیہ ہیں۔

حضرت ابن القاسم بڑے مالدار تھے، لیکن تحصیل علم میں مال کو فنا کردیا تھا، مگر بادشاہوں کے عطیات وانعام سے احتراز فرماتے تھے، بہت متورع اور عابد وزاہد تھے، دنیا کی رغبت انھیں چھوکر نہ گزری تھی، ان کے شاگرد مشہور عالم ومحدث حضرت حارث بن مسکین فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں یہ دعا کرتے ہوئے سنا، وہ فرمارہے تھے **اللهم امنع الدنيا مني وامنعني منها**، اے اللہ! دنیا کو میرے پاس آنے سے اور مجھے دنیا کے پاس

جانے سے روک دے۔

حضرت حارث بن مسکین اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ابن القاسم نوعمری میں علم سے زیادہ عبادت میں معروف ہوگئے تھے، پھر حارث نے کہا حضرت ابن القاسم میں عبادت، سخاوت، شجاعت، علم، تقویٰ اور زہد کا حصۂ وافر تھا۔

حضرت اسد بن فرات فرماتے ہیں کہ ابن القاسم ہر دن رات میں دو ختم قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، البتہ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو علم کے احیاء واشاعت کے خیال سے ایک ختم کی انھوں نے تخفیف کردی۔

ان کی شب زندہ داری اور تہجد گزاری کا یہ عالم تھا کہ ان کے شاگرد حضرت سحنون فرماتے ہیں کہ میں ان سے مسائل دریافت کرتا، تو مجھ سے فرماتے، سحنون! تم تو خالی ہو، مگر میرا حال یہ ہے کہ میرا سراس طرح گھوم رہا ہے جیسے چکی گھومتی ہے، یہ کیفیت ان کے قیام لیل کی وجہ سے ہوتی تھی، ہم جب کبھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو وہ یہ بات ضرور فرماتے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ کے ساتھ تھوڑا علم بھی بہت ہے، اور بغیر تقویٰ کے بہت سا علم بھی تھوڑا ہے۔

حضرت سحنون ان کے ایک سفر حج کی داستان سناتے ہیں، جسے علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل کیا ہے۔ یہ حاجیوں کا ایک قافلہ تھا، جس میں امام مالک علیہ الرحمہ کے تین بڑے تلامذہ تھے، عبدالرحمٰن بن القاسم، عبداللہ بن وہب اور اشہب بن عبدالعزیز، یہ قافلہ مصر کے علماء کا تھا، سحنون فرماتے ہیں کہ میں سواری میں ابن وہب کے ساتھ تھا، اور اشہب کے ساتھ ایک یتیم تھا، جو ان کی پرورش میں تھا، اور ابن القاسم کے ہمراہ ان کے صاحبزادے موسیٰ تھے، سفر میں جب کہیں پڑاؤ ہوتا تو میں ابن القاسم کے پاس چلا جاتا، اور ان سے کتابوں کے متعلق سوالات کرتا اور ان کے پاس پڑھتا رہتا، یہ سلسلہ قافلہ کے روانہ ہونے کے قریب تک چلتا رہتا۔ ایک بار مجھ سے ابن وہب اور اشہب دونوں نے کہا کہ تم اپنے استاذ سے کہو کہ ہمارے ساتھ کھانا کھالیں، میں نے ان سے بات کی، فرمایا کہ یہ مشکل ہے، میں نے عرض کیا پھر لوگ کیا سمجھیں گے؟ کیا آپ کے نزدیک میرے کہنے کا

کچھ وزن نہیں ہے؟ فرمایا اچھا تم نے عزم کر ہی لیا ہے، تو آجاؤں گا۔ میں نے ان دونوں حضرات کو بتادیا، جب پڑاؤ کا وقت آیا تو میرے ساتھ تشریف لائے، حضرت اشہب کے دسترخوان پر بڑی مقدار میں عمدہ کھانے چنے گئے تھے، ابن وہب کے یہاں اس سے کم اہتمام تھا، جب وہ پہونچے تو سلام کرکے ایک طرف بیٹھ گئے، پھر دسترخوان کا جائزہ لیا، ایک ڈلیا میں خشک مسالے رکھے ہوئے تھے، انھوں نے اسے ہلایا تو سب مسالے ایک طرف ہوگئے، اور تھوڑا سا نمک تین مرتبہ لے کر چاٹ لیا، پھر اٹھ کر چل دئے، اور فرمایا **بارک اللہ لکم**، وہ تو چلے گئے مگر مجھے شرم آئی، اشہب کو ان کا طرز عمل گراں گزرا، وہ کچھ کہنے لگے، ابن وہب نے فرمایا انھیں چھوڑیئے، ہم دن میں چلتے رہتے، اور مسائل کا مذاکرہ کرتے، جب رات آتی تو سب اپنے اپنے نمازوں وغیرہ کے معمول میں لگ جاتے۔

فرماتے ہیں کہ ہم لوگ دورانِ سفر حجاز کے ایک شہر کی ایک مسجد میں ٹھہرے، وہاں ہم سو گئے، تھوڑی دیر کے بعد ابن القاسم گھبرا کر اٹھے اور مجھ سے فرمایا: ابوسعید! میں نے ابھی خواب دیکھا ہے کہ ایک آدمی مسجد کے دروازے سے اندر آیا، اس کے ہاتھ میں ایک ڈھکا ہوا طباق ہے، اس میں خنزیر کا سر ہے، اللہ خیر فرمائے۔ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک آدمی رومال سے ڈھکا ہوا ایک طباق لئے ہوئے آیا، اس میں اسی آبادی کی پیداوار کھجوریں تھیں، اس نے حضرت ابن القاسم کے سامنے رکھ دیں، کہ کھائیے، فرمایا کہ اس کی گنجائش نہیں ہے، اس نے کہا اپنے ساتھیوں کو دیدیجئے۔ فرمایا، میں نہیں کھاتا تو دوسروں کو کیونکر دوں، وہ آدمی واپس لے کر چلا گیا، مجھ سے فرمایا کہ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے، مشہور تھا کہ اس آبادی کی بیشتر زمینیں وقف کی ہیں، جو غصب کرلی گئی ہیں۔

یہ تھے ہمارے اسلاف! اور یہ تھا ان کا ورع وتقویٰ!

حضرت عبدالرحمٰن بن القاسم کی ولادت ۱۳۲ھ میں ہوئی تھی، اور انتقال صفر ۱۹۱ھ میں۔ محض ۵۹؍سال عمر پائی، مگر فقہ مالکی کی تدوین میں زیادہ انھیں دخل کا ہے۔ **رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ** (سیر اعلام النبلاء ج:۷، ص:۵۴۶)

حضرت حاتم اصم بلخی قدس سرہ

(المتوفی ۲۳۷ھ)

علامہ ذہبیؒ سیر اعلام النبلاء میں حضرت حاتم اصم کے القاب اس طرح لکھتے ہیں:

الزاهد القدوة الربانی ابو عبد الرحمن حاتم بن عنوان البلخی الواعظ، الناطق بالحکمة الاصم ، له کلام جلیل فی الزهد والمواعظ والحکم، کان یقال له لقمان هٰذه الامة ۔ شیخ زاہد، نمونۂ ربانی، ابوعبدالرحمٰن حاتم بن عنوان بلخی واعظ، حکمت بھرا کلام کرنے والے، اصم، ان کا زہد میں، مواعظ میں اور حکمتوں میں بڑا زبردست کلام ہے، انھیں اس امت کا لقمان کہا جاتا ہے۔

علامہ خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں:

اہل بلخ میں ہیں، یہ بزرگ زہد وقناعت میں معروف ہیں اور ورع وتقشّف میں مشہور ہیں، زہد وحکمت میں ان کا کلام مدوّن ہے، حضرت شقیق بلخی کے شاگرد ہیں۔

بڑے درجہ کے عابد وزاہد تھے، صاحب حلیۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ حضرت حاتم اصم تیس سال تک خلوت میں عبادت وریاضت میں مشغول رہے، خلق خدا سے کوئی واسطہ نہ تھا، سوائے اس کے کہ کوئی مسئلہ ہوتا جس کا جواب ضروری ہوتا۔

ان کی نماز کی کیفیت کا کیا پوچھنا، صاحب حلیۃ الاولیاء نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت عصام بن یوسف حاتم اصم کی مجلس میں پہونچے، وہ وعظ کہہ رہے تھے، حضرت عصام نے پوچھا کیا آپ اچھی نماز پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، پوچھا آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں، فرمایا امر الٰہی کی بنیاد پر کھڑا ہوتا ہوں، خشیت کے ساتھ چلتا ہوں، نیت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں، عظمت کے ساتھ تکبیر کہتا ہوں، ترتیل اور غور وفکر کے

ساتھ قرأت کرتا ہوں، خشوع کے ساتھ رکوع کرتا ہوں، تواضع کے ساتھ سجدہ کرتا ہوں، تشہد کے لئے اچھی طرح بیٹھتا ہوں، اور سنت کے مطابق سلام پھیرتا ہوں، اور اس نماز کو اخلاص کے ساتھ اللہ عزوجل کے سپرد کردیتا ہوں، اور پھر اپنی طرف اس خوف واندیشہ کے ساتھ پلٹتا ہوں کہ مبادا قبول نہ ہو، اور کوشش کرتا ہوں کہ موت تک یہی کیفیت قائم رہے۔

حضرت عصام نے فرمایا تب آپ وعظ کہیئے، آپ اچھی نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت حاتم، اصم یعنی بہرے کے لقب سے معروف ہیں، لیکن حقیقۃً وہ بہرے نہ تھے۔ ایک خاص واقعہ میں ایک شخص کو شرمندگی سے بچانے کے لئے اپنا بہرا ہونا ظاہر کیا تھا، پھر اس کو زندگی بھر نباہ دیا، تاکہ شخص مذکور کو شرمندگی لاحق نہ ہو۔

یہ واقعہ علامہ خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے، انھوں نے ابوعلی دقاق کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک خاتون حضرت حاتم سے ایک مسئلہ پوچھنے کے لئے آئی، جس وقت وہ پوچھ رہی تھی اچانک اسے ریاح خارج ہوگئی اور شرمندگی سے اس کی حالت متغیر ہونے لگی، تو حاتم نے فرمایا ذرا بلند آواز سے بولو، انھوں نے خود کو ایسا ظاہر کیا جیسے بہرے ہوں، پس عورت کو اطمینان ہوگیا، وہ سمجھ گئی کہ انھوں نے وہ چیز نہیں سنی جس سے شرمندگی ہورہی ہے، یہیں سے وہ اصم معروف ہوئے۔

ان سے کسی نے پوچھا کہ توکل کے مسئلے میں آپ کے معاملے کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ فرمایا کہ چار باتوں پر

(۱) مجھے معلوم ہے کہ جو میری روزی ہے اسے کوئی دوسرا نہیں کھاسکتا، پس میری طبیعت مطمئن ہوگئی۔

(۲) مجھے معلوم ہے کہ جو کام مجھے کرنا ہے وہ کوئی دوسرا نہیں کرے گا، تو اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔

(۳) مجھے معلوم ہے کہ موت بغیر اطلاع کے آئے گی، تو میں اس کے استقبال کی تیاری میں لگ گیا۔

(۴) مجھے معلوم ہے کہ میں حق تعالیٰ کی نگاہ سے غائب نہیں ہو سکتا، تو مجھے اس سے حیا آنے لگی۔

ان کے استاد حضرت شقیق بلخی نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا کہ تم عرصے سے میرے ساتھ ہو، یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا سیکھا؟ عرض کیا چھ باتیں میں نے سیکھیں۔

(۱) میں نے دیکھا کہ عام لوگوں کو روزی کے متعلق بڑا تردد رہتا ہے، تو میں نے اللہ پر توکل کیا، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا** (ہود:۶) زمین میں جتنے بھی چلنے والے ہیں، سب کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔

(۲) میں نے دیکھا کہ ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی دوست ہوتا ہے، جو اس کا راز دار ہوتا ہے، اس سے وہ راز کی باتیں کہتا ہے اور اس سے اپنی تکلیفیں بیان کرتا ہے، تو میں نے اعمال صالحہ کو اپنا دوست بنایا، کہ وہ میرے ساتھ حساب کے وقت بھی ہیں اور پل صراط سے گزرنے کے وقت بھی۔

(۳) میں نے دیکھا کہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن بھی ہوتا ہے، تو جو کوئی میری غیبت کرے وہ میرا دشمن نہیں، جو کوئی مجھ سے کچھ لے لے وہ میرا دشمن نہیں، میرا دشمن وہ ہے جو اطاعت کے بجائے مجھے معصیت کا حکم دے، اور ایسا شخص ابلیس ہے اور اس کا لشکر، تو میں نے اسے اپنا دشمن بنایا اور اس سے جنگ ٹھان لی۔

(۴) میں نے دیکھا کہ ہر انسان کو ایک طالب ڈھونڈ رہا ہے اور وہ ملک الموت ہے، تو میں نے اپنے آپ کو اس کے لئے فارغ کر لیا۔

(۵) میں نے خلق خدا میں نگاہ کی، تو مجھے ایک سے محبت ہوئی، اور ایک سے بغض ہوا، جس سے محبت ہوئی اس نے مجھے کچھ دیا نہیں، اور جس سے بغض ہوا اس نے مجھ سے کچھ لیا نہیں، میں نے سوچا کہ تب ایسا کیوں ہوا؟ پھر میں نے سمجھا کہ ایسا حسد کی وجہ سے ہوا، لہٰذا میں نے اسے پھینک دیا، اور سب سے محبت کی، پس ہر وہ چیز جس سے میں اپنے لئے راضی نہیں ہوں، کسی کے لئے بھی وہ نہیں چاہتا۔

(۶) میں نے دیکھا کہ ہر ایک کے لئے ایک گھر اور ٹھکانا ہوتا ہے، مجھے دھیان آیا کہ میرا ٹھکانا قبر ہے، پس ہر وہ چیز جس پر مجھے قدرت ہوئی، میں نے اس کو اپنے لئے آگے بھیج دیا، تاکہ میری قبر اس سے تعمیر ہو۔

حضرت شقیق نے فرمایا، بس ان باتوں پر استقامت رکھو، اس کے علاوہ تمہیں کسی اور علم کی ضرورت نہیں۔

یہ باتیں علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء جلد ۹ میں نقل کی ہیں۔ امام ابن جوزی نے صفۃ الصفوۃ میں اس طرح نقل کیا ہے کہ:

(۱) میں نے دیکھا کہ میری روزی اللہ کی جانب سے ہے، وہی دیتے ہیں، تو میں اس کی فکر ترک کر کے اللہ ہی کے حضور مشغول ہو گیا۔

(۲) میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے میری بات لکھنے کے لئے متعین فرما دیئے ہیں، تو میں بس وہی بات بولتا ہوں جس کے حق ہونے کا یقین ہے۔

(۳) میں نے دیکھا کہ مخلوق میرے ظاہر کو دیکھتی ہے اور حق تعالیٰ باطن کو دیکھتے ہیں، تو میں نے سمجھا کہ باطن ہی کی نگرانی بہتر بلکہ ضروری ہے، پس مخلوق کا دیکھنا میری نگاہ سے گر گیا، یعنی اس کی طرف التفات نہیں کیا۔

(۴) میں نے دیکھا کہ حق تعالیٰ لوگوں کو اپنے پاس آنے کے لئے آمادہ کرتے اور بلاتے ہیں، تو میں نے اس کی تیاری کر لی، جب بھی حکم آجائے مجھے مہلت کی ضرورت نہ ہو، یعنی جب بھی ملک الموت آجائیں، میں تیار رہوں۔

حضرت شقیق نے مجھ سے فرمایا: تب تمہاری محنت رائیگاں نہیں گئی۔

حضرت حاتم اصم کی یہ باتیں بہت اہتمام سے پڑھنے اور لوحِ دل پر محفوظ کر لینے کی ہیں، ایک صاحب دل کو چاہئے کہ انھیں دل میں جمائے، اور عمل میں لانے کی کوشش کر کے دل کی ساری تشویش، ہر پریشانی اور ہر اندیشے سے آدمی پاک صاف ہو گا۔

حامد لفاف حضرت حاتم کا کلام نقل کرتے ہیں کہ ہر صبح شیطان مجھ سے کہتا ہے کہ

کیا کھاؤ گے؟ کیا پہنو گے؟ اور کہاں رہو گے؟ میں کہتا ہوں موت کھاؤں گا، کفن پہنوں گا اور قبر میں رہوں گا۔

یہ حضرت حاتم کے توکل کی کیفیت تھی، جب اللہ پر کامل بھروسہ ہوتا ہے، تو مستقبل کے سب اندیشے فنا ہوجاتے ہیں۔ مشہور بزرگ حضرت علی بن الموفق فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حاتم سے خود سنا ہے، وہ فرمارہے تھے کہ ایک بار ترک کافروں سے جہاد ہوا، مقابلہ کے دوران ایک ترکی نے رسی کا پھندا میرے گلے میں پھینک کر مجھے گھوڑے سے گرادیا، اور پھر اپنے گھوڑے سے اتر کر میرے سینے پر سوار ہوگیا، اور چھری نکالی کہ مجھے ذبح کردے، پس قسم ہے میرے آقا کی! میرا دل نہ اس میں الجھا کہ اور نہ اس کی چھری میں! میرا دل تو اپنے آقا کے ساتھ لگا رہا، کہ دیکھوں میرے اوپر میرے آقا کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟ میں نے اپنے جی میں کہا مولیٰ! اگر آپ کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ مجھے ذبح کردے تو یہ فیصلہ سر آنکھوں پر، میں آپ ہی کا ہوں اور آپ ہی کی ملکیت ہوں، میں ابھی اپنے مولیٰ سے محو مناجات تھا اور وہ میرے سینے پر بیٹھا میری داڑھی پکڑے ہوئے ذبح کرنا ہی چاہتا تھا کہ ناگاہ ایک زوردار تیر آیا، جو ٹھیک اس کی حلق میں پیوست ہوگیا، وہ فوراً ہی میرے اوپر سے اچھل کر گر گیا۔ میں اٹھا اور اس کے ہاتھ سے چھری لے کر میں نے اسے ذبح کردیا۔

پس خوب سمجھ لو، تمہارا دل مولیٰ کے حضور میں رہنا چاہئے، پھر اس کی مہربانی کے ایسے عجائبات دیکھو گے جو تمہیں اپنے ماں باپ کی طرف سے تمہیں نظر نہیں آئے گا۔

(صفۃ الصفوۃ، ص: ۷۸۳)

توکل اور اعتماد اس کا نام ہے، دیکھئے کس اطمینان سے فرمارہے ہیں کہ میرا دل نہ اس میں الجھا جو میرے سینے پر بیٹھا تھا اور نہ اس کی چھری میں، میں حق تعالیٰ پر نگاہ جمائے ہوئے تھا، اللّٰھم ارزقنا منہ

جان کے خوف کے وقت ان کے توکل کا یہ حال تھا، اب روزی میں توکل ملاحظہ ہو۔ آدمی اپنی بیوی اور بچوں کے لئے پریشان ہوتا ہے، کہتا ہے کہ میں اپنے حق میں تو صبر

کرلوں، مگر بیوی بچوں کا کیا ہوگا۔ لیکن حضرت حاتم کا حال ملاحظہ فرمایئے:

ابوتراب نخشبی فرماتے ہیں کہ حضرت حاتم فرمارہے تھے کہ میری چار بیویاں ہیں اورنو اولادیں ہیں، لیکن شیطان کو کبھی حوصلہ نہ ہوا کہ ان کی روزی کے متعلق میرے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا کرسکے۔ (صفۃ الصفوۃ، ص:۷۸۳)

سبحان اللہ! یہ تھے صاحب معرفت اور صاحب توکل! اللہ پر کامل بھروسہ تھا، اس لئے ان کو ذرا بھی جنبش نہ تھی۔

حضرت حاتم اصم فرماتے ہیں کہ تین مواقع پر اپنے نفس کی خاص نگرانی رکھو۔

(۱) جب کوئی کام کرو تو خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

(۲) جب بات کرو تو دھیان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہے ہیں۔

(۳) اور جب خاموش رہو تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان تینوں باتوں کا استحضار رہے تو گناہ کی جڑ ہی اکھڑ جائے گی۔

فرمایا کہ جو کوئی ان تین باتوں کے بغیر تین باتوں کا دعویٰ کرے، سمجھ لو کہ وہ جھوٹا ہے۔

(۱) اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے، مگر حرام چیزوں سے پرہیز نہ کرتا ہو تو جھوٹا ہے۔

(۲) جنت کی چاہت کا دعویٰ کرے، مگر مال نہ خرچ کرے وہ جھوٹا ہے۔

(۳) نبی ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرے اور فقراء و مساکین سے محبت نہ رکھتا ہو، وہ جھوٹا ہے۔

فرمایا: توبہ کرنے والوں کو چار کام کرنے چاہئیں۔

(۱) زبان کی حفاظت کرے، غیبت سے، جھوٹ سے، حسد سے اور لغوبات سے۔

(۲) برے ساتھیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔

(۳) جب گناہ یاد آئے تو اللہ سے شرمائے۔

(۴) موت کی تیاری کرے۔

موت کی تیاری کی علامت یہ ہے کہ کسی حال میں اللہ سے ناراض نہ ہو، یعنی کسی حال کی شکایت نہ کرے۔

توبہ کرنے والا جب یہ چار کام کرلے گا تو حق تعالیٰ اسے چار چیزیں عطا فرمائیں گے۔

(۱) اس سے محبت فرمائیں گے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۲) بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔

(۲) گناہ سے اس طرح پاک ہوجاتا ہے، جیسے گناہ کیا ہی نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: التائب من الذنب كمن لاذنب له ، گناہ سے تائب ایسا ہے جیسے اس کا کوئی گناہ نہیں۔

(۳) شیطان سے اس کو تحفظ عطا فرماتے ہیں۔

(۴) جہنم سے اسے موت سے پہلے چھٹکارا کی بشارت دیتے ہیں، فرمایا: أن لاتخافوا ولاتحزنوا وأبشروا بالجنة التي كنتم توعدون ۔ نہ اندیشہ کرو، نہ رنجیدہ ہو، بلکہ جنت کی بشارت لو، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

فرمایا کہ مشہور ہے کہ عجلت شیطان کی جانب سے ہے، لیکن پانچ چیزیں ایسی ہیں جن میں جلدی کرنی چاہیے۔

(۱) مہمان آجائیں تو جلد کھانا کھلانا چاہیے۔

(۲) آدمی مرجائے تو تجہیز و تکفین میں جلدی کرے۔

(۳) بچی بالغ ہوجائے تو جلد نکاح کرے۔

(۴) قرض کے ادا کرنے میں جلدی کرے۔

(۵) گناہ ہوجائے تو جلد توبہ کرے۔

حضرت حاتم جب حج کے لئے تشریف لے گئے، تو بڑے واقعات پیش آئے۔

مدینہ طیبہ میں قبر اطہر کے پاس بیٹھتے تھے اور حدیثیں بیان کرتے تھے، ایک روز کچھ پڑھے لکھے لوگوں نے سوچا کہ ان سے کچھ مشکل سوال کئے جائیں، تاکہ یہ جواب نہ دے سکیں تو شرمندہ ہوں، انھوں نے کہا ہم ایک سوال کرنا چاہتے ہیں، فرمایا پوچھئے! بولے ایک آدمی کہتا ہے **اللّٰھم ارزقنی** ۔ اے اللہ! مجھے روزی دیجئے، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

غالباً توکل پر کچھ بیان کرتے رہے ہوں گے، تو شاید یہ خیال ہوا ہوگا کہ روزی کا جب اللہ نے ہر ایک سے وعدہ کر رکھا ہے تب اس کا سوال کرنا خلاف توکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر فرماتے کہ خلاف توکل ہے، تو اس پر سخت اعتراض کرتے، اور اگر کہتے کہ خلاف توکل نہیں ہے، تب تو اعتراض ظاہر ہے، اب ملاحظہ فرمایئے لقمان امت کیا فرماتے ہیں:

فرمایا کہ یہ دعا کب کر رہا ہے، وقت پر؟ یا وقت سے پہلے؟ لوگوں نے کہا اس کا مطلب؟ فرمایا کہ اگر اس بندے نے اس وقت روزی مانگی ہے کہ جب کہ اسے حاجت ہے، تب تو ٹھیک ہے، ورنہ آپ لوگوں کا حال یہ ہے کہ آپ کے پاس کھیتی ہے، تھیلی میں رقم ہے، گھر میں کھانا موجود ہے، اور آپ کہتے ہیں اے اللہ! ہمیں روزی دیجئے، حالانکہ حق تعالیٰ روزی دے چکا ہے، اسے کھاؤ اور اپنے بھائیوں کو کھلاؤ، یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ پھر اللہ سے مانگو وہ تمہیں دے گا، ہوسکتا ہے کہ کل تم مر جاؤ، اور یہ سارا مال دوسرے کے لئے چھوڑ جاؤ، دراصل تم کو جتنی روزی مل چکی ہے اس پر اضافہ چاہتے ہو۔

پوچھنے والوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں، ہم نے سوال کرکے زیادتی کی۔

اسی سفر حج میں حضرت حاتم اصم جب بغداد پہونچے، تو اہل بغداد اُن کی خدمت میں جمع ہوئے، کسی نے پوچھا کہ آپ عجمی ہیں، بولنے پر آپ کو پوری قدرت نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود جو کوئی آپ سے بات کرتا ہے اسے خاموش ہونا پڑتا ہے، فرمایا کہ میرے اندر تین باتیں ہیں، جن کی وجہ سے میں اپنے مقابل پر غالب آتا ہوں، پوچھا وہ کیا؟ فرمایا:

(۱) میرا مقابل جب کوئی صحیح بات کہتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔

(۲) اس سے کوئی غلط بات صادر ہوتی ہے تو مجھے رنج ہوتا ہے۔

(۳) میں اس پر جہالت واصرار سے اپنے نفس کا تحفظ رکھتا ہوں۔

یہ بات جب امام احمد بن حنبلؒ کو معلوم ہوئی تو فرمایا: اوہو! یہ شخص کس درجہ عقل مند ہے، اس کے پاس چلنا چاہئے، چنانچہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان سے دریافت کیا کہ دنیا میں کیونکر محفوظ رہا جائے، فرمایا کہ چار چیزوں کے بغیر دنیا میں محفوظ رہنا ممکن نہیں!

(۱) لوگوں کی جہالت سے درگزر کرنا۔

(۲) اپنی جہالت سے انھیں بچائے رکھنا۔

(۳) اپنا مال ان پر خرچ کرنا۔

(۴) ان کے مال سے خود کو مایوس کر لینا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج:۸، ص:۷۷)

علامہ ذہبی نے دو باتیں اور نقل کی ہیں کہ دوسروں کے حقوق ادا کرتے رہو، اور اپنے حق کا تقاضا مت کرو۔

واقعی یہ زندگی کے دنیا میں پُرسکون ہونے اور آخرت میں اللہ کی رضا و مغفرت کے گر ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل توکل ہو تو یہ سب امور آسان ہیں، ورنہ حطام دنیا کی محبت دل میں ہو تو یہ انہونی باتیں ہیں، مگر مقصود اعظم تو توَکل ہی ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عطا فرمائے۔

حضرت حاتم اصم کی وفات ۲۳۷ھ میں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

حضرت مسلم بن یسار علیہ الرحمہ

ابوعبداللہ البصری فقیہ، زاہد، بنی امیہ یا طلحہ بن عبیداللہ تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے، تابعین میں بڑا رتبہ رکھتے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

بڑے عابد اور متقی تھے، نماز تو ایسی پڑھتے تھے کہ دائیں بائیں ذرا بھی التفات نہ ہوتا، خواہ ہلکی نماز ہو یا طویل، ایک بار مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی دوران اس کا ایک گوشہ منہدم ہو گیا، بازار تک شور مچ گیا اور گھبراہٹ پیدا ہو گئی، لیکن ان کو ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔

علامہ ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ حضرت محمد بن سیرین علیہ الرحمہ کے گھرانے کے ایک فرد نے بیان کیا کہ حضرت مسلم بن یسار نے سجدے سے سر اٹھایا، تو میں نے دیکھا کہ سجدے کی جگہ آنسوؤں سے اس طرح تر ہے جیسے اس پر پانی بہایا گیا ہو۔

کسی نے ان سے کہا کہ آپ نماز میں کس درجہ یکسو ہوتے ہیں؟ فرمایا، تمہیں کیا پتہ کہ میرا دل کہاں ہوتا ہے، ان کا حال یہ تھا کہ جب گھر میں تشریف لاتے تو ادب سے سب خاموش ہو جاتے، لیکن جب نماز شروع کرتے، تو سب بے تکلف باتیں کرتے، خود فرماتے تھے کہ جب نماز پڑھتا ہوں تو باتیں کرو، میں کچھ نہیں سنتا، حضرت ابن عون فرماتے ہیں کہ میں نے مسلم بن یسار کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے لکڑی گاڑ دی گئی ہو، نہ کسی طرف مائل ہوتے، نہ ہلتے، کپڑے تک کو حرکت نہ ہوتی، ان کا خشوع وخضوع اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ نماز کے باہر بھی ان پر کیفیت نماز ہی والی طاری رہتی تھی۔

بڑے باکرامت بزرگ تھے، حضرت معاویہ بن فروہ فرماتے ہیں کہ حضرت مسلم

بن یسار ہر سال حج کرنے جاتے تھے، اور ان کے ساتھ پوری ایک جماعت ہوا کرتی تھی، اور وہ اس کے پابند تھے، ایک بار روانگی میں تاخیر ہوئی، اتنی تاخیر کہ اب جاتے تو حج ملنے کا امکان نہ تھا، اسی دوران انھوں نے اپنے رفقاء سے کہا کہ چلو حج کر آئیں، لوگوں کو حیرت ہوئی کہ اب کہاں جانے کا وقت ہے؟ فرمایا کہ نہیں ضرور چلنا ہے، لوگوں نے ان کے لحاظ میں تیاری کی اور نکل پڑے، جب رات کی تاریکی پھیلی تو شدید آندھی آئی، کوئی ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پاتا تھا، جب صبح ہوئی تو مکے کی پہاڑیاں نظر آرہی تھیں، لوگوں نے الحمد للہ کہی، فرمایا تعجب کیا کر رہے ہو، یہ اللہ کی قدرت ہے۔

سلیمان بن مغیرہ فرماتے ہیں کہ ایک بار مسلم بن یسار دریائے دجلہ کے پاس تھے اس وقت سیلاب آیا ہوا تھا، وہ جھاگ پھینک رہا تھا، وہ اپنے ساتھیوں سمیت پانی پر چل پڑے، پھر اپنے ساتھیوں کی جانب متوجہ ہو کر فرمایا، کہ کوئی چیز کھوئی تو نہیں گئی۔

حضرت مسلم بن یسار نے فرمایا، اس آدمی جیسا عمل کرو، جو سمجھتا ہے کہ میرے عمل ہی سے مجھے نجات حاصل ہو سکتی ہے، اور اس آدمی جیسا توکل اختیار کرو، جسے یقین ہے کہ جو کچھ اللہ نے لکھ دیا ہے، اس کے علاوہ اسے کچھ نہیں مل سکتا ہے۔

حضرت معاویہ بن فروہ فرماتے ہیں کہ مسلم بن یسار کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے عرض کیا میرے پاس کوئی بڑا عمل نہیں ہے، البتہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں۔

فرمایا ماشاء اللہ! جو کوئی کسی چیز سے ڈرتا ہے، اس سے احتیاط رکھتا ہے، اور جو کوئی کسی چیز کا امیدوار ہوتا ہے اسے تلاش کرتا ہے، اور میں نہیں جانتا کہ اس بندے کے خوف کا کیا اعتبار جسے کوئی خواہش ہوئی، لیکن وہ اسے اس چیز کے ڈر سے بھی نہیں چھوڑتا، جس سے وہ ڈرتا ہے، یا اگر کسی بلا میں مبتلا ہوا، تو اس خیر کی امید میں صبر نہیں کرتا جس سے وہ امیدوار ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جب دل میں اللہ کا خوف ہے، تو اس کے ڈر سے اگر معصیت

نہیں چھوڑی تو کیا اعتبار؟ اور اگر اللہ سے امید رکھتا ہے تو بلاؤں پر صبر نہیں کیا، تو اس امید کا کیا اعتبار؟

حضرت مسلم بن یسار کا انتقال ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ میں ہوا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

(صفة الصفوة الابن جوزی، حلیة الاولیاء لابی نعیم اصبهانی ، تاریخ الاسلام للذهبی)

☆☆☆☆☆

حضرت صفوان بن محرز المازنی علیہ الرحمہ

یہ بصرہ کے رہنے والے تابعی ہیں، ان کا تعلق بنی تمیم سے تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری، عمران بن حصین، حکیم بن حزام اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد ہیں، صاحب فضل وتقویٰ تھے، بڑے عبادت گزار، خاشع وخاضع اور واعظ تھے، اپنے گھر میں ایک تہہ خانہ بنا رکھا تھا، اسی میں مصروف عبادت رہتے، اور اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے، فرماتے تھے کہ مجھے ایک روٹی مل جائے، جس سے میں اپنی پیٹھ سیدھی رکھ سکوں، اور ایک پیالہ پانی مل جائے، تو پھر دنیا اور اہل دنیا کی کوئی حاجت نہیں۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ میں ایسے بزرگوں سے ملا ہوں، جو حلال اور جائز چیزوں سے بھی اتنے بے رغبت اور بے نیاز تھے، کہ تم لوگ حرام سے بھی اتنا نہیں بچتے۔

میں ایسے بزرگوں سے ملا ہوں، جو اپنی نیکیوں کے قبول نہ کئے جانے سے اتنا ڈرتے تھے، جتنا تم اپنی برائیوں سے نہیں ڈرتے، میں ایسے بزرگوں کی صحبت میں رہا ہوں جو زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، زمین ہی پر سوتے تھے، انھیں میں سے صفوان بن محرز مازنی بھی ہیں۔

وہ فرماتے تھے کہ میں اپنے گھر آتا ہوں اور ایک روٹی پا جاتا ہوں، تو بس وہی کھا لیتا ہوں۔ اللہ دنیا کو اور دنیاداروں کو برا بدلہ دے، خدا کی قسم انھوں نے مرتے دم تک ایک روٹی سے زیادہ نہیں کھایا، اور ہمیشہ روزہ رکھتے اور ایک روٹی سے افطار کرتے، اور اس کے بعد پانی پی کر سیراب ہو جاتے، پھر صبح تک نمازیں پڑھتے رہتے، جب فجر پڑھ لیتے تو قرآن شریف میں دیکھ کر تلاوت کرتے، یہاں تک کہ سورج بلند ہو جاتا، پھر دوپہر تک

نمازیں پڑھتے ، دوپہر میں تھوڑی دیر زمین پر لیٹ کر سو رہتے ، پھر ظہر کے لئے اٹھتے ، ساری زندگی یہی ان کے سونے کا وقت تھا، ظہر کے بعد پھر عصر تک نوافل میں مشغول رہتے، عصر کے بعد تلاوت کرتے۔

عبادت کی کثرت اور توجہ الی اللہ کی یکسوئی نے انھیں سراپا تاثیر بنادیا تھا، علامہ ابن جوزی نے صفۃ الصفوۃ میں غیلان بن جریر سے نقل کیا ہے کہ صفوان اور ان کے کئی بھائی اکٹھے بیٹھتے اور لوگ بھی جمع ہوتے ، پھر وہ باہم گفتگو کرتے ، مگر کسی پر رقت طاری نہ ہوتی ، تب لوگ کہتے کہ صفوان آپ کچھ کہئے ، وہ فرماتے الحمدللہ، اتنا سنتے ہی قلوب پر رقت طاری ہوجاتی اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ، جیسے مشک کا منہ کھول دیا گیا ہو۔

حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد نے صفوان کے ایک بھتیجے کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیا تھا، حضرت صفوان نے بصرہ کے بڑے بڑے بااثر لوگوں سے سفارش کروائی ، مگر اس نے نہیں چھوڑا، ایک رات وہ اپنے مصلیٰ پر غمزدہ بیٹھے تھے ، کہ انھیں نیند کا جھونکا آنے لگا، وہ خواب دیکھتے ہیں کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ صفوان اپنی حاجت اس کے صحیح طریقے پر مانگو، وہ گھبرا کر بیدار ہوئے ، پھر وضو کرکے نماز اور دعا میں مشغول ہوگئے ، ادھر یہ دعا کررہے ہیں، ادھر ابن زیاد کی نیند اچاٹ ہوگئی ، پھر کسی طرح نیند نہیں آرہی تھی ، اس نے حکم دیا کہ صفوان کے بھتیجے کو لاؤ، پھر پہریداروں کو بلایا، روشنی لائی گئی، اور اسی وقت رات میں جیل کا دروازہ کھلوایا، اور کہا کہ صفوان کے بھتیجے کو باہر لاؤ، میری نیند حرام ہوگئی ہے، ابن زیاد نے کہا جاؤ کسی ضمانت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ تم پر کوئی فرد جرم ہے ۔ حضرت صفوان نماز و دعا میں مشغول تھے کہ صفوان کے بھتیجے نے دروازہ کھٹکھٹایا، صفوان نے پوچھا کون؟ کہا کہ میں فلاں ہوں، کہا یہ کون سا وقت ہے، تب اس نے اپنا واقعہ سنایا۔

۱۰۰ھ کے قریب ان کا انتقال ہوا۔

☆☆☆☆☆